بسم اللہ الرحمن الرحیم

لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين

ہزارہا فقہی مسائل اور اسلامی و دینی معلومات کا خزینہ

مجموعۃ الفتاوی

انوارِ شریعت

حصہ اول تا ہشتم

جلد اول

ازافادات

مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ

حجۃ الاسلام حضرت شاہ حامد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ

صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ

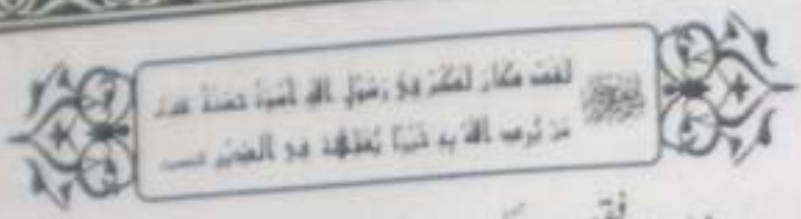
مناظر اسلام حضرت مولانا نظام الدین ملتانی صاحب قدس سرہ

مرتبہ

مولانا مفتی محمد سلیم قادری رضوی علوی

سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ

ڈجکوٹ روڈ فیصل آباد



ہزاروں فقہی مسائل اور اسلامی و دینی معلومات کا خزینہ

انوار شریعت

المعروف بہ

جامع الفتاویٰ

حصہ اول تا ہفتم

جلد اول

از افادات

مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ

حجۃ الاسلام حضرت شاہ حامد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ

صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ

مناظر اسلام حضرت مولانا نظام الدین ملتانی صاحب قدس سرہ

مرتب

مولانا محمد اسلم علوی قادری رضوی

سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ
ڈجکوٹ روڈ فیصل آباد

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

اشاعتی ضابطہ

نام کتاب: انوار شریعت المعروف بہ جامع الفتاویٰ

ترتیب و تدوین: مولانا محمد اسلم علوی قادری رضوی

نظر ثانی: مولانا محمد اسحاق ظفر

کمپوزنگ: ضیاء العلوم کمپوزنگ سنٹر، سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

کمپیوٹر گرافکس: قاضی محمد یعقوب چشتی ، اظہر اقبال اعوان

پروف ریڈنگ: مولانا محمد عظیم ، خواجہ وقار احمد چشتی

قیمت .....

ناشر سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد

ملنے کے پتے

☆ ضیاء العلوم پبلی کیشنز ۱۲۸ بازار تلواڑاں راولپنڈی
Fax-4580404 0333-5166587
Emil:ziauloom@isb.paknet.com.pk

☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

☆ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ غوثیہ محلہ فرقان آباد سبزی منڈی کراچی

☆ مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد

عرضِ ناشر

انسانی زندگی کو کامیابی و کامرانی سے گزارنے کیلئے اسلامی تعلیمات اور احکامات کا جاننا انتہائی ضروری ہے۔ دین اسلام اپنی ہمہ گیر آفاقی اور جامع احکامات کے باعث اتنا وسیع حلقہ رکھتا ہے کہ اس کی گہرائی و گیرائی تک پہنچنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ ائمہ دین اور مجتہدین کرام نے اپنے اپنے ادوار میں پیش آمدہ مسائل کا حل نکالا اور انہیں کتابی شکل میں ترتیب دیا۔ اسلاف کرام کے انہی علمی جواہر پاروں کے مجموعے کا نام فقہ اسلامی ہے۔

سلف صالحین نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے استدلال کرتے ہوئے دنیا کو پیش آمدہ مسائل کا نہ صرف حل بتایا بلکہ ایسے جامع اصول مرتب فرما دیئے کہ آنے والی نسلوں کیلئے مسائل کا استخراج و استنباط آسان ہو گیا۔ قدیم ذخائر میں مسائل اعتقادیہ وفقہیہ کا وافر حصہ عربی و فارسی زبان میں موجود ہے۔ مگر اردو زبان کا دامن معرفت اس خزینہ سے بڑی حد تک خالی تھا۔ اور جو در آبدار تھے وہ بھی یکجا نہ تھے۔ اس عظیم خدمت کو انجام دینے کی ذمہ داری محترم جناب مولانا محمد اسلم علوی نے پوری فرمادی ہے۔

زیر نظر کتاب "انوار شریعت" (جامع الفتاوی) مولانا محمد اسلم علوی کی مرتبہ ہے۔ آپ نے مسلکِ حقہ اہل سنت و جماعت کی کئی نایاب اور انتہائی قیمتی کتب کو دور افتادہ اور عدم توجہی کا شکار ذخارِ علم سے انتھک کاوشِ روز و شب کے بعد ہم تک پہنچایا ہے۔ آپ کے کئی علمی شاہکار آپ کے علمی تبحر پر دلالت کرتے ہیں۔ بہت سے مشائخ عظام کی بیش بہا تصانیف کے تراجم آپ نے کیے ہیں۔ جامع الفتاوی کی ترتیب و تدوین اہل سنت و جماعت پر آپ کا احسانِ عظیم ہے کیونکہ اس میں دیوبندیوں اور وہابیوں کے ساتھ اہلسنت و جماعت کے اختلافی مسائل پر سیر حاصل اور مدلل بحث کے علاوہ مرزائیوں کے رد میں میں بھی مدلل فتاوی شامل ہیں۔ اگر کوئی بھی ذی شعور باہوش وحواس اس فتاوی کا غیر جانبداری سے مطالعہ کرے تو وہ اپنی ہدایت کے لیے مکمل رہنمائی پائے گا۔

جامع الفتاوی میں علامہ موصوف نے مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام شاہ احمد رضا خان بریلوی، حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خان بریلوی، صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی اور مناظر اسلام حضرت مولانا نظام الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے فتاوی کو جمع کیا ہے۔ اس کتاب میں گرانقدر مسائل فقہ کو نہایت مدلل طریقے سے بیان کرنے کے علاوہ مذہب حق اہلسنت و جماعت کی صحیح ترجمانی کی گئی ہے۔

یہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ پہلا ایڈیشن کتابت کے ساتھ منظر عام پر آیا جس میں بے شمار لفظی اغلاط کے علاوہ عربی عبارات کے نقل کرنے میں بہت زیادہ بے توجہی اختیار کی گئی تھی۔ اب یہ کتاب جدید انداز میں کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ شائع کی جارہی ہے اور حتی الامکان غلطیوں کو درست کر دیا گیا ہے۔

یہ کتاب امت مسلمہ کے لیے نہایت قیمتی تحفہ ہے۔ قارئین اس کے مطالعہ سے یقیناً فائدہ اٹھائیں گے اور اپنے عقائد اور ایمان کو مضبوط کریں گے۔ اس کتاب کو اصلاح عقائد میں اہم مقام حاصل ہے۔

تحریر کو اس کے معنوی وصوری حسن کے ساتھ صفحہ قرطاس پر لانا بھی ایک فن ہے۔ عبارات کی پیرابندی اور اقتباسات کو ان کے خدوخال کے ساتھ لکھنا علم وہنر کے بغیر بہت مشکل ہے۔ اس نئی اشاعت کو کتابت وکیلی گرافی کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے "ضیاء العلوم کمپوزنگ سنٹر" کے احباب عزیزم محمد یعقوب چشتی، اظہر اقبال اعوان خصوصاً مولانا حافظ محمد اسحاق ظفر زید مجدہٗ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ حافظ صاحب نے بڑی دلجمعی اور جانفشانی کے ساتھ ان ساتھیوں کے ہمراہ اس کتاب کو فنی خوبصورتیوں سے مزین کیا ہے۔ ان کی شبانہ روز محنت، لگن اور قلبی خلوص نے اس کتاب کی دلکشی اور جاذبیت میں بے انتہا اضافہ کر دیا ہے۔ صاحب ذوق اور فن کی باریکیوں میں نظر رکھنے والے حضرات یقیناً اس سے محظوظ ہوں گے۔

"ادارہ" کی شروع سے یہی کوشش رہی ہے کہ ایسی کتب شائع کرنے کا اہتمام کیا جائے جن سے اعلیٰ اسلامی واخلاقی اقدار کا تحفظ ہو اور مسلک اہل سنت کی صحیح تصویر کشی اور ترجمانی ہو۔

الحمد للہ! ہم تحدیث نعمت کے طور پر فخر سے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم بہت حد تک اس کوشش میں کامیاب رہے ہیں۔ عوام کا بے پناہ اعتماد اس بات کا گواہ ہے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ مستقبل میں ہم اپنی ان کوششوں اور خدمات کو مزید آگے بڑھانے کا پختہ ارادہ رکھتے ہیں۔

اللہ رب العزت سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

مارچ 2004ء

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱۱۱	ثبوت سیلا شریف	۲۲۵
۱۱۲	ثبوت گیارہویں شریف	۲۲۸
۱۱۳	بوقت اذان انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا	۲۲۸
۱۱۴	اشارات انگشت تشہد میں	۲۵۰
۱۱۵	ثبوت علم باطن	۲۵۱
۱۱۶	ثبوت بیس رکعت تراویح	۲۵۳
۱۱۷	تصوف	۲۵۴
۱۱۸	سلجائے صبح	۲۵۴
۱۱۹	وتر تین رکعت ہیں	۲۵۵
۱۲۰	شراکہ جمعہ	۲۵۸
۱۲۱	ولایت کفار میں جمعہ کا حکم	۲۵۹
۱۲۲	ثبوت احتیاط الظہر	۲۶۲
۱۲۳	"بسم اللہ" نماز میں اونچی نہ پڑھی جائے	۲۶۲
۱۲۴	عدم جواز فاتحہ خلف الامام	۲۶۳
۱۲۵	عدم جواز "رفع یدین فی القراۃ"	۲۶۴
۱۲۶	آمین بالجہر خلف الامام	۲۶۵
۱۲۷	نجس و پاک پانی	۲۶۶
۱۲۸	ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ثبوت	۲۶۶
۱۲۹	غیر مقلدین کے خیالات کی تردید	۲۷۳
۱۳۰	مولوی ثناء اللہ امرتسری کا اعتقاد	۲۷۷
۱۳۱	غیر مقلدوں سے خیر خواہی	۲۷۷

حصہ پنجم: از فتاوی مناظر اسلام علامہ مولانا حضرت نظام الدین صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۲	فیصلے واحکام کتاب اللہ میں کتنے ہیں اور اجتہادیہ کتنے ظاہر الروایت ونادر واقعات کس کو کہتے ہیں، فقہ وقرآن واحادیث میں کچھ تفاوت ہے یا نہیں؟	۲۷۸
۱۳۳	اصول اسلام کتنے ہیں؟ ثبوت قیاس اور مذمت منکر قیاس۔	۲۷۹
۱۳۴	امام اعظم کے رتبہ سے امام بخاری کے رتبہ کی کمی کی وجوہات	۲۸۱
۱۳۵	رد طعن فرقہ وہابیہ کہ امام صاحب کم علم عربیہ اور ضعیف تھے۔	۲۸۳
۱۳۶	بخاری و مسلم میں بہت حدیثیں ضعیف اور مخالف کتاب اللہ ہیں، وجہ تسمیہ صحاح ستہ۔	۲۸۶

نمبر	مضامین	صفحہ
۱۳۷	چار مذہب کس لئے ہوئے؟ اور اس کا ثبوت حدیثوں سے	۲۸۸
۱۳۸	محدث کس کو کہتے ہیں، اس کو کس قدر علم ہونا چاہئے اور کیا ہمارے زمانہ میں کوئی محدث ہے؟	۲۸۹
۱۳۹	مناظرہ کرنا اور مناظرہ کے شرائط	۲۹۰
۱۴۰	"انزکوا قولی" کے کیا معنی ہیں اور امام صاحب نے یہ کس کو کہا؟ مع جواب ردوہابیہ	۲۹۱
۱۴۱	مفتی اور واعظ اور مفسر کو کس قدر علم ہونا چاہئے؟	۲۹۳
۱۴۲	قرآن مجید اور علم حدیث کے سمجھنے کے لئے کس قدر علم ہو؟	۲۹۴
۱۴۳	ثبوت علم فقہ	۲۹۵
۱۴۴	بحث مفقود الخبر	۲۹۶
۱۴۵	جواب فرقہ وہابیہ اور حضرت عمر کا رجوع حضرت علی کی طرف	۲۹۸
۱۴۶	مسئلہ طلاق ثلاثہ مع تردید غیر مقلدین، احکام مبتدع	۲۹۹
۱۴۷	مسئلہ خلع وعدت خلع مع جواب فرقہ وہابیہ	۳۰۲
۱۴۸	بحث جنازہ غائب	۳۰۴
۱۴۹	چار تکبیر جنازہ	۳۰۵
۱۵۰	ترکیب جنازہ اور جنازہ کا کئی بار پڑھنا، سینہ پر ہاتھ باندھنا	۳۰۵
۱۵۱	مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟	۳۰۶
۱۵۲	بحث علم غیب رسول وزیارت روضہ اقدس وطلب حاجات از قبور بزرگان	۳۰۷
۱۵۳	اپنے آپ کو محمدی مذہب کہلانا کیسا ہے؟	۳۱۰
۱۵۴	مصافحہ ومعانقہ بعد ہر نماز وملاقات کیسا ہے؟	۳۱۱
۱۵۵	بحث "ضالین وظالین" مع جواب فرقہ وہابیہ	۳۱۳
۱۵۶	تردید مسئلہ مسیح بر جراب	۳۱۴
۱۵۷	اجرت نکاح ومسئلہ "رسول وای" وقدم مبارک ووالدین جو کفر پر مرے ہوں، ان کے لئے طلب مغفرت کا کیا حکم ہے؟	۳۱۵
۱۵۸	ثبوت عذاب قبر از قرآن وحدیث	۳۱۸

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱۵۹	ان سوالوں کے جواب مثلاً حکم اشیاء ماخوذ و ذکری کتابیں دستر کتب لقہ و ملی یا عورت قبل از غسل و جبر البالغ کے نکاح کا حکم الخ	
۱۶۰	فاسد و مذمت رشوت خود و سود خور اور قبیل تراشی و ثبوت ربیت و ممانعت محبت یا مرزائیاں و مسئلہ صاحب سلسل بول وغیرہ غیر مقلدین کے پیچھے نماز حنفی کی ناجائز اگر پڑھے تو کیا تعزیر ہے، اس پر علمائے بریلوی اور انجمن نعمانیہ وغیرہ کے فتوے	۳۲۰
	اور حقہ پینے کی ممانعت	۳۲۶
۱۶۱	بخاری کے امام صاحب کا شاگرد ہونے کا ثبوت	۳۳۰
۱۶۲	کیے کی کھال پر نماز کا نہ ہونا	۳۳۱
۱۶۳	وظیفہ برائے انقضائے قبیح حاجات	۳۳۲
۱۶۴	فرقہ مرزائیہ کے دس سوالوں کے جواب باصواب	۳۳۳
۱۶۵	بحث شیعہ یعنی اصحاب عمامہ کا بتازہ پڑھنا قبل از دفن حضور ثبوت از کتب شیعہ	۳۳۰
۱۶۶	وضو میں پاؤں کا دھونا	۳۳۲
۱۶۷	مذمت تعزیہ و مرثیہ خوانی از کتب شیعہ	۳۴۳
	حصہ ششم: از فتاویٰ مناظر اسلام مولانا علامہ حضرت نظام الدین صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ	
۱۶۸	وضو کے فرائض اسنن اور مستحب مع جواب شیعہ ثبوت قرآن مجید و احادیث صحیحہ	۳۳۶
۱۶۹	بحث آیت وضو محل میں مفصل مع رد خیال پیکر الوی و مفسدات وضو اور موزوں پر مسح کرنے کا حکم اور مدت	۳۳۹
۱۷۰	مس ذکر یا فرج سے وضو فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟	۳۵۰
۱۷۱	غسل کا سبب و طریقہ	۳۵۲
۱۷۲	بعد عرفہ اور عیدین پر غسل کا حکم	۳۵۳
۱۷۳	نماز کی شرائط وغیرہ ثبوت از قرآن و احادیث	۳۵۴
۱۷۴	بیان عدم ثبوت آمین بالجہر و رفع یدین ثبوت از قرآن مجید و احادیث صحیحہ	۳۵۵
۱۷۵	امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کا ثبوت مع رد اعتراضات وہابی	۳۶۱
۱۷۶	پیکر الوی مذہب کی نماز کا بیان	۳۶۷
۱۷۷	نماز حنفی کا ثبوت قرآن مجید سے	۳۶۸
۱۷۸	کرم الٰہی ساقی کے رسالہ کا رد اور حوروں کی بابت کا حکم اور طریقہ قرآن مجید و احادیث سے	۳۶۹

نمبر	مضامین	صفحہ
۱۷۹	احادیث سے صبح وعصر اور مغرب کی نماز پڑھ چکنے کے بعد جماعت سے شریک نہ ہونے کا حکم	۳۷۰
۱۸۰	اندھے کی امامت	۳۷۱
۱۸۱	عاق استاد ومرشد کے پیچھے نماز ناجائز ہونے کا بیان	۳۷۲
۱۸۲	قرآن کا بیان کہ کس قدر بلند آواز سے پڑھنا چاہئے اور قرأت میں خوش الحانی جائز ہے یا نہیں؟	۳۷۳
۱۸۳	امام کو اجتماع اہل مسجد کے بعد کسی امیر کا انتظار نہ کرنے کا حکم	۳۷۵
۱۸۴	حکم نابالغ کی اقتداء کا تراویح میں اور وتر یا تراویح میں جماعت سے ملنے کا مسئلہ فرضوں کی نماز کے بعد	۳۷۵
۱۸۵	مسجد کی دیوار سے تیمم کرنے کا عدم جواز	۳۷۶
۱۸۶	فرقہ دیوبندیہ اور وہابیہ کے عقائد کا بیان	۳۷۶
۱۸۷	شاہ اللہ امرتسری کے قول کا رد اور عبدالوہاب نجدی اور وہابیوں کی یکسانیت اور نقل فتوی کفر	۳۷۷
۱۸۸	تمام محدثین امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، ان کا نقشہ اور رد وہابی	۳۸۰
۱۸۹	حقہ نوشی کی حرمت کی بحث	۳۸۲
۱۹۰	مرزائی قادیانی کی الہامی اور مجدد نہ ہونے کا ثبوت اور عقائد کفریہ اور مرزا کا افترا اور عوام الناس کو دھوکہ میں ڈالنا اور عیسیٰ علیہ السلام کے "نزول من السماء" اور رجوع کا طلب کرنا اور پھر اس کا بیس ہزار روپے دینے کا وعدہ کرنا مع مفصل جواب رد قادیانی	۳۸۳
۱۹۱	بحث شیعہ بیان معنی آل وآیت تطہیر میں ازواج کا داخل ہونا، بیان فضائل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ	۳۹۰
۱۹۲	حرمت متعہ از کتب شیعہ	۳۹۳
۱۹۳	ایک احمدی کے پندرہ اعتراضوں کے جواب	۳۹۴
	حصہ ہفتم: از فتاوی مناظر اسلام علامہ مولانا حضرت نظام الدین صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ	
۱۹۴	وتر کتنی رکعت ہیں اور اس میں کتنے سلام ہیں؟	۴۰۰
۱۹۵	نماز فجر میں دعا قنوت پڑھنا کیسا ہے؟	۴۰۱
۱۹۶	نماز قصر کا بیان	۴۰۱
۱۹۷	وقت نماز ظہر اور فجر کی نماز کا افضل وقت	۴۰۳
۱۹۸	پانچ نمازوں کے اوقات کا قرآن پاک سے ثبوت	۴۰۵

نمبر	مضامین	صفحہ
۱۹۹	نماز کی اذان کس طرح شروع ہوئی؟	۴۰۶
۲۰۰	"تقلید" کا بیان	۴۰۸
۲۰۱	"بیع سلم" کا بیان اور مرتہن کے منافع کا بیان	۴۱۲
۲۰۲	محرمات سے نکاح جائز سمجھنے میں "تعزیر القتل"	۴۱۳
۲۰۳	صبح کی نماز کے درمیان سورج نکل آئے تو نماز نہ ہوگی۔	۴۱۸
۲۰۴	عورت دعوی نکاح گواہوں کے ساتھ کرے تو مرد کے لئے جائز ہے کہ اس سے صحبت کرے۔	۴۱۹
۲۰۵	وہابیہ کا عقیدہ در تعظیم نبی	۴۲۳
۲۰۶	بحث شیعہ حضرت علی سے خلافت کا جبراً چھیننا، باغ فدک اور اہل بیت سے منافقانہ برتاؤ	۴۲۴
۲۰۷	مزید ارمغانِ شیعہ باسنی ۱۹۱۷ء	۴۳۰
۲۰۸	شیعہ کا اعتراض کہ قرآن پاک چالیس پارے تھا۔	۴۳۵
۲۰۹	مذہب شیعہ کا بانی کون؟	۴۳۸
۲۱۰	امام حسین کو خط لکھنے والے کون؟	۴۴۰
۲۱۱	نسب ورقیہ وام کلثوم رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیاں ہیں۔	۴۴۱
۲۱۲	شیعہ کا اعتراض مثلاً حضرت عمر فاروق کا لکڑیاں جمع کر کے آگ لگانا، حضرت ابوبکر صدیق کا خاتون جنت کو جلا دینے کا حکم اور حضرت عمر فاروق کا خاتون جنت کے سر پر تازیانہ مار کر حمل گرا دینا۔	۴۴۱
۲۱۳	حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شیعہ کے کتنے گروہ تھے؟	۴۴۲
۲۱۴	مولا مشکلکشا" کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں خطبہ	۴۴۳
۲۱۵	باغ فدک اور نازانتعلی خاتون جنت	۴۴۴
۲۱۶	بحث مذہب نصاریٰ	۴۴۸
۲۱۷	بحث فرقہ مرزائی، حیات عیسیٰ علیہ السلام	۴۵۱
۲۱۸	حضور کا خاتم النبیین ہونا، مرزائیوں کا رد	۴۵۵

نمبر	مضامین	صفحہ
	حصہ ہشتم: از فتاوی مناظر اسلام علامہ مولانا نظام الدین صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ	
۲۱۹	بحث آنجناب کا جسم مبارک نوری ہونا اور معنی حدیث "لو لاک لما خلقت الافلاک" اور کیفیت نور اور پیدائش تمام کائنات	۳۵۷
۲۲۰	بحث خداوند کریم سے آنجناب کے ناموں کی شرکت ومساوات از قرآن وحدیث	۳۶۳
۲۲۱	بحث آنجناب کو علم کلی وجزی وعلم غیب وعلم "مافی الوعی تصوت" وعلم "ما فی الارحام" وغیرہ پر بحث	۳۶۵
۲۲۲	فرق درمیان علم خدا اور رسول ﷺ کے کیا ہے؟	۳۶۵
۲۲۳	مشرک کا بیان	۳۶۹
۲۲۴	بحث نبوت آنجناب کو حاضر وناظر سمجھنا اور بوقت ذکر اذکار آنجناب کی خاطر تعظیما کھڑے ہونا	۳۷۱
۲۲۵	بحث عدم جواز وعظ سننا فرقہ وہابیہ وشیعہ وغیرہ	۳۷۵
۲۲۶	فرقہ ضالہ اور اہل سنت کے درمیان فرق	۳۷۸
۲۲۷	بحث مسئلہ سماع ثبوت از قرآن وحدیث وکتب فقہ واقوال صحابہ مع رد واعتراض فرقہ وہابیہ	۳۷۹
۲۲۸	بحث سجدہ تعظیمی وبوسہ وجھکنا بزرگوں کے آگے	۳۸۳
۲۲۹	بحث نام نہادوں پیر اندتہ وعبدالنبی وغلام محی الدین وغیرہ	۳۸۵
۲۳۰	بحث عدم جواز سنت صبح قبل از طلوع آفتاب مع رد فرقہ وہابیہ	۳۸۶
۲۳۱	بحث مرتد شخص کی میراث مسلمان کو مل سکتی ہے یا نہیں؟	۳۸۸
۲۳۲	مرزائی وشیعہ وہابی کی میراث سنی کو مل سکتی ہے یا نہیں؟	۳۹۰
۲۳۳	بیان ناجائز نکاح جنی کا ساتھ دھوبی کے	۳۹۱
۲۳۴	جواز نکاح عالم کا اعلی خاندان کی عورت سے	۳۹۲
۲۳۵	ناجائز نکاح سید وعلویہ کا بعالم ومسلمان وغیرہ	۳۹۲
۲۳۶	بیان نکاح دختر بالغہ کا کفو اپنے میں بلا اجازت ولی ومسئلہ عدت حاملہ ومطلقہ ویوہ از ثبوت قرآن مجید	۳۹۳
۲۳۷	بیان جس عورت سے پسر نے زنا کیا ہو پھر اس کا باپ نکاح اس سے کر سکتا ہے یا نہیں؟	۳۹۶
۲۳۸	بیان حرمت مصاہرت کا سوتیلی والدہ یا ساس سے زنا وباتھ شہوت کا لگانے پر ظاہر ہونا "مسئلہ"	۳۹۶

نمبر	مضامین	صفحہ
۳۴۹		۴۹۷
۳۴۹	زوجہ عورت یا کنواری کا جبراً نکاح	۴۹۸
۳۵۰	بیان باپ دادا کے سوا نابالغہ کا نکاح کردیں تو وہ نکاح صحیح نہیں ہوسکتا	۴۹۹
۳۵۱	مسئلہ عدم جواز قربانی در قریہ قبل از نماز عید و عدم جواز نفل قبل و بعد عید	۵۰۰
۳۵۲	بیان عورت بوقت درد زہ کس طرح نماز پڑھے؟	۵۰۱
۳۵۳	حکم جنازہ طفل کیا ہے؟	
۳۵۴	بیان سبب متعصب ہونے امام بخاری کے و "فرقہ وہابیہ" و توہین نبی علیہ السلام کی کتاب بخاری میں و کہانی بندر کی حدیث بخاری میں اور کہانی گھوڑے کی وغیرہ	۵۰۱
۳۵۵	بیان اعتقاد مولوی عبدالجبار	۵۰۶
۳۵۶	ثناء اللہ غیر مقلد امرتسری و محمد بن عبدالوہاب وغیرہ کے اعتقادات	۵۰۸
۳۵۷	بیان معجزہ شق قمر	۵۰۸
۳۵۸	بحث شیعہ در بارہ سورۂ برأت طعن در حق خلیفہ اول	۵۰۹
۳۵۹	آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کا ناجی اور موحد اور مسلمان ہونا ثبوت از قرآن مجید و احادیث	۵۱۰
۳۶۰	وجہ تسمیہ ہاشم و عبدالمناف وغیرہ	۵۱۳
۳۶۱	جواز نکاح قریشی با علویہ	۵۱۵
۳۶۲	عدم جواز نکاح شیعہ با سنیہ مع مواہیر علمائے دین	۵۱۷
۳۶۳	معنی تقلید و ثبوت تقلید از کتب اصول مع رد اعتراض ثناء اللہ امرتسری	۵۲۰

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ☆
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْاَمِیْنِ ☆
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ☆

اما بعد:

یہ کتاب مستطاب " جامع الفتاوٰی " جیسا کہ نام ہی سے واضح ہے چند کتب فتاوٰی کا مجموعہ ہے۔ جس میں گرانقدر مسائل فقہ کو نہایت مدلل طریق سے بیان کرنے کے علاوہ مذہب برحق اہل سنت وجماعت کی صحیح ترجمانی کی گئی ہے۔" جامع الفتاوٰی " کا انتخاب اہل سنت وجماعت کے جن نامی گرامی علمائے کرام کی کتب افتاء سے کیا گیا ہے ان میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ کا اسم مبارک سر فہرست ہے۔ آپ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔ عرب وعجم کے اہل علم کو آپ کے علمی تبحر کا نہ صرف اعتراف ہے بلکہ اکثر مقتدر ہستیوں نے آپ کو اس صدی کا مجدد برحق تسلیم کیا ہے۔ نبی اکرم سرور انبیاء علیہ السلام کی محبت میں سرشار ہونا لکھنا آپ کا واحد نصب العین ہے اور آپ تمام اہل اسلام کا رشتہ عشق رسول سے وابستہ کرنا چاہتے ہیں وہ تقاضات حب رسول کو کیفیات جذب وشوق اور عالم فریفتگی ووارفتگی سے ہم آغوش دیکھنا چاہتے ہیں، اسی لئے کسی بزرگ نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق فرمایا ہے:

"گم رضائش در رضائے مصطفیٰ زاں سبب شد نام او احمد رضا"

ایک ہزار کے قریب ضخیم کتابیں اور رسائل آپ کی درخشاں تصنیفات ہیں جو کہ تقریباً ہر قسم کے علوم وفنون پر حاوی ہیں جن میں فتاوی رضویہ بھی ایک قابل قدر شاہکار ہے۔ آپ چودہ برس کی عمر میں مسند افتاء پر رونق افروز ہوئے اور تقریباً پچاس سال تک فتوی نویسی کی قابل قدر خدمات انجام دیتے رہے اور آپ کا مقام فقہ اسقدر بلند ہے جس کا اندازہ مندرجہ ذیل سطور کو پڑھنے کے بعد بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو کہ حضرت مولانا مفتی اعجاز ولی رضوی نے اپنے مقال " رضا کا مقام فقہ" میں رقم فرمائیں ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اعلیٰحضرت کے امام معاصر صاحب فتاوی سے پوچھا گیا " مسجد کی دیوار

سے تیمم جائز ہے یا نہیں۔" انہوں نے غیر مدلل و غیر مفصل جواب تحریر کیا کہ "تیمم دیوار مسجد سے کرنے کو بعض کتب فقہ میں مکروہ لکھا ہے" فقط۔

یہی سوال حضرت فقیہ اعظم بریلوی سے ہوا اور مجیب اول کا جواب بھی سامنے آیا۔ یہ جواب اس کے فتاوی میں چھپ چکا تھا۔ جواب کے لئے قلم اٹھایا اور بطور تمہید ارشاد فرمایا

"تحریر مذکور صواب سے بیگانہ مذہب حنفی میں اس کی کچھ اصل نہیں۔ نہ کسی کتاب معتمد سے اس کی کراہت متبین۔ نہ ایسی نقل مجہول۔ کسی طرح قابل قبول بلکہ کتب معتمدہ سے اسکا بطلان روشن جن سے کرنہ ہیند پہ روز پر دور افگن۔"

اس مختصر تمہید کے بعد جواب تحریر فرمایا تیرہ معتمد کتب وفتاوی سے مسئلہ کو واضح فرماتے ہوئے مجیب کے لفظ "بعض کتب فقہ میں مکروہ لکھا ہے۔" اس کے متعلق تحریر فرمایا کہ:

"مجیب کو شاید یہ شبہ ہوا کہ دیوار مسجد وقف ہے اور وقف پر تصرف ناجائز کہ مسجد کی دیوار جس غرض کے لئے بنائی گئی اس میں تیمم داخل نہیں لہذا دیوار مسجد سے تیمم مکروہ ارشاد فرمایا یہ دیوار میں کوئی تصرف نہ کہلائے گا ورنہ مکروہ نہیں حرام ہوتا، صرف دیوار مسجد بلکہ دیوار ہر وقف بلکہ دیوار تیمم بلکہ ہر نابالغ بلکہ بے اذن مالک۔ ہر دیوار مملوک سے تیمم کرنا بلکہ اس پر ہاتھ لگانا یا انگلی سے چھونا یا دیوار مسجد سے پیٹھ لگانا سب حرام ہوتا اور اس کا قائل نہ ہوگا مگر غایت جاہل۔"

اعلیحضرت قدس سرہ کی سند حدیث گیارہ واسطوں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک اور سند فقہ تیئس واسطوں سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتی ہے۔

جامع الفتاوی میں حضرت حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی بھی شامل ہیں۔ یہ بزرگ ہستی اعلیحضرت کے جگر گوشہ ہیں جنہوں نے آپ کی علمی آغوش میں پرورش پائی ہے۔ جامع الفتاوی میں آپ کے فتاوی شامل ہونا بھی سعادت ہے۔

خلیفہ مجاز صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا فتاوی بھی اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ جامع الفتاوی کی زینت ہے۔ آپ اعلیحضرت قدس سرہ کے معروف تلامذہ میں ذی علم اور خلیفہ مجاز ہیں۔ جامعہ نعیمیہ مراد آباد کی بنیاد بھی آپ ہی نے رکھی تھی۔ آپ نے قرآن پاک کی نہایت جامع اور مختصر تفسیر بھی تحریر فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے کی دوسری کتابیں اور چھوٹے چھوٹے رسالے مثلاً "الکلمۃ العلیاء" "اطیب البیان" "سوانح کربلا"

''کتاب العقائد'' وغیرہ کئی بار شائع ہو چکے ہیں۔

جامع الفتاوی کی نمایاں خوبی یہ بھی ہوگی کہ اس میں نائب اعلیحضرت قبلہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی بھی اپنی علمی جولانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوں گے۔ آپ کی ذات گرامی اور نام نامی سے پاک و ہند، عرب و افریقہ کا بڑا علمی حلقہ واقف ہے۔ خالق و مالک نے آپ کو ظاہری حسن و کمال کے ساتھ ساتھ باطنی و روحانی مدارج میں وہ بلند مقام عطا فرمایا کہ اہل اسلام اس سے تا ابد فیض پاتے رہیں گے۔ آپ نے جامعہ رضویہ مظہر الاسلام لائل پور (فیصل آباد) کی بنیاد رکھی جو آج بھی اپنی علمی ضیاء پاشیوں میں مصروف ہے۔

حضرت مولانا نظام الدین صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں ان کے فتاوی جو کہ اس دور میں تقریباً نایاب ہیں کو بھی جامع الفتاوی میں شائع کیا گیا ہے تا کہ یہ قیمتی فقہی سرمایہ بھی قدر دانوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔ اہل علم اس گم گشتہ گنج علم و عرفان کو پا کر یقیناً روحانی طور پر مسرور و بہرہ مند ہوں گے۔

اس صد تحسین دینی خدمت کا سہرا مجاہد اہل سنت حضرت مولانا محمد اسلم صاحب علوی کے سر ہے جنہوں نے ہمارے مسلک کی بہت سی نایاب کتب کو دور افتادہ ذخائر علوم سے حاصل کر کے ہم تک پہنچایا ہے۔ آپ کسی نہ کسی علمی شاہکار کو منظر عام پر لاتے ہی رہتے ہیں بہت سے مشائخ کرام کی تصانیف کے تراجم شائع فرماتے ہیں۔ اب جامع الفتاوی کی اشاعت کا اہم کام سرانجام دے رہے ہیں جس میں دیوبندیوں اور وھابیوں کے ساتھ اہل سنت و جماعت کے اختلافی مسائل پر سیر حاصل بحث و مدلل جوابات کے علاوہ مرزائیوں اور رافضیوں کے رد میں بھی مدلل فتوے شامل ہیں۔ اگر کوئی مرزائی یا اہل تشیع تعصب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان کا مطالعہ کرے تو وہ یقیناً تائب ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہو سکتا ہے۔ حضرت مولانا محمد اسلم صاحب علوی جامع الفتاوی کے مکمل تیس حصے شائع فرمانے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ آٹھ حصے اشاعت پذیر ہو کر آپ تک پہنچ چکے ہیں باقی بائیس جلدیں بھی ان شاء اللہ تکمیل اشاعت سے ہمکنار ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ استفادہ و عمل کی توفیق دے آمین۔

خادم اہل سنت

حکیم محمد سلیم چشتی

(بی۔اے)

حصہ اوّل:

از فتاویٰ شیخ الاسلام شاہ احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ

﴿ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ﴾

مسئلہ:

از امرتسر کرزہ کریانگ کوچہ نذر اشاد مرسلہ جناب مولانا مولوی عبدالحی صاحب واعظ ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

باسمہ سبحانہ مستفتی نے ظاہر کیا کہ ایک شخص نے درانحالیکہ مسلمان تھا ایک مسلمہ سے نکاح کیا زوجین عرصہ تک باہم معاشرت کرتے رہے اولاد بھی ہوئی اب کسی قدر عرصہ سے شخص مذکور مرزا قادیانی کے مریدوں میں منسلک ہو کر صبغ عقائد کفریہ مرزائیہ سے متصبغ ہو کر علی رؤس الاشہاد ضروریات دین سے انکار کرتا رہتا ہے سو مطلوب من الاخبار یہ ہے کہ شخص مذکور شرعاً مرتد ہو چکا اور اس کی منکوحہ اس کی زوجیت سے علیحدہ ہو چکی اور منکوحہ مذکورہ کا کل مہر مؤجل و معجل مرتد مذکور کے ذمہ ہے۔ اولاد صغار اپنے والد مرتد کی ولایت سے نکل چکی یا نہ ؟ بینوا توجروا۔

خلاصہ جوابات امرتسر:

۱ شخص مذکور باعث آنکہ ہم عقیدہ مرزا کا ہے جو باتفاق علمائے دین کافر ہے۔ مرتد ہو چکا۔ منکوحہ زوجیت سے علیحدہ ہو چکی کل مہر جو مذمہ مرتد واجب الادا ہو چکا اور مرتد کو اپنی اولاد صغار پر ولایت نہیں۔

ابو محمد زبیر علاء رسول الحنفی القاسمی عفی عنہ

۲ شک نہیں کہ مرزا قادیانی اپنے آپ کو رسول اللہ کہتا ہے اور اس کے مرید اس کو نبی مرسل جانتے ہیں اور دعوی نبوت کا بعد رسول اللہ ﷺ کے بالاتفاق کفر ہے اب اس طائفے کا ارتداد ثابت ہوا پس مسلمہ ایسے شخص کے نکاح سے خارج ہوتی ہے۔ عورت کو مہر ملنا ضروری ہے اور اولاد کی ولایت بھی ماں کا حق ہے۔

عبدالجبار بن عبداللہ العزیزی

۳ لاشک فی ارتداد من نسب المسیح یوم الذی ھو من السام السحر الی الانبیاء علیھم السلام

واهان روح الله عیسی ابن مریم علیهما السلام وادعی النبوة وغیرها من الکفریات کالمرزا فنکاح المسلمة لاشک فی فسخه لکن لها المهر والاولاد الصغار

ابو الحسن غلام مصطفی عفی عنه

شک نہیں کہ مرزا کے معتقدات کا معتقد مرتد ہے۔ نکاح منفسخ ہوا، اولاد عورت کو دی جائے گی۔ عورت کامل مہر لے سکتی ہے۔

ابو محمد یوسف غلام محی الدین عفی عنه

۵ آنچہ علمائے کرام از عرب و ہند و پنجاب در تکفیر مرزا قادیانی و معتقدان وے فتوے دادہ اند ثابت و صحیح ست قادیانی خود را نبی و رسول یزدانی قرار میدہد و توہین و تحقیر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام و انکار معجزات شیوہ اوست کہ از تحریر آش پیدا ظاہر ست (نقل عبارات از الہ کہ از رسالہ مرزا ست)۔

احقر عباد الله العلی واعظ محمد عبد العلی

۶ احقر العباد خدا بخش امام مسجد شیخ خیر الدین۔

۷ شک نہیں کہ مرزا قادیانی مدعی نبوت و رسالت ہے۔ (نقل عبارات کثیرہ از الہ وغیرہا تحریرات مرزا) پس ایسا شخص کافر تو کیا میرا وجدان تو یہی کہتا ہے کہ اس کو خدا پر بھی ایمان نہیں۔

ابو الوفا ثناء الله مصنف تفسیر ثنائی امرتسری

۸ قادیانی کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ضروریات دین سے انکار ہے نیز دعوی رسالت کا بھی چنانچہ (ایک غلطی کا ازالہ) میں اس نے صراحۃ لکھا ہے کہ میں رسول ہوں لہذا غلام احمد اور اس کے معتقدین بھی کافر بلکہ اکفر ہوئے۔ مرتد کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے اولاد صغار والد کے حق سے نکل جاتی ہے پس مرزائی مرتد سے اولاد لے لینی چاہئے اور مہر معجل و موجل لے کر عورت کو اس سے علیحدہ کرنا چاہئے۔

ابو تراب محمد عبد الحق امرتسری بازار صالوبیان

۹ مرزائی مرتد ہیں اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے منکر۔ معجزات کو مسمریزم تحریر کیا ہے۔ مرزا کافر ہے مرزا سے جو دوست ہو یا اس کے دوست سے دوست وہ بھی کافر و مرتد ہے۔

صاحبزادہ صاحب سید ظہور الحسن فاضلی سجادہ نشین حضرت سادات حلالی بنالہ شریف

۱۰ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت و رسالت کا دعوی اور ضروریات دین کا انکار بیشک موجب کفر و ارتداد ہے ایسے شخص پر قادیانی ہو یا غیر مرتدوں کے احکام جاری ہونگے۔

نور احمد عفی عنه

مراسلت حامی سنت جناب مولانا:

مولوی محمد عبد المغنی صاحب امرتسری باسم سامی حضرت عالم اہل سنت دام ظلہم العالی

خدمت شریف جناب فیض مآب قامع نساد بدعات دافع جہالت وضلالت ملجا العلماء الحنفیہ قامع اصول الفرقہ الضالۃ الجدیہ مولانا مولوی محمد احمد رضا خاں صاحب متعنا اللہ بعلمہ۔

تحفہ تحیات وتسلیمات مسنونہ رسانیدہ مکشوف ضمیر مہر الجلا آں کہ چوں دریں بلاد از مدت مدید بہ ظہور دجال کذاب قادیانی فتور وفساد برخاست است بموجب حکم آزادی بے صورتے در چنگ علماء آں دہری راہزن دین اسلام نمی آید اکنوں ایں واقعہ در خانہ یک شخص حنفی شد کہ زنے مسلمہ در عقد شخصے بودہ آں مرد مرزائی گردید زن مذکورہ از وے ایں کفریات شنیدہ گریزنمودہ بخانہ پدر رسید لہذا برائے آں وبرائے سد آنکدہ وتجویز مرزائیاں فتوی ہذا طبع کردہ آید امید کہ آنحضرت ہم ظہرہ دستخط شریف خود مزین فرمائید کہ باعث افتخار باشد سفیر از ندوہ کدام مولوی غلام محمد ہوشیار پوری وارد امرتسری از مدت دو ماہ شدہ است فتوے لہذا از وے فرستادم مشار الیہ دستخط نمودہ گفت اگر دریں فتوے دستخط کنم ندوہ از من بیزار شود خاکش بدہن ازیں جہت مردماں ایں بلدہ را بسیار بدظنی در حق ندوہ میشود زیادہ چہ نوشتہ آید۔

جزاکم اللہ عن الاسلام والمسلمین

الملتمس بندہ کثیر المعاصی واعظ محمد عبد الغنی

از امرتسر کوچہ گرباسگہ کوچہ نندا شاہ

☆☆☆☆☆

فتوائے حضرت مجدد المائۃ الحاضرہ عالم اہل سنت وجماعت مدظلہ العالی

﴿ بسم اللہ الرحمن الرحیم ﴾

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلی آلہ وصحبہ المکرمین عندہ رب انی اعوذبک من ھمزات الشیطین واعوذبک رب ان یحضرون ☆

اللہ عزوجل دین حق پر استقامت عطا فرمائے اور ہر ضلال وبال ونکال سے بچائے۔ قادیانی مرزا کا اپنے آپ کو مسیح ومثیل مسیح کہنا تو شہرۂ آفاق ہے۔ اور بحکم آنکہ ۔

غیب مے جملہ بگفتنی ہزش نیز بگو

فقیر کو بھی اس دعوی سے اتفاق ہے مرزا کے مسیح ومثیل مسیح ہونے میں اصلا شک نہیں مگر لا واللہ نہ مسیح کلمۃ اللہ علیہ صلوات اللہ ، بلکہ مسیح دجال علیہ اللعن والنکال ۔ پہلے اس ادعائے کاذب کی نسبت سہارنپور سے سوال آیا تھا جس کا ایک مبسوط جواب ولد اعز فاضل نوجوان مولوی حامد رضا خان محمد حفظہ اللہ تعالی نے لکھا اور بنام تاریخی الصارم الربانی علی اسراف القادیانی مسمی کیا یہ رسالہ حامی سنن ماحی فتن ندوہ شکن ندوی فکن مکرمنا قاضی عبد الوحید صاحب حنفی فردوسی حصین عن الفتن نے اپنے رسالہ مبارکہ تحفہ حنفیہ میں کہ عظیم آباد سے ماہوار شائع ہوتا ہے طبع فرمادیا۔ بحمد اللہ تعالی اس شہر میں مرزا کا فتنہ نہ آیا اور اللہ عزوجل قادر ہے کہ کبھی نہ لائے۔ اس کی تحریرات یہاں نہیں ہتیں مجیب افحم جواقوال ملعونہ اس کی کتابوں سے بہ نشان صفحات نقل کیے مثیل مسیح ہونے کے ادعا کو شناعت ونجاست میں ان سے کچھ نسبت نہیں ان میں صاف صاف انکار ضروریات دین اور بوجوہ کثیرہ کفر وارتداد مبین ہے۔ فقیر ان میں سے بعض کی اجمالی تفصیل کرے گا۔

کفر اول

مرزا کا ایک رسالہ ہے جس کا نام ایک غلطی کا ازالہ ہے اس کے صفحہ ۳۷۳ پر لکھتا ہے۔ میں احمد ہوں جو آیت

﴿ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ ﴾ میں مراد ہے ۔ آیہ کریمہ کا مطلب یہ ہے

کہ سیدنا مسیح ربانی عیسی بن مریم روح اللہ علیہما السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ مجھے اللہ عزوجل نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے تو رایت کی تصدیق کرتا اور اس رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد تشریف لانے والا ہے جس کا نام پاک احمد ہے (ﷺ) ازالہ کے قول ملعون مذکور میں صراحتا ادعا ہوا کہ وہ رسول پاک جن کی جلوہ افروزی کا مژدہ حضرت مسیح لائے ، معاذ اللہ مرزا قادیانی ہے۔

نکتہ دوم: توضیح مرام طبع ثانی ص ۹ پر لکھتا ہے کہ میں محدث (۱) ہوں اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے۔

نکتہ سوم: دافع البلاء مطبوعہ ریاض ہند صفحہ ۹ پر لکھا ہے بیاخدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔

نکتہ چہارم: عجب دنگم نے نقل کیا: وہ یہ کہ خدائے تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا ہے اور نبی بھی۔

ان اقوال خبیثہ میں اولاً کلام الٰہی کے معنی میں صریح تحریف کی کہ ، معاذ اللہ آیہ کریمہ میں یہ شخص مراد ہے نہ حضور سید عالم ﷺ ثانیاً نبی اللہ ورسول اللہ بکرہ اللہ عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افتراء کیا کہ وہ اس کی بشارت دینے کو اپنا تحریف لاتا بیان فرماتے تھے ثالثاً اللہ عزوجل پر افترا کیا کہ اس نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس شخص کی بشارت دینے کے لئے بھیجا اور اللہ عزوجل فرماتا ہے

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴾

بے شک جو لوگ اللہ عزوجل پر جھوٹ بہتان اٹھاتے ہیں فلاح نہ پائیں گے۔

اور فرماتا ہے:

﴿ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾

ایسے افترا وہی باندھتے ہیں جو بے ایمان کافر ہیں۔

رابعاً: اپنی گھڑی ہوئی کتاب براہین غلامیاں کو اللہ عزوجل کا کلام ٹھہرایا کہ خدائے تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں یوں فرمایا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا

(۱) - "لا اله الا الله لقد كذب عدو الله ايها المسلمون" سیدنا محدثین امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ انہیں کے واسطے حدیث محدثین آئی انہیں کے صدقے میں ہم نے اس پر اطلاع پائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" قد كان فيما مضى قبلكم من الامم اناس محدثون فان يكن في امتي منهم احد فانه عمر بن الخطاب " اگلی امتوں میں کچھ لوگ محدث ہوتے تھے یعنی فراست صادقہ والہام حق والے اگر میری امت میں ان میں سے کوئی ہوگا تو وہ ضرور عمر ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (رواه احمد والبخاري عن ابي هريرة والترمذي والنسائي عن ام المومنين الصديقة رضي الله تعالى عنهما) فاروق اعظم نے نبوت کے کوئی معنی نہ پائے صرف ارشاد آیا" لو كان بعدي نبي لكان عمر بن الخطاب " اگر میرے بعد کوئی نبی ہوسکتا تو عمر ہوتا (رواه احمد والترمذي والحاكم عن عقبة بن عامر والطبراني في الكبير عن عصمة بن مالك رضي الله تعالى عنهما) مگر جناب کا محدث حادث کہ حقیقۃً نہ محدث ہے نہ حادث یہ ضرور ایک معنی پر نبی ہو گیا۔ " الا لعنة الله على الكذبين والعياذ بالله رب العلمين "

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿

خرابی ہے ان کے لئے جو اپنے ہاتھوں کتاب لکھیں پھر کہہ دیں یہ اللہ کے پاس سے ہے تاکہ اس کے بدلے کچھ ذلیل قیمت حاصل کریں، سو خرابی ہے ان کے لئے ان کے ہاتھوں کے لکھے سے، اور خرابی ہے ان کے لئے اس کمائی سے۔

ان سب سے قطع نظر ان کلمات ملعونہ میں صراحتاً اپنے لئے نبوت و رسالت کا ادعائے قبیح ہے اور وہ بالاجماع قطعی کفر صریح ہے فقیر نے رسالہ "جزاء الله عدوه بابانه ختم النبوة" خاص اسی مسئلے میں لکھا اور اس میں آیت قرآن عظیم ایک سو دس حدیثوں اور تیس نصوص کو جلوہ دیا۔ اور ثابت کیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین ماننا اور ان کے زمانہ میں خواہ ان کے بعد کسی نئی جدید کی بعثت کو یقیناً قطعاً محال و باطل جاننا فرض اجل و جزو ایقان ہے۔

﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ نص قطعی قرآن ہے۔ اس کا منکر، نہ منکر بلکہ شک کرنے والا، نہ شک کہ ادنیٰ ضعیف احتمال خفیف سے تو ہم خلاف رکھنے والا قطعاً بالاجماع کافر ملعون مخلد فی النیران ہے۔ نہ ایسا کہ وہی کافر ہو بلکہ جو اس کے عقیدہ ملعونہ پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ جانے وہ بھی کافر، جو اس کے کافر ہونے میں شک و تردد کو راہ دے وہ بھی کافر بین الکفر جلی الکفران ہے۔

قول دوم و سوم میں شاید وہ یا اس کے اذناب آج کل کے بعض شیاطین سے سیکھ کر تاویل کی آڑ لیں کہ یہاں نبی و رسول سے معنی لغوی مراد ہیں یعنی خبردار یا خبر دہندہ اور فرستادہ۔ مگر یہ محض ہوس ہے۔ اولاً صریح لفظ میں تاویل نہیں سنی جاتی۔ فتاوی خلاصہ و اصول عمادیہ و جامع الفصولین و فتاوی ہندیہ وغیرہا میں ہے:

"واللفظ للعمادی قال قال انا رسول الله او قال بالفارسية من پيغمبر بريديه من پيغام مى برم يكفر"

یعنی اگر کوئی اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہے یا کہے میں پیغمبر ہوں اور مراد یہ لے کہ میں کسی کا پیغام پہنچانے والا ایلچی ہوں کافر ہو جائے گا۔

امام قاضی عیاض کتاب الشفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ میں فرماتے ہیں:

"قال احمد بن ابی سلیمن صاحب سحنون سمعت سحنونا يقول في رجل قيل له لا وحق رسول الله ﷺ قال فعل الله برسول كذا و كذا و ذكر كلاماً قبيحا فقيل له ما تقول ياعدو الله في حق رسول الله فقال اشد من كلامه الاثم، لو قال انما اردت برسول الله العقرب. فقال ابن ابی سلیمن للذی سأله: اشهد عليه وانا شريكك يريد في قتله وثواب ذلك قال حبيب بن الربيع لان ادعائه التاويل في لفظ صراح لا يقبل"

یعنی امام احمد بن ابی سلیمان تلمیذ و رفیق امام سحنون رحمہما اللہ تعالیٰ سے ایک مرد کی نسبت کسی نے پوچھا کہ اس سے کہا گیا تھا رسول اللہ کے حق کی قسم اس نے کہا اللہ رسول اللہ کے ساتھ ایسا ایسا کرے اور ایک بدکلام کا ذکر کیا۔ کہا گیا اے دشمن خدا تو رسول اللہ کے بارے میں کیا بکتا ہے تو اس سے بھی سخت تر لفظ بکا، پھر بولا میں نے تو رسول اللہ سے کچھ مراد لیا تھا۔

امام ابن ابی سلیمان نے مستفتی سے فرمایا تم اس پر گواہ ہو جاؤ اور اسے سزائے موت دلانے اور اس پر جو ثواب ملے گا اس میں تمہارا شریک ہوں یعنی تم حاکم شرع کے حضور اس پر شہادت دو اور میں بھی سعی کروں گا کہ ہم تم دونوں بحکم حاکم اسے سزائے موت دلانے کا اجر عظیم پائیں۔ امام حبیب بن ربیع نے فرمایا یہ اس لئے کہ کھلے لفظ میں تاویل کا دعویٰ مسموع نہیں ہوتا۔ ملا علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں:

"ثم قال انما اردت برسول الله العقرب ، فانه ارسل من عند الحق وسلط على الخلق ما ولا للرسالة العرفية بالارادة اللغوية وهي مردود عند القواعد الشرعية"

یعنی وہ جو اس مرد نے کہا کہ میں نے رسول سے مراد لیا اس میں اس نے رسالت عرفی کو معنی لغوی کی طرف ارادہ کیا۔ یہ بھی خدا ہی نے بھیجا اور خلق پر مسلط کیا ہے اور ایسی تاویل قواعد شرع کے نزدیک مردود ہے۔

علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں۔

"هذا لحقيقة معنى الارسال وهذا مما لا شك في معناه وانكاره مكابرة لكنه لا يقبل من قائله ادعاؤه انه مراده لبعده غاية البعد وصرف اللفظ عن ظاهره لا يقبل كما لو قال "انت طالق" و قال اردت محلولة غير مربوطة لا يلتفت لمثله وبعد هذيانا اهـ" ملتقطا

یعنی یہ لغوی معنی جن کی طرف اس نے ذہن کیا اگرچہ حقیقی معنی ہیں اس کا انکار ہٹ دھرمی ہے بایں ہمہ قائل کا یہ ادعا مقبول نہیں کہ اس نے یہ معنی لغوی مراد لئے تھے اس لئے کہ یہ تاویل نہایت دور از کار ہے اور لفظ کا اس کے معنی ظاہر سے پھیرنا مسموع نہیں ہوتا جیسے کوئی اپنی عورت کو کہے تو طالق ہے اور کہے میں نے تو یہ مراد لیا تھا کہ تو کھلی ہوئی ہے بندھی نہیں (کہ لغت میں طالق کشادہ کو کہتے ہیں) تو ایسی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا اور اسے ہذیان سمجھا جائے گا۔ ثانیاً وہ بالیقین ان الفاظ کو اپنے لئے مدح و فضل جانتا ہے نہ ایک ایسی عام بات کہ:

سگان تو جملہ درد باشند　　چشماں توزیر ابرو باشند

کوئی عاقل بلکہ نیم پاگل بھی ایسی بات کو جو ہر انسان ہر بھنگی چمار بلکہ ہر چانور بلکہ ہر کافر و مرتد میں موجود ہو محل مدح میں ذکر نہ کرے گا نہ اس میں اپنے لئے فضل و شرف جانے گا بھلا، کیں برابین قاطعہ میں یہ بھی لکھا کہ سچا خدا وہی ہے جس

نے مرزا کی ناک میں دو نتھنے رکھے، مرزا کے کان دو گھونگے بنائے، یا خدا نے براہین احمدیہ میں لکھا ہے کہ اس عاجز کی ناک ہونٹوں سے اوپر اور بھوؤں کے نیچے ہے۔ کیا ایسی بات لکھنے والا پورا مجنون پاگل نہ کہلایا جائے گا؟ اور شک نہیں کہ وہ معنی لغوی یعنی کسی چیز کی خبر رکھنا یا دینا یا بھیجا ہوا ہونا ان مثالوں سے بھی زیادہ عام ہیں۔ بہت جانوروں کے ناک کان بھوں اصلا نہیں ہوتیں مگر خدا کے بھیجے ہوئے وہ بھی ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں عدم سے وجود، نر کی پیٹھ سے مادہ کے پیٹ سے دنیا کے میدان میں بھیجا، جس طرح اس مردک خبیث نے مجھ کو رسول بمعنے لغوی بنایا۔

مولوی معنوی قدس سرہ القوی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

حق عزوجل فرماتا ہے:

کل یوم ھو فی شان بخواں — مرد را بیکار و بے فعلے مداں!
کمترین کارش کہ آں رب احد — روز سہ لشکر روانہ میکند
لشکرے ز اصلاب سوئے امہات — تا بروید در رحمہا شان نبات
لشکرے ز ارحام سوئے خاک دان — تا ز نر مادہ پر گردد جہان
لشکرے از خاک داں سوئے اجل — تا بہ چند ہر کے حسن عمل!

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ﴾

"ہم نے فرعونیوں پر بھیجے طوفان اور ٹیڈیاں اور جوئیں اور مینڈکیں اور خون"

کیا مرزا ایسی ہی رسالت پر فخر رکھتا ہے جیسے ٹیڈی اور مینڈک اور جوں اور کتے اور سور سب کو شامل مانے گا۔ ہر جانور بلکہ ہر حجر و شجر بہت علوم سے خبردار ہے اور ایک دوسرے کو خبر دینا بھی صحاح احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت مولوی قدس المعنوی ان کی طرف سے فرماتے ہیں:

ھمیعیم و بصیریم و خوشیم — باشما ما محرماں ما خامشیم

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾

کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو مگر ان کی تسبیح تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔

حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"ما من شیء الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ الجن والانس"

کوئی چیز ایسی نہیں جو مجھے اللہ کا رسول نہ جانتی ہو سوا کافر جن اور آدمیوں کے

(رواہ الطبرانی فی الکبیر عن یعلی بن مرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصححہ سلیم الحفاظ)

حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فمکث غیر بعید فقال احطت بما لم تحط به وجئتک من سبا بنبا یقین ﴾

پھر دیر نہ ٹھہر کر بدبارگاہ سلیمانی میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے ایک وہ بات معلوم ہوئی ہے جس پر حضور کو اطلاع نہیں اور میں نہ ست عالی میں ملک سبا سے ایک یقینی خبر لے کر حاضر ہوا ہوں۔

حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"ما من صباح ولا رواح الا وبقاع الارض ینادی بعضها بعضا یا جارۃ هل مر بک الیوم عبد صالح صلی علیک او ذکر الله فان قالت نعم رأت ان لها بذلک فضلا"

کوئی صبح اور نہ ہی شام ایسی نہیں ہوتی کہ زمین کے ٹکڑے ایک دوسرے کو پکار کر نہ کہتے ہوں کہ اے ہمسائے آپ تیری طرف کوئی نیک بندہ ہو کر نکلا۔ جس نے تجھ پر نماز پڑھی یا ذکر الٰہی کیا اگر وہ ٹکڑا جواب دیتا ہے کہ ہاں تو وہ پوچھنے والا فخر اعتقاد کرتا ہے کہ اسے مجھ پر فضیلت ہے۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط وابو نعیم فی الحلیۃ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

تو خبر رکھنا، خبر دینا، سب کچھ ثابت ہے، کیا مرزا ہر اینٹ پتھر ہر بت پرست کافر ہر ریچھ بندر کتے سؤر کو بھی اپنی طرح نبی و رسول کہے گا؟ ہرگز نہیں۔ تو صاف روشن ہوا کہ معنی لغوی ہرگز مراد نہیں بلکہ یقیناً وہی شرعی و عرفی رسالت و نبوت مقصود اور کفر و ارتداد یقینی قطعی موجود و معہود اخری معنی چار ہی قسم ہیں:

(۱) لغوی (۲) شرعی (۳) عرفی (۴) عام یا خاص

یہاں عرف عام تو بعینہٖ وہی معنی شرعی ہے جس پر کفر قطعاً حاصل اور ارادۂ لغوی کا ادعا یقیناً باطل۔ اب یہی رہا کہ فریب دہی عوام کو یوں کہہ دے کہ میں نے اپنی خاص اصطلاح میں نبی و رسول کے معنی اور رکھے ہیں جن میں مجھے سگ و خوک سے امتیاز بھی ہے اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصف نبوت میں اشتراک بھی نہیں مگر حاش للہ ایسا باطل ادعا اصلاً، شرعاً، عقلاً کسی طرح یاد اشتر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ ایسی جگہ لغت و شرع و عرف عام سب سے الگ اپنی نئی اصطلاح کا مدعی ہونا قابل قبول ہو تو کبھی کسی کافر کی کسی سخت سے سخت بات پر گرفت نہ ہو سکے، کوئی مجرم کسی معظم کی کیسی ہی شدید سے شدید توہین کر کے مجرم نہ ٹھہر سکے، کہ ایک کو تو اختیار ہے اپنی کسی اصطلاح خاص کا دعویٰ کر دے جس میں کفر و توہین کچھ نہ ہو۔ کیا زید کہہ سکتا ہے خدا دو ہیں جب اس پر اعتراض ہو کہ دے میری اصطلاح میں ایک کو دو کہتے ہیں۔ کیا عمرو جنگل میں سؤر کو بھاگتا دیکھ کر کہہ سکتا ہے وہ قادیانی بھاگا جاتا ہے جب کوئی مرزائی گرفت چاہے تو کہہ دے: میری مراد وہ

نہیں جو آپ سمجھے میری اصطلاح میں ہر بھگوڑے یا جنگلی کو قادیانی کہتے ہیں۔

اگر کہے کوئی مناسبت بھی ہو تو جواب دے کہ اصطلاح میں مناسبت شرط نہیں" لا مشاحة في الاصطلاح" آخر سب جگہ منقول ہی ہونا کیا ضرور، لفظ مرتجل بھی ہوتا ہے جس میں معنی اول سے مناسبت اصلاً منظور نہیں۔ مع ہذا قادی بمعنی جلدی کنندہ ہے یا جنگل سے آنے والا۔ قاموس میں ہے:

" قدت قادية جاء قوم قد اقحموا من البادية و القرص قد باانا اسرع "

قادیان اس کی جمع اور قادیانی اس کی طرف منسوب یعنی جلدی کرنے والوں یا جنگل سے آنیوالوں کا ایک۔

اس مناسبت سے میری اصطلاح میں ہر بھگوڑے جنگلی کا نام قادیانی ہوا۔ کیا زید کی وہ تقریر کسی مسلمان یا عمرو کی یہ توجیہ کسی مرزائی کو مقبول ہو سکتی ہے؟ حاشا وکلا! کوئی عاقل ایسی بناؤٹوں کو نہ مانے گا۔ بلکہ اسی پر کیا موقوف یوں اصطلاح خاص کا ادعا مسموع ہو جائے تو دین و دنیا کے تمام کارخانے درہم و برہم ہوں۔ عورتیں شوہروں کے پاس سے نکل کر جس سے چاہیں نکاح کر لیں کہ ہم نے تو ایجاب وقبول نہ کیا تھا اجازت لیتے وقت ہاں کہا تھا۔ ہماری اصطلاح میں (ہاں) بمعنی (ہوں) یعنی کلمہ نوز جرو انکار ہے۔ لوگ بیعنامے لکھ کر رجسٹری کرا کر جائدادیں چھین لیں کہ ہم نے تو بیع نہ کی تھی۔ بیچنا لکھا تھا، ہماری اصطلاح میں عاریت یا اجارے کو بیچنا کہتے ہیں ..... الی غیر ذلک من فسادات لا تخفی

تو ایسی جھوٹی تاویل والا خود اپنے معاملات میں اسے شانے گا کیا مسلمانوں کو زن و مال اللہ (ا) و رسول سے زیادہ پیاری ہیں؟ جورو اور جائداد کے باب میں تاویل نہ سنیں اور اللہ و رسول کے معاملے میں ایسی ناپاک بناؤٹیں قبول کر لیں؟ لا الہ الا اللہ مسلمان ہرگز ایسے مردود بہانوں پر التفات بھی نہ کریں گے۔ انہیں اللہ و رسول اپنی جان اور تمام جہان سے زیادہ عزیز ہیں۔

وللہ الحمد جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود ان کا رب جل وعلی قرآن عظیم میں ایسے بیہودہ عذروں کا رد بلیغ فرما چکا ہے فرماتا ہے:

﴿ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ﴾

"ان سے کہہ دو بہانے نہ بناؤ بے شک تم کافر ہو چکے ایمان کے بعد" والعیاذ باللہ رب العلمین۔

ثالثاً کفر چہارم میں امتی و نبی کا مقابلہ صاف اسی معنی شرعی و عرفی کا تعین کر رہا ہے۔

رابعاً کفر اول میں تو کسی جھوٹے ادعائے تاویل کی بھی گنجائش نہیں۔ آیت میں قطعاً معنی شرعی ہی مراد ہیں نہ

لغوی۔ نہ اس شخص کی کوئی اصطلاح خاص اور اسی کو اس نے اپنے نفس کے لئے مانا تو قطعاً یقیناً بمعنی شرعی ہی اپنے نبی ہونے کا مدعی اور ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین کا منکر اور باجماع قطعی جمیع امت مرحومہ مرتد و کافر ہوا۔ اللہ و رسول اللہ ہونے کا مدعی اور ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین کا منکر اور باجماع قطعی جمیع امت مرحومہ مرتد و کافر ہوا۔

خ فرمایا ہے خدا کے سچے رسول ہے خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ نے کہ عنقریب میرے بعد آئیں گے

"ثلاثون دجالون کذابون کلهم یزعم انه نبی" "تیس دجال کذاب کہ ہر ایک اپنے کو نبی کہے

گا۔ "وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی" حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

امت امت امت صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم اسی لئے فقیر نے عرض کیا تھا کہ مرزا ضرور مثیل مسیح ہے مگر نہ مسیح صدق بلکہ مسیح دجال کا۔ کہ ایسے مدعیوں کو یہ لقب خود بارگاہ رسالت سے عطا ہوا۔

والعیاذ باللہ رب العالمین۔

کفر پنجم: دافع البلاء صفحہ ۱۰ پر حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی برتری کا اظہار کیا ہے۔

کفر ششم: اسی رسالہ کے صفحہ ۱۷ پر لکھا ہے:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو — اس سے بہتر غلام احمد ہے

کفر ہفتم: اشتہار معیار الاخیار میں لکھا ہے میں بعض نبیوں سے بھی افضل ہوں۔ یہ ادعاء بھی باجماع قطعی کفر و ارتداد یقینی ہیں۔ فقیر نے اپنے فتوی مسمی بہ رد الوقیعۃ میں شفاء شریف امام قاضی عیاض و روضہ امام نووی و ارشاد الساری امام قسطلانی و شرح عقاید نسفی و شرح مقاصد امام تفتازانی ۱۳۲۰ھ و اعلام ابن حجر مکی و صبح الروض علامہ قاری و طریقہ محمدیہ علامہ برکوی و حدیقہ ندیہ مولانا نابلسی وغیرہا کتب کثیرہ کے نصوص سے ثابت کیا ہے کہ باجماع مسلمین کوئی ولی، کوئی غوث، کوئی صدیق بھی کسی نبی سے افضل نہیں ہو سکتا۔ جو ایسا کہے قطعاً بالاجماع کافر، ملحد ہے۔ از انجملہ شرح صحیح بخاری شریف میں ہے:

"النبی افضل من الولی وهو امر مقطوع به والقائل بخلافه کافر لانه معلوم من الشرع بالضرورة"

یعنی ہر نبی ہر ولی سے افضل ہے اور یہ امر یقینی ہے اور اس کے خلاف کہنے والا کافر ہے کہ ضروریات دین سے ہے۔

کفر ہفتم میں اسے ایک لطیف تاویل کی گنجائش تھی کہ یہ لفظ (نبیوں) بتقدیم نون نہیں بلکہ (بیوں) بتقدیم باء ہے۔ یعنی بچگی در گذر کہ خود ان کے تو لال گرد کا بھائی ہوں۔ ان سے افضل تو ہوا ہی چاہوں۔ میں تو بعض بیوں سے بھی افضل ہوں کہ انہوں نے صرف آنے دال میں ڈنڈی ماری اور یہاں دو جتھ پھیری کی کہ بیسمیوں کا دین ہی اڑ گیا۔ مگر افسوس کہ دیگر تصریحات نے اس تاویل کی گنجائش نہ رکھی۔

کفر ہشتم: ازالہ صفحہ ۳۰۹ پر حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات جن کا ذکر خداوند تعالیٰ بطور احسان فرماتا

ہے کو مسمریزم لکھ کر کہتا ہے۔ "اگر میں اس قسم کے معجزات کو مکروہ نہ جانتا تو ابن مریم سے کم نہ رہتا" یہ کفر متعدد کفروں کا ضمیرہ ہے۔ معجزات کو مسمریزم کہنا ایک کفر کہ اس تقدیر پر وہ معجزہ نہ ہوئے بلکہ معاذ اللہ ایک کسبی کرشمے ٹھہرے۔ اگلے کافروں نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔ حق عزوجل فرماتا ہے:

﴿ اذ قال اللہ یعیسی ابن مریم اذکر نعمتی علیک وعلی والدتک اذ ایدتک بروح القدس تکلم الناس فی المھد وکھلا واذ علمتک الکتب والحکمۃ والتورۃ والانجیل واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیرا باذنی وتبرئ الاکمہ والابرص باذنی واذ تخرج الموتی باذنی واذ کففت بنی اسرائیل عنک اذ جئتھم بالبینت فقال الذین کفروا منھم ان ھذا الا سحر مبین ﴾

جب فرمایا اللہ سبحانہ نے اے مریم کے بیٹے یاد کر میری نعمتیں اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب میں نے پاک روح سے تجھے قوت بخشی لوگوں سے باتیں کرتا پالنے میں اور پکی عمر کا ہو کر اور جب میں نے تجھے سکھایا لکھنا اور علم کی تحقیق باتیں اور تورات و انجیل اور جب تو بناتا مٹی سے پرند کی سی شکل میری پروانگی سے پھر تو اس میں پھونکتا تو وہ پرند ہو جاتی میرے حکم سے اور تو چنگا کرتا مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میری اجازت سے اور جب تو قبروں سے جیتا نکالتا مردوں کو میرے اذن سے اور جب میں نے یہود کو تجھ سے روکا جب تو ان کے پاس یہ روشن معجزے لے کر آیا ان میں کافر بولے یہ تو نہیں مگر کھلا جادو۔

"مسمریزم" بتایا یا "جادو" کہا۔ بات ایک ہی ہوئی۔ یعنی الٰہی معجزے نہیں کسبی دھکوسلے ہیں۔ ایسے ہی منکروں کے خیال ضلال کو حضرت مسیح کلمۃ اللہ صلی اللہ علی سیدہ وعلیہ وسلم نے بار بار تاکید رد فرمادیا تھا۔ اپنے معجزات مذکورہ ارشاد کرنے سے پہلے فرمایا:

﴿ انی قد جئتکم بایۃ من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر ... الایۃ ﴾

میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے معجزے لایا کہ میں مٹی سے پرندہ بناتا اور پھونک مار کر اسے جلاتا اور اندھے اور برص کے مریض کو شفا دیتا اور خدا کے حکم سے مردے جلاتا اور جو کچھ گھر سے کھا کر آؤ اور جو کچھ گھر میں ذخیرہ رکھو وہ سب تمہیں بتاتا ہوں۔

اور اس کے بعد فرمایا: ﴿ان فی ذلک لایۃ لکم ان کنتم مؤمنین﴾

بے شک ان میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان لاؤ۔

پھر مکرر فرمایا: ﴿وجئتکم بایۃ من ربکم فاتقوا اللہ واطیعون﴾

میں تمہارے رب کے پاس سے معجزہ لایا ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا حکم مانو۔

مگر یہ عیسیٰ کے رب کی نہ مانے وہ عیسیٰ کی کیوں ماننے لگا یہاں تو اسے صاف گنجائش ہے کہ اپنی بڑائی بھی کرتے ہیں۔

کس نہ گوید کہ دوغ من ترش است

پھر ان معجزات کو مکروہ جاننا دوسرا کفریہ کراہت اگر اس بناء پر ہے کہ وہ فی نفسہ مذموم کام تھے جب تو کفر ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض﴾

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی۔

اور اسی فضیلت کے بیان میں ارشاد ہوا:

﴿واتینا عیسی ابن مریم البینٰت وایدنٰہ بروح القدس﴾

اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزے دیے اور جبریل سے اس کی تائید فرمائی۔ اور اگر اس بناء پر ہے کہ وہ کام اگرچہ فضیلت کے تھے مگر میرے منصب اعلیٰ کے لائق نہیں تو یہ وہی نبی پر اپنی تفضیل ہے ہر طرح کے کفر وارتداد قطعی سے مفر نہیں۔

پھر ان کلمات شیطانیہ میں مسیح کلمۃ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علی سیدہ وعلیہ وسلم کی تحقیر تیسرا کفر ہے اور ایسی ہی تحقیر اس کلام ملعون کفر ششم میں تھی اور سب سے بڑھ کر اس:

کفر نہم:

" انا للہ وانا الیہ راجعون ، الا لعنۃ اللہ علی اعداء انبیاء اللہ وصلی اللہ تعالیٰ علی انبیائہ وبارک وسلم "

ہر نبی کی تحقیر مطلقاً کفر قطعی ہے جس کی تفصیل شفاء شریف وشرح شفاء سیف مسلول امام تقی الملۃ والدین سبکی ورد فہ امام نووی و وجیز امام کردری، واعلام امام ابن حجر مکی وغیرہا تصانیف ائمہ کرام کے دفتر گونج رہے ہیں۔ نہ کہ نبی بھی کون نبی مرسل نہ کہ مرسل بھی کیسا مرسل اولوالعزم، نہ کہ تحقیر بھی کتنی کہ مسمریزم کے سبب نور باطن، نہ نور باطن بلکہ دینی استقامت، نہ دینی استقامت بلکہ نفس توحید میں، نہ کم درجہ بلکہ قریب ناکام رہے۔ اس ملعون قول "لعن اللہ قائلہ و قابلہ" نے اولوالعزمی ورسالت ونبوت درکنار اس عبداللہ، و کلمۃ اللہ، و روح اللہ علیہ صلوات اللہ وسلام اللہ وتحیات اللہ کے نفس ایمان میں کلام کر دیا اس کا جواب تمہارے ہاتھ میں کیا ہے سوا اس کے کہ:

﴿ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ واعد لھم عذابا مھینا﴾

بے شک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ نے لعنت کی دنیا وآخرت میں اور ان کے لئے تیار کر رکھا ہے ذلت کا عذاب۔

کفر دہم: ازالہ صفحہ ۶۲۹ پر لکھتا ہے: "ایک زمانے میں چار سو نبیوں کی وحی میں کوئی غلط ہوئی اور وہ جھوٹے"۔ یہ صراحۃً انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب ہے۔ عام اقوام کفار لعنہم اللہ کا کفر عزت عزجلالہ نے یوں ہی تو بیان فرمایا:

﴿کَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ نِ الْمُرْسَلِیْنَ ☆ کَذَّبَتْ عَادُ نِ الْمُرْسَلِیْنَ ☆ کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ ☆ کَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلِیْنَ ☆ کَذَّبَ اَصْحٰبُ الْئَیْکَۃِ الْمُرْسَلِیْنَ ☆﴾

ائمہ کرام فرماتے ہیں جو نبی پر اس کی لائی ہوئی بات میں کذب جائز ہی مانے اگرچہ وقوع نہ جانے باجماع کافر۔ کہ معاذ اللہ چار سو انبیاء کا اپنے اخبار بالغیب میں کہ وہ ضرور اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے واقع میں جھوٹا ہو جانا۔

شفا شریف میں ہے:

"من دان بالوحدانیۃ وصحۃ النبوۃ ونبوۃ نبینا ﷺ ولکن یجوز علی الانبیاء الکذب فیما ادلو به ادعی فی ذلک المصلحۃ بزعمه اولم یدعها فهو کافر باجماع"

یعنی جو اللہ تعالیٰ کی واحدیت، نبوت کی حقانیت ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کا اعتقاد رکھتا ہو پھر ہمہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ان کی باتوں میں کذب جائز مانے خواہ بزعم خود میں کسی مصلحت کا ادعا کرے یا نہ کرے ہر طرح بالاتفاق کافر ہے۔

ظالم نے چار سو کہہ کر گمان کیا کہ اس نے باقی انبیاء کو تکذیب سے بچالیا حالانکہ یہی آیتیں جو ابھی تلاوت کی گئی ہیں شہادت دے رہی ہیں کہ اس نے آدم نبی اللہ سے محمد رسول اللہ تک تمام انبیائے کرام علیہم افضل الصلوٰۃ والسلام کو کاذب کہہ دیا کہ ایک رسول کی تکذیب تمام مرسلین کی تکذیب ہے۔ دیکھو قوم نوح و ہود و صالح و لوط و شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک ہی نبی کی تکذیب کی تھی مگر قرآن نے فرمایا: قوم نوح نے سب رسولوں کی تکذیب کی، عاد نے کل پیغمبروں کو جھٹلایا، ثمود نے جمیع انبیاء کو کاذب کہا، قوم لوط نے تمام رسل کو جھوٹا بتایا ایکہ والوں نے سارے نبیوں کو دروغ گو کہا یونہی واللہ اس قائل نے نہ صرف چار سو بلکہ جملہ انبیاء و مرسلین کو کذاب مانا:

" فلعن الله من کذب احدا من انبیائه وصلی الله تعالیٰ علی انبیائه ورسله والمومنین بهم اجمعین وجعلنا منهم وحشرنا فیهم وادخلنا معهم دار النعیم بجاههم عنده وبرحمة بهم ورحمتهم بنا انه ارحم الراحمین والحمد لله رب العالمین "

طبرانی معجم کبیر میں وبر حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

انی اشهد عدد تراب الدنیا ان مسیلمة کذاب "بے شک میں ذرہائے خاک تمام دنیا کے برابر گواہیاں دیتا ہوں کہ مسیلمہ (جس نے زمانہ اقدس میں ادعائے نبوت کیا تھا) کذاب ہے:

" وانا اشهد معک یا رسول الله " اور محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ عالم پناہ کا یہ ادنیٰ کتا بعدد انبیائے

ریگ دستار ہائے آسماں گواہی دیتا ہے اور میرے ساتھ تمام ملئکہ سموات وارض وحاملان عرش گواہ ہیں اور خود عرش عظیم کا مالک گواہ ہے۔ وکفی باللہ شہیدا کہ ان اقوال مذکورہ کا قائل بیباک کافر، مرتد، کذاب ناپاک ہے۔

اگر یہ اقوال (۱) مرزا کی تحریروں میں اسی طرح ہیں تو واللہ واللہ وہ یقیناً کافر اور جو اس کے ان اقوال یا ان کے امثال پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ کہے وہ بھی کافر، ندوہ مخذولہ اور اس کے اراکین کہ صرف طوطے کی طرح کلمہ گوئی پر مدار اسلام رکھتے اور تمام بددینوں گمراہوں کو حق پر جانتے، خدا کو سب سے یکساں راضی مانتے، سب مسلمانوں پر مذہب سے لاوعوی دہ لازم کرتے جیسا کہ ندوہ کی روداد اول ودوم ورسالہ اتفاق وغیرہا میں مصرح ہے ان اقوال پر بھی اپنا وہی قاعدہ ملعونہ مجرد کلمہ گوئی نیچریت کا اعلیٰ نمونہ جاری رکھیں اس کی تکفیر میں چون وچرا کریں تو وہ بھی کافر وہ اراکین بھی کفار، مرزا کے پیرو اگرچہ خود ان اقوال انجس الابوال کے معتقد نہ بھی ہوں مگر جب کہ وہ صریح کفر وہ کھلے ارتداد دیکھتے سنتے پھر مرزا کو امام وپیشوا ومقبول خدا کہتے قطعاً یقیناً سب مرتد ہیں سب مستحق نار۔

شفا شریف میں ہے۔

"نکفر من لم یکفر من دان بغیر ملة المسلمین من الملل او وقف فیهم اوشک"

یعنی ہم ہر اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو کافر کو کافر نہ کہے یا اس کی تکفیر میں توقف کرے یا شک رکھے۔ (شفا شریف)

نیز فتاوی بزازیہ ودرر وغرر وفتاوی خیریہ ودرمختار ومجمع الانہر وغیرہا میں ہے: من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے یقیناً وہ خود کافر ہے اور جو شخص باوصف کلمہ گوئی وادعائے اسلام کفر کرے کافروں کی سب سے بدتر قسم "مرتد" کے حکم میں ہے:

ہدایہ ودرمختار عالمگیری وغرر ملقطی الابحر ومجمع الانہر وغیرہا میں ہے:

صاحب الهوی ان کان یکفر فهو بمنزلة المرتد.

فتاوی ظہیریہ وطریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ وبرجندی شرح نقایہ وفتاوی ہندیہ میں ہے:

"هولاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین"

یہ لوگ دین اسلام سے خارج ہیں اور ان کے احکام بعینہ مرتدین کے احکام ہیں۔

اور شوہر کے کفر کرتے ہی عورت نکاح سے فوراً نکل جاتی ہے۔ اب اگر بے اسلام لائے اپنے اس قول ومذہب سے

(۱) یہ اقوال دوسرے کے منقول تھے اس فتوی کے بعد مرزا کی بعض نئی تحریر خود نظر سے گزریں جن میں قطعاً کفر بھرے ہیں۔ بالشبہ وہ یقیناً کافر ومرتد ہے۔

بغیر توبہ کئے یا بعد اسلام وتوبہ عورت سے بغیر نکاح جدید کئے اس سے قربت کرے زنائے محض ہو، جو اولاد ہو یقیناً ولد الزنا ہو۔ یہ احکام سب ظاہر اور تمام کتب میں دائر وسائر ہیں:

" فی الدر المختار عن غنیه ذوی الاحکام ما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولاده اولاد زنا "

مسئلہ مہر:

اور عورت کا کل مہر اس کے ذمے عائد ہونے میں بھی شک نہیں جب کہ خلوت صحیحہ ہو چکی ہو کہ ارتداد کسی دین کو ساقط نہیں کرتا۔ فی التنویر وارث کسب اسلامه وارثه المسلم بعد قضاء دین اسلامه وکسب ردته فی بعد قضاء دین ردته اور مؤجل تو فی الحال آپ ہی واجب الادا ہے۔ رہا مؤجل وہ ہنوز اپنی اجل پر رہے گا۔ مگر یہ کہ مرتد بحال ارتداد ہی مرجائے گا یا دار الحرب کو چلا جائے اور حاکم شرع حکم فرمادے کہ وہ دار الحرب سے ملتحق ہو گیا، اس وقت مؤجل بھی فی الحال واجب الادا ہو جائے گا۔ اگر چہ اجل موعود میں دس بیس برس باقی ہوں۔

" فی الدر ان حکم القاضی بلحاقه حل دینه وفی رد المحتار لانه باللحاق صار من اهل الحرب وهم اموات فی حق احکام الاسلام فصار کالموت الا انه لا یستقر لحاقه الا بالقضاء لاحتمال العود واذا تقرر موته تثبت الاحکام المتعلقة به کما ذکرنهر "

اولادِ صغار کا حکم:

اولاد صغار (چھوٹی اولاد) ضرور اس کے قبضے سے نکال لی جائے گی۔

" حذرا علی دینهم الا تری انهم صرحوا بنزع الولد من الام الشفیقة المسلمة ان کانت فاسقة والولد یعقل یخشی علیه التخلق بسیرها الذمیمة فما ظنک بالاب المرتد والعیاذ بالله تعالیٰ قال فی رد المحتار الفاجرة بمنزلة الکتابیة فان الولد یبقی عندها الی ان یعقل الادیان کما سیأتی خوفا علیه من تعلمه منها ما تفعله فکذا الفاجرة الخ۔ وانت تعلم ان الولد لا یحضنه الاب الا بعد ما بلغ سبعا او تسعا وذلک عمر العقل قطعا فیحرم الدفع الیه ویجب النزع منه وانما اخرجنا الی هذا ان الملک لیس بید الاسلام والا فالسلطان (۱) این یبقی المرتد حتی یبحث عن حضانة الا تری الی قولهم لاحضانة المرتدة لانها تضرب

(۱) فان سلطان الاسلام مامور بقتله لا یجوز له ابقاؤه بعد ثلاثة ایام ۱۲منہ

ونحس كل يوم فانى لتفرغ للحضانة فاذا كان هذا فى المحبوس فما ظنك بالمقتول ولكن انا لله وانا اليه راجعون ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم "۔

مگر ان کے نفس یا مال میں بدعوئی ولایت اس کے تصرفات موقوف رہیں گے اگر پھر اسلام لے آیا اور اس مذہب ملعون سے توبہ کی تو وہ تصرف سب صحیح ہو جائیں گے اور اگر مرتد ہی مر گیا یا دار الحرب کو چلا گیا اور حکم لحوق ہو گیا تو باطل ہو جائیں گے۔

" فى الدر المختار يبطل منه اتفاقا ما يعتمد الملة وهى خمس النكاح والذبيحة والصيد والشهادة والارث ويتوقف منه اتفاقا ما يعتمد المساواة وهو المفاوضة او ولاية متعدية وهو التصرف على ولده الصغير ان اسلم تفذ وان هلك اولحق بدار الحرب وحكم بلحاقه بطل اهـ مختصرا نسأل الله الثبات على الايمان وحسبنا الله و نعم الوكيل وعليه التكلان ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم وصلى الله تعالىٰ على سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه اجمعين آمين والله تعالىٰ اعلم "

كتبه

عبده المذنب احمد رضا البريلوى

وصى احمد محمد ناصر دين	عفى عنه بمحمده المصطفى النبى الامى ﷺ	محمدى سنى حنفى قادرى عبد المصطفى احمد رضا خان

☆☆☆☆☆

﴿بسم الله الرحمن الرحيم﴾

اما بعد :

الحمد لاهله والصلوة على اهلها لعمرى لقد اجاد فيما جاب ، واطاب و اصاب ، فاوضح الصواب وميز القشر عن اللباب ، وازاح الارتياب ، فدمدم على المسيح الكذاب ، وصب عليه سوط عذاب ، فبهت الذى كفروارتاب ، فانهزم الاحزاب ، وفرت الاذناب ، وحفت عليهم كلمة العقاب ، خالدين فى النار و بئس المآب الامن تاب و اب ، ورجع واناب ، فان المولى الوهاب تواب على من تاب ، فعل هذا او يداه تحت الثياب ، وسيفه فى الجراب ، فما كان عاقبة الذين ظلموا الا فى تباب ، فلله در المحبب رزقه الله زيادة وجميل الثواب والزلفى عنده و حسن مآب ، وها ذاك حبر الشامخ فى الدين بحر بازخ ، مجدد المائة الحاضره ذوالحجة القاهرة ، صاحب القوة القدسية ، عالم اهل السنة السنية ، والجماعة السنية ، السميدع العريف العطمطم العطريف ، والذى واستاذى و ملجائى و ملاذى مولانا و مولى الكل حضرة **احمد رضا خان** البريلوى مدظلهم العالى ، مدى الايام والليالى وانا عبد الضعيف الاواه **محمد** المعروف **بحامد رضا** كان له الله بجاه حبيبه الحامد المطفى عليه افضل التحية والثنا۔

محمد حامد رضا خاں سنی حنفی قادری	**سلطان محمد خاں احمد**	**نصیر الدین حسن خان**

محمد رضا خان قادری
عرف
محمد عبد الرحمن

☆☆☆☆☆

حصہ دوم:

از فتاویٰ حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ

﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم﴾

مسئلہ:

از سرسادہ ضلع سہارنپور مرسلہ یعقوب علی خان کلارک پولیس ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ قبلہ و کعبہ ام مدظلہ، بعد آداب فدویانہ کے معروض خدمت۔ کہ اس قصبہ سرسادہ میں ایک شخص جو اپنے آپ کو نائب مسیح یعنی مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود کا خلیفہ بتلاتا رہتا ہے پرسوں اس نے ایک عبارت پیش کی جس کا مضمون ذیل میں تحریر کرتا ہوں ایک دوسرے صاحب نے وہی عبارت مولوی رشید احمد گنگوہی کو بھیجی ہے۔ مگر میں خدمت والا میں پیش کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ بہت جلد جواب سے مشرف ہوں گا اور درصورت تاخیر کے کئی مسلمانوں کا ایمان جاتا رہے گا۔ اور وہ اپنی راہ پر لے آوے گا، زیادہ ادب تحریر یہ ہے۔

ایک مدت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات و حیات میں ہر جگہ گفتگو ہوتی ہے اور اس میں دو گروہ ہیں ایک وہ گروہ ہے جو جسمی حیات ہے اور ایک وہ گروہ ہے جو منکر حیات ہے اور ان دونوں فریق کی طرف سے کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اب میں آپ کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ ان دونوں فریق میں سے کون حق پر ہے۔ بس اس بارے میں ایک آیت قطعیۃ الدلالۃ اور صریحۃ الدلالۃ یا کوئی حدیث مرفوع متصل اس مضمون کی عنایت فرمائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بجسدہ العنصری وحیات جسمانی آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور کسی وقت میں بعد حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ آسمان سے رجوع کریں گے اور اس دوبارہ رجوع میں وہ نبی نہ رہیں گے اور وہ نبوت یا رسالت سے خود مستعفی ہوں گے یا ان کو خدا تعالیٰ اس عہدۂ جلیلہ سے معزول کر کے امتی بنا دے گا تو پہلے تو کوئی آیت بشروط متذکرۂ بالا ہونی چاہئے اور بعد اس کے کوئی حدیث تاکہ ہم اس حالت تذبذب سے بچیں اور جو آیت ہو اس میں لفظ حیات ہو خواہ کسی صیغے سے ہو۔ یہاں کی صاحب ایسے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر گفتگو کرتے ہیں اور متوفیک و فلما توفیتنی دو آیت پیش کرتے ہیں اور ان دونوں آیتوں کا ترجمہ حضرت رسول خدا ﷺ و ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پیش کرتے ہیں اور سند میں

صحیح بخاری اور اجتہاد بخاری موجود کرتے ہیں۔ اب آپ ان آیتوں کے ترجمے جو کسی صحابی یا رسول اللہ ﷺ سے منقول ہوں اور صحیح بخاری میں موجود ہوں عنایت فرمایئے اور دونوں طرف روایتیں ہر قسم کی موجود ہیں ہم کو صرف قرآن شریف سے ثبوت چاہئے جس کے تواتر کے برابر کوئی تواتر نہیں ہے۔ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت امام مہدی اور دجال کا ہونا قرآن شریف میں ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اس کی آیت اور نہیں ہے تو وجہ فقط بینوا توجروا۔

فتوٰی:

﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم﴾

" ان الذین کذبوا بایتنا واستکبروا عنها لا تفتح لهم ابواب السماء الحمد لله الذی خلق عبده وابن امته عیسی بن مریم رسول الله بکلمة منه وجعله فی البدء مبشرا برسول یاتی من بعده اسمه احمد وفی الختم ناصراً لملته اماما من امته نائبا عنه ﷺ وعلی سائر انبیاءه وکل محبوب لدیه وعلینا بهم الی یوم الدین امین امین یارب العلمین ، قال الفقیر محمد ن المدعوا بحامد رضا القادری البریلوی غفرالله تعالی له واورده من مناهل المنی کل مورد روی"

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب

برادران مسلمین حفظکم اللہ تعالیٰ عن شرور المفسدین حفظ ناموس وحفظ جان وحفظ جسم وحفظ مال من سب مومن وکافر ہمیشہ ساعی وسرگرم رہتے ہیں۔ اللہ عزوجل کو یاد کر کے اپنے وقت عزیز کا ایک حصہ اپنے حفظ دین میں بھی صرف کیجئے کہ یہ سب سے اہم ہے یعنی بگوش ہوش یہ چند کلمے سن لیجئے اور انہیں میزان عقل وانصاف میں تول کر حق وناحق کی تمیز کیجئے۔ فضل الٰہی عزوجل سے امید واثق ہے کہ دم کے دم میں صبح حق تجلی فرمائے گی اور شب ضلالت کی ظلمت دھواں ہو کر اڑ جائے گی مخالفین اگر بر سر انصاف آئے فبہا المراد ورنہ آپ تو بعنایت الٰہی راہ حق پر ثابت قدم ہو جائیں گے۔ وباللہ التوفیق۔ میں پیش از جواب چند مقدمات نافعہ ذکر کرتا ہوں جن سے بعونہ تعالیٰ حق واضح ہو اور صواب لائح واللہ المعین وبہ نستعین

مقدمہ اولیٰ:

مسلمانو! میں پہلے تمہیں ایک سہل پہچان گمراہوں کی بتاتا ہوں جو خود قرآن مجید وحدیث حمید میں ارشاد ہوئی۔ اللہ

عزوجل نے قرآن عظیم اتارا:

﴿تبیانا لکل شیٔ﴾ جس میں ہر چیز کا روشن بیان تو کوئی ایسی بات نہیں جو قرآن میں نہ ہو مگر ساتھ ہی فرمادیا:

﴿ما یعقلھا الا العلمون﴾ اس کی سمجھ میں نہیں مگر عالموں کو۔ اسی لئے فرماتا ہے:

﴿فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون﴾ علم والوں سے پوچھو اگر تم نہ جانتے ہو۔ اور پھر یہی نہیں کہ علم والے آپ سے آپ کتاب اللہ کے سمجھ لینے پر قادر ہوں نہیں بلکہ اس کے متصل ہی فرمادیا:

﴿وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم﴾ اے نبی ہم نے یہ قرآن تیری طرف اس لئے اتارا کہ تو لوگوں سے شرح بیان فرمادے اس چیز کی جو ان کی طرف اتاری گئی۔ اللہ اللہ قرآن عظیم کے لطائف و نکات منتہی نہ ہوئے ان دو آیتوں کے اتصال سے رب العالمین نے ترتیب وار سلسلہ فہم کلام الٰہی کا منتظم فرمادیا کہ اے جاہلو تم کلام علماء کی طرف رجوع کرو اور اے عالمو تم ہمارے رسول کا کلام دیکھو تو ہمارا کلام سمجھ میں آئے۔ عرض ہم پر تقلید ائمہ۔ واجب فرمائی اور ائمہ پر تقلید رسول اور رسول پر تقلید قرآن "وللہ الحجۃ البالغۃ والحمد للہ رب العلمین"

امام عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی نے کتاب مستطاب میزان الشریعۃ الکبریٰ میں اس معنی کو جابجا بتفصیل تام بیان فرمایا از انجملہ فرماتے ہیں۔

"لو لا ان رسول اللہ ﷺ فصل بشریعتہ ما اجمل فی القران بقی القران علی اجمالہ کما ان الائمۃ المجتھدین و لم یفصلوا ما اجمل فی السنۃ لبقیت السنۃ علی اجمالھا وھکذا الی عصرنا ھذا"

پس اگر رسول اللہ ﷺ اپنی شریعت سے مجملات قرآن عظیم کی تفصیل نہ فرماتے تو قرآن یونہی مجمل رہتا اور اگر مجتہدین مجملات حدیث کی تفصیل نہ کرتے تو حدیث یونہی مجمل رہتی اور اسی طرح ہمارے اس زمانے تک کہ اگر کلام ائمہ کی علمائے مابعد شرح نہ فرماتے تو ہم اسے سمجھنے کی لیاقت نہ رکھتے۔ تو یہ سلسلہ ہدایت رب العزۃ کا قائم فرمایا ہوا ہے۔ جو اسے توڑنا چاہے وہ ہدایت نہیں چاہتا بلکہ صریح ضلالت کی راہ پر چل رہا ہے اس لئے قرآن عظیم کی نسبت ارشاد ہوا:

"یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا" اللہ تعالیٰ اسی قرآن سے بہتیروں کو گمراہ کرتا اور بہتیروں کو سیدھی راہ عطا فرماتا ہے جو سلسلے سے چلتے ہیں فضلہ تعالیٰ ہدایت پاتے ہیں اور جو سلسلہ توڑ کر اپنی ناقص اوندھی سمجھ کے بھروسے قرآن عظیم سے بذات خود مطلب نکالنا چاہتے ہیں چاہ ضلالت میں گرتے ہیں اسی لئے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرماتے ہیں:

" سیاتی ناس یجادلونکم بشبہات القران فحلوھم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ "

قریب ہے کہ کچھ لوگ آئیں گے جو تم سے قرآن عظیم کے مشتبہ کلمات سے جھگڑیں گے تم انہیں حدیثوں سے پکڑو کہ حدیث والے قرآن کو خوب جانتے ہیں۔

رواہ الدارمی و نصر المقدسی فی الحجۃ واللالکائی فی السنۃ وابن عبد البر فی العلم وابن ابی زمنین فی اصول السنۃ والخطیب والاسبہانی فی الحجۃ وابن النجار

اسی لئے امام سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

" الحدیث مضلۃ الا للفقہاء " حدیث گمراہ کر دینے والی ہے مگر ائمہ مجتہدین کو، تو وہ یہ ہی ہے کہ قرآن مجمل ہے جس کی توضیح حدیث نے فرمائی اور حدیث مجمل ہے جس کی تشریح ائمہ مجتہدین نے کر دکھائی تو جو ائمہ کا دامن چھوڑ کر خود قرآن و حدیث سے اخذ کرنا چاہے گا گرے گا اور جو حدیث کو چھوڑ کر قرآن مجید سے لینا چاہے وادی ضلالت میں پیاسا مرے گا تو خوب کان کھول کر سن لو اور لوح دل پر نقش کر رکھو کہ جسے کہتا سنو ہم اماموں کا قول نہیں جانتے ہمیں تو قرآن و حدیث چاہئے جان لو یہ گمراہ ہے اور جسے کہتا سنو کہ ہم حدیث نہیں جانتے ہمیں صرف قرآن درکار ہے سمجھ لو کہ یہ بددین دین خدا کا بدخواہ ہے۔ پہلا فرقہ قرآن عظیم کی پہلی آیت ﴿فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ﴾ کا مخالف مستکبر ہے اور دوسرا طائفہ قرآن عظیم کی پہلی آیت ﴿لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ﴾ کا منکر ہے رسول اللہ ﷺ نے پہلے فرقہ مخذولہ کا رد اس حدیث میں فرمایا کہ ارشاد فرماتے ہیں:

" الا سالوا اذا لم یعلموا فانما شفا العی السؤال " کیوں نہ پوچھا جب نہ جانتے تھے کہ تھکنے کی دوا تو پوچھنا ہے۔

رواہ ابو داود عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور دوسرے طائفہ معلولہ کا رد اس حدیث میں فرمایا کہ ارشاد فرماتے ہیں:

" الا انی اوتیت القران ومثلہ معہ الا یوشک رجلا شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القران فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ (ﷺ) کما حرم اللہ "

سن لو مجھے قرآن عطا ہوا اور قرآن کے ساتھ اس کا مثل، خبردار نزدیک ہے کہ کوئی پیٹ بھرا اپنے تخت پر پڑا کہے یہی قرآن لئے رہو اس میں حلال پاؤ اسے حلال جانو اور جو حرام پاؤ اسے حرام مانو حالانکہ جو چیز رسول اللہ ﷺ نے حرام کی وہ

اسی کے مثل ہے جو اللہ تعالیٰ حرام فرمائے۔ رواہ الائمۃ احمد والدارمی وابو داؤد والترمذی وابن ماجہ

"عن المقدام بن معدیکرب ونحوہ عندھم ما خلا الدارمی وعند البیھقی فی الدلائل عن ابی رافع وعند ابی داؤد عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم"

رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق اس زمانہ فساد میں ایک تو پیٹ بھرے بے فکرے نچلی حضرات تھے جنہوں نے حدیثوں کو یکسر ردی کر دیا اور بزور زبان صرف قرآن عظیم پر دارومدار رکھا حالانکہ واللہ وہ قرآن کے دشمن اور قرآن ان کا دشمن۔ وہ قرآن کو بدلنا چاہتے ہیں اور مراد الٰہی کے خلاف اپنی ہوائے نفس کے موافق اس کے معنی گھڑنا۔ اب دوسرے یہ حضرات نئے فیشن کے یہ انوکھی آن والے پیدا ہوئے کہ ہم کو صرف قرآن شریف سے ثبوت چاہئے جس کے تواتر کے برابر کوئی تواتر نہیں ہے تو بات کیا ہے، کہ یہ دونوں گمراہ طائفے دل میں خوب جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دربار میں ان کا ٹھکانا نہیں۔ حضور کی روشن حدیثیں ان کے مردود خیالات کے صاف پرزے پارچے بکھیر رہی ہیں اسی لئے اپنی گرفتاری بچانے کو پہلے ہی دروازہ بند کرتے ہیں کہ ہمیں صرف قرآن شریف سے ثبوت چاہئے جس میں عوام بیچاروں کے سامنے اپنے سے گھتے لگانے کی گنجائش ہو۔

مسلمو! ہم ان گمراہوں کی ایک نہ سنو اور جب تمہیں قرآن میں شبہ ڈالیں تم حدیث کی پناہ لو اگر اس میں این وآں نکالیں تم ائمہ کا دامن پکڑو اس تیسرے درجے پر آ کر حق و باطل صاف کھل جائیگا اور ان گمراہیوں کا اوڑایا ہوا سارا غبار حق کے برستے ہوئے بادلوں سے دھل جائے گا اس وقت یہ ضال مضل طائفے بھاگتے نظر آئیں گے۔

"کانھم حمر مستنفرۃ فرت من قسورۃ" اول تو حدیثوں ہی کے آگے انہیں کچھ نہ بنے گی صاف منکر ہو بیٹھیں گے اور وہاں کچھ چون وچرا کی تو ارشادات ائمہ معانی حدیث کو ایسا روشن کر دیں گے کہ پھر انہیں یہی کہتے بن آئیگی کہ ہم حدیث کو نہیں جانتے یا ہم اماموں کو نہیں مانتے اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ ان کا امام ابلیس لعین ہے جو انہیں لئے پھرتا ہے اور قرآن وحدیث وائمہ کے ارشادات پر نہیں جمنے دیتا" ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" یہ نفیس وجلیل فائدہ ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھو کہ ہر جگہ کام آئے گا اور باذن اللہ تعالیٰ ہزاروں گمراہیوں سے بچائیگا۔

"کیف لا وانہ من زواھر جواھر افادات سیدنا الوالد العلام مقدام المحققین الاعلام مدظلہ العالی الی یوم القیام فی کتابہ المستطاب البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ الشارقۃ والحمد للہ رب العلمین"

مقدمہ ثانیہ:

مانی ہوئی باتیں چار قسم کی ہوتی ہیں۔

اول :- ضروریات دین جن کا منکر کافر۔ ان کا ثبوت قرآن عظیم یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی قطعیات الدلالات واضح الافادات سے ہوتا ہے جن میں نہ شبہے کو گنجائش نہ تاویل کو راہ۔

دوم :- ضروریات مذہب اہل سنت و جماعت جن کا منکر گمراہ بدمذہب ان کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے اگرچہ باحتمال تاویل باب تکفیر مسدود ہو۔

سوم :- ثابتات محکمہ جن کا منکر بعد وضوح امر خاطی و آثم قرار پاتا ہے ان کے ثبوت دلیل ظنی کافی جب کہ اس کا مفاد اکبر رائے ہو کہ جانب خلاف کو مطروح و مضمحل کر دے یہاں حدیث آحاد صحیح یا حسن کافی اور قول سواد اعظم و جمہور علماء سند والی فان ید اللہ علی الجماعۃ۔"

چہارم :- ظنیات محتملہ جن کے منکر کو صرف مخطی کہا جائے۔ ان کے لئے ایسی دلیل ظنی بھی کافی جس نے جانب خلاف کے لئے بھی گنجائش رکھی ہو۔ ہر بات اپنے ہی مرتبے کی دلیل چاہتی ہے جو فرق مراتب نہ کرے اور ایک مرتبے کی بات کو اس سے اعلیٰ درجے کی دلیل مانگے جاہل بے وقوف ہے یا مکار فیلسوف۔

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد　　گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

اور بالخصوص قرآن عظیم بلکہ حدیث ہی میں تصریح صریح ہونے کی تو اصلا ضرورت نہیں حتی کہ مرتبہ اعلیٰ اعنی ضروریات دین میں بھی بہت باتیں ضروریات دین سے ہیں جن کا منکر یقیناً کافر مگر بالتصریح ان کا ذکر آیات و احادیث میں نہیں۔ مثلاً باری عزوجل کا جہل محال ہونا۔ قرآن و حدیث میں اللہ عزوجل کے علم واحاطہ علم کا لاکھ جگہ ذکر ہے مگر امکان و امتناع کی بحث کہیں نہیں۔ پھر کیا جو شخص کہے کہ واقع میں تو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے عالم الغیب و الشہادہ ہے کوئی ذرہ اس کے علم سے چھپا نہیں مگر ممکن ہے کہ جاہل ہو جائے تو کیا وہ کافر نہ ہوگا کہ اس امکان کا سلب صریح قرآن میں مذکور نہیں۔ حاش للہ ضرور کافر ہے اور جو اسے کافر نہ کہے خود کافر تو جب ضروریات دین ہی کے ہر جزئیہ کی تصریح قرآن و حدیث میں ضرور نہیں تو ان سے اتر کر اور کسی درجے کی بات پر یہ مزچرا پن کہ ہمیں تو قرآن ہی میں دکھاؤ ورنہ ہم نہ مانیں گے، بڑی جہالت ہے یا صریح ضلالت۔ اس کی نظیریں سمجھا چاہئے کہ کوئی کہے کہ فلاں بیگ کا باپ قوم کا مرزا تھا زید کہے

پاک ہو اور اس سے اندیشہ تلویث مسجد نہ ہو اور یہ بات آج حاصل نہیں ہمارے جوتوں سے مسجد کی تنجیس وتلویث کا کافی اندیشہ اور ظن غالب ہے لہذا ان جوتوں کو پہن کر مسجد میں جانا ہرگز درست نہیں رہا۔ خواجہ صاحب کا یہ فرمانا کہ جوتا رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے یہ مطلق صحیح نہیں کیونکہ نجاست غیر ذی جرم سے بغیر دھوئے پاک نہیں ہو سکتا نہ کسی حدیث سے آپ ایسا ثابت کر سکتے ہیں بلکہ جو حدیثیں آپ نے لکھی ہیں ان کی شرح دیکھئے۔ شرح مشکوۃ میں ہے:

" اما النجاسة مثل البول ونحوه يصب الثوب او بعض الجسد فان ذلك لا يطهر الا الغسل اجماعا كذا ذكره الطيبي "

یعنی پیشاب اور اس کی مثل نجاست کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو وہ بالاجماع بغیر دھوئے پاک نہیں ہو سکتا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ شریف میں فرماتے ہیں:

" اما در غیر ذی جرم مثل بول و خمر غسل واجب است "

درمختار میں ہے:

" وان لا جرم لها كبول فيغسل "

یعنی اگر پیشاب کی طرح نجاست غیر ذی جرم ہو تو دھونا لازم ہے۔ شامی میں ہے:

" فيغسل اى الخلف قال في الذخيرة والمختار ان يغسل للاث مرات ويترك في كل مرة حتى ينقطع التقاطر ويذهب النداوة ولا يشترط اليبس "

یعنی ذخیرہ میں ہے کہ مختار یہ ہے کہ تین مرتبہ دھویا جائے اور ہر مرتبہ اتنا توقف کیا جائے کہ تقاطر موقوف ہو تری جاتی رہے بالکل خشک ہونا شرط نہیں۔ خواجہ صاحب کا یہ خیال کہ نجاست غیر ذی جرم رگڑنے سے پاک ہو جاتی ہے بالکل غلط اور اجماع وکتب دینیہ کی تصریحات کے خلاف ہے اور نجاست متجسدہ کو نجاست غیر ذی جرم سمجھ جانا علم کی کمی اور باوجود اس قدر ہے ادراکی مسائل دینیہ میں قلم اٹھانا کمال جرأت ولا حول ولا قوۃ۔ رہی یہ بات کہ حدیث شریف میں جوتے کا رگڑنے سے پاک ہونا جو بیان کیا ہے اس سے کونسی نجاست سے پاک ہونا مراد ہے؟ یہ حدیث کی شرح سے معلوم کیجئے۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ شریف میں ہے

" مراد نجاست خشک است که چیزے ازاں تعلق گرفته است بنعل یا خف پس دلک کردان را بارض "

یعنی حدیث میں خشک نجاست مراد ہے کہ اگر وہ جوتے یا موزے کو لگ جائے تو زمین سے رگڑنے سے پاک ہو جائے گا اور یہ بات قرین عقل بھی ہے کہ خشک نجاست اگر جوتے کو لگ گئی تو رگڑنے سے چھوٹ جائے گی جوتا پاک ہو جائے

کا یہ نجاست کے اجزاء جوتے کے جرم میں نفوذ تو کر ہی نہیں گئے تھے لیکن تر نجاست کے اجزاء تو جوتے کے جرم میں نفوذ کر جاتے ہیں۔ وہ صرف رگڑنے سے کیسے پاک ہو جائے گا اور یہ بات عجب لطف کی ہے کہ مسجد کے دروازے پر ہی یہ جوتیاں رگڑی جائیں ہر آنے والا پہلے ان سے اپنے جوتے خوب رگڑ لیا کرے جب خواجہ صاحب کے نزدیک ہوتا اتنا ہی رہ جائے کہ حالت نماز میں دل کے اندر گھسا چلا آتا ہے (یہ انہی کے الفاظ ہیں) تو اس جوتے کو روزانہ کم از کم پانچ مرتبہ رگڑ کر پارہ پارہ نہ کر دینا کون گوارا کرے گا؟ یہ قید لگا دینے سے تو جوتے کی محبت والے مسجد میں آنا ہی چھوڑ دیں گے اور نماز کے لئے ایسا توڑ نہ کریں گے کہ چھ ماہ چلنے والا جوتا ہفتہ بھر میں نکما ہو جائے یا دلی کے جوتے والوں کی تجارت کی اعانت مقصود ہے۔ ہمیں گوارا نہ کریں گے۔

اصل جب معلوم ہے کہ عام طور پر جوتوں میں رات دن ہر طرح کی نجاست لگتی رہتی ہے اور صحابہ کی اقتدا آئی ہر جگہ میں تو مسجد کی تطہیر و تنظیف کے لئے ضروری ہے کہ فرش مسجد کو جوتوں سے بچایا جائے اور جوتا پہن کر مسجد میں داخل ہونا جائز ہو جیسا کہ اوپر نقل کی ہوئی عبارت کتب معتبرہ سے ثابت ہو چکا۔

علامہ ابن عابدین نے اس کی بہت صاف تصریح فرمادی کہا گر جوتا بالکل پاک ہو کسی قسم کی نجاست اس کو نہ لگی ہو کہ اس سے مسجد کی تلویث کا اندیشہ ہو جب بھی اس کو پہن کر مسجد میں نہ آنا چاہئے۔ مگر خواجہ صاحب نے یہ عبارت نقل نہیں کی یہ بات دیانت کے خلاف ہے زمانہ اقدس میں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام جو کبھی کبھی مسجد میں جوتا پہن کر تشریف لاتے اس کی تین وجہیں ہیں۔ دو تو ذکر ہو چکیں ایک تو ان حضرات کی پاپوش کا پاک ہونا دوسرے مخالفت کفار کا قصد اور تیسری وجہ علامہ ابن عابدین نے رد المحتار میں یہ تحریر فرمائی کہ اس زمانہ میں مسجد نبوی میں سنگریزے بچھے تھے فرش پاتہ نہ تھا لہذا پاک جوتوں سے اس کی تلویث کا اندیشہ نہ تھا بخلاف ہمارے زمانہ کے کہ اب فرش پاتہ ہیں۔ پاک جوتا بھی ان پر نہ پہننا چاہئے کہ اس سے تلویث مسجد ہوگی اور حالات بدلنے سے ضرور حکم بدل جاتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے

" کانت الکلاب تقبل وتدبر فی المسجد فی زمان رسول اللہ ﷺ "

یعنی حضور کے زمانہ میں مسجد کے اندر کتے آتے جاتے تھے۔ اس کا یہی تو باعث تھا کہ فرش خام تھا تلویث کا اندیشہ نہ تھا اب بھی خواجہ صاحب اجازت دیں گے کہ فیشن ایبل جنٹلمین بوٹ پہن کر کتا ساتھ لے کر مسجد کے اندر آیا کریں؟

پھر تو عقل سے کام لو۔ اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا

" گفتہ اند کہ ایں در ابتدائے اسلام بود بر اباحت اصلیہ پس ازاں وارد شد امر بتکریم مساجد و تطہیر آں و محافظت آں از در آمدن کلاب و حیوانات و

ساختن درها و دربندها تا آن که یک وقتے امر کردند بکشتن سگاں "

یعنی یہ اباحت اصلیہ کی بناء پر ابتدائی اسلام میں تھا۔ اس کے بعد مساجد کی تکریم و تطہیر اور ان کی حفاظت و نگہداشت کا امر وارد ہوا اور کتوں اور جانوروں کو مسجد شریف سے روکنے کے لئے دروازے اور کیواڑ بنائے گئے یہاں تک کہ ایک وقت کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا گیا۔

اب الحمد للہ خواجہ صاحب کے تمام واہی تباہی شبہوں کا قلع قمع ہو گیا اور مسئلہ خوب واضح ہو گیا اگر خواجہ صاحب اب بھی نہ سمجھیں تو بعون اللہ تعالیٰ ایک مبسوط تحریر سے ان کے اطمینان کی کوشش کی جائے گی۔ مگر تعجب یہ ہے کہ اس قدر صاف مسئلہ میں انہیں الجھن کس طرح ہوئی؟ انہیں تو اتنا سمجھ لینا کافی تھا کہ تمام دنیا کے مسلمان صدیوں سے مسجد میں جوتا پہن کر آنا ناجائز سمجھتے ہیں۔ اسی پر تمام امت کے اخیار ابرار صالحین، علمائے ائمہ، اولیاء سب کا عمل رہا ہے یہ مسئلہ اجماعی ہو گیا آج بھی تمام مسلمان اس کے عامل ہیں اور کسی مسئلہ صحت کے لئے مسلمانوں میں اس کا بلا نکیر رائج ہونا بھی دلیل شرعی ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا:

"ما راہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن"

جو مسلمانوں کے نزدیک بہتر ہے۔ اللہ کے نزدیک بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ☆ ﴾

یعنی اور جو رسول اللہ ﷺ کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری پلٹنے کی جگہ۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی تفسیر مدارک التنزیل میں فرماتے ہیں:

"وھو دلیل علی ان الاجماع حجۃ لا تجوز مخالفتھا کما لا تجوز مخالفۃ الکتاب والسنۃ لان اللہ تعالیٰ جمیع بین اتباع سبیل المؤمنین وبین مشاقۃ الرسول فی الشرط وجعل جزاءہ الوعید الشدید فکان اتباعھم واجباً کموالات الرسول"

یعنی یہ آیت دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے اس کی مخالفت جائز نہیں، جیسے قرآن و حدیث کی مخالفت جائز نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی راہ کے سوا دوسری راہ کے اتباع کو مخالفت رسول کے ساتھ شرط میں جمع فرما دیا اور اس کی جزاء وعید شدید ٹھہرائی تو مسلمانوں کا اتباع رسول کی موالات کی طرح واجب ہوا۔ تفسیر خازن میں ہے:

"وذلک لان اتباع غیر سبیل المؤمنین وھو مفارقۃ الجماعۃ حرام فوجب ان یکون اتباع سبیل المؤمنین ولزوم جماعتھم واجباً"

یعنی یہ اس لئے کہ مسلمانوں کی راہ کے سوا اور دوسری راہ کا اتباع اور وہ جماعت سے مفارقت کرنا ہی حرام ہے تو مومنین کی راہ کا اتباع اور ان کی جماعت کا لزوم واجب ہوا۔

اس مضمون پر بکثرت نصوص وارد ہیں اور کوئی عاقل جو اسلام کا بدخواہ نہ ہو۔ یہ گوارا نہ کرے گا کہ ایسا امر جس میں تمام اہل اسلام متفق و متحد ہیں اور اس میں اصلاً اختلاف نہیں اس کو مورد بحث بنائے اور مسلمانوں میں جھگڑے اور فساد پیدا کرے۔ مساجد کی بے حرمتی کے لئے عوام وخواص کو ہر طرح کے جوتے پہن کر مسجد میں آنے کی اجازت دے اور فساد کی جڑ بنیاد قائم کرے۔ یہ خیال خواجہ صاحب ہی کے دماغ عالی میں پیدا ہوا اور اس پر آپ سو شہیدوں کے ثواب کے بھی امیدوار ہیں اور جوتا پہن کر مسجد میں آنے کو سنت سمجھ رہے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جوتا پہن کر مسجد میں آنا واجب قرار دیتے ہیں اور جو اس میں ان کے ساتھ نہ ہو اس کے ایمان میں شک کرتے ہیں کس قدر ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔ آمین

وہابیہ کے مقتدا ابن تیمیہ کا حال:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ ابن تیمیہ کون اور کیسا شخص ہے۔ مذہب کے اعتبار سے اس کا مرتبہ کیا ہے؟ بدھتان کے اخبار نویس مثل ابوالکلام آزاد کے اکثر اس کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ آج کل یزید پلید کی مدح وثناء میں ابن تیمیہ کا کلام پیش کیا جاتا ہے، یہ شخص معتبر تھا یا نامعتبر؟

(احقر محمد ظہور)

الجواب بعون اللہ الوھاب:

ابن تیمیہ کو وہابیہ نجدیہ اپنا پیشوا جانتے ہیں اور کبھی اس کے نام کی تصریح کرکے اور کبھی بلا تصریح اس کے اقوال فاسدہ سے تمسک کرتے ہیں۔ ابن مسعود نے جو وہابیت کا میگزین کتاب "مجموعۃ التوحید" چھاپا ہے اس میں بھی ابن تیمیہ کے رسالے شامل ہیں۔ اس شخص کی نسبت خاتم المحدثین علامہ شیخ احمد شہاب الدین ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ حدیثیہ صفحہ ۱۸۳ میں فرماتے ہیں۔

"ابن تیمیة عبد خذله الله واضله واعماه واصمه واذله و بذلک صرح الائمة الذین بینوا فساد احواله وکذب اقواله ومن اراد ذلک فعلیه بمطالعة کلام الامام المحقق المتفق علی امامته وجلالته وبوغه مرتبة الاجتهاد ابی الحسن السبکی وولده التاج وشیخ الاسلام العز ابن جماعة واهل عصرهم وغیرهم من الشافعیة والمالکیة والحنفیة ولم یقصر اعتراضه علی متاخری الصوفیة بل اعتراض علی مثل عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب رضی الله

عنهما كما ياتي والحاصل ان لا يقام لكلامه وزن بل يرى في كل وعر وحزن ويعتقد فيه انه مبتدع ضال ومضل جاهل غال عامله الله بعدله وارجاء نامن مثل طريقته وعقيدته وفعله.

امین"

ابن تیمیہ ایک بندہ ہے جس کو خدا نے رسوا کیا۔ گمراہ کیا اندھا کیا۔ بہرہ کیا ذلیل کیا ائمہ دین نے اس کی تصریح کی جنہوں نے اس کے فساد احوال اور جھوٹے اقوال کا بیان فرمایا جو شخص چاہے وہ امام مجتہد جن کی امامت، جلالت رتبہ اجتہاد کو پیشوا مسلم ہے یعنی ابوالحسن سبکی اور ان کے فرزند ارجمند علامہ تاج الدین سبکی اور شیخ امام عزبن جماعہ اور ان کے اہل زبان اور ان کے سوا علماء شافعیہ، مالکیہ حنفیہ کے کلام کا مطالعہ کرے۔ ابن تیمیہ نے متاخرین صوفیہ پر ہی اعتراض کرنے میں اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے اکابر صحابہ پر بھی اعتراض کیا ہے جیسا کہ آتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس کا کلام کچھ وزن نہیں رکھتا بلکہ ویرانہ میں پھینکنے کے قابل ہے۔ ہر ایک اس کے حق میں یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ وہ بدبخت گمراہ، گمراہ کن جاہل غالی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنے عدل سے معاملہ کرے اور ہمیں اس کے جیسے عقیدے وطریقے سے بچائے آمین۔

اس کے بعد علامہ نے ذکر کیا ہے کہ ابن تیمیہ نے کن کن اکابر اسلام واعلام دین پر اعتراضات کئے اور افترا کئے۔ ان میں سے اکابر صحابہ بھی ہیں حتی کہ امیر المومنین امام المسلمین خلیفہ راشد سیدنا ومولانا عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کہا:

"ان عمر له غلطات وبليات واى بليات"

اور امیر المومنین امام المتقین حضرت مولی علی مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے حق میں کہا:

"ان عليا اخطا في اكثر من ثلث مائة مكان"

یعنی معاذ اللہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت سی غلطیاں اور بڑی بڑی بلائیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین سو جگہ زیادہ غلطیاں کیں۔

"معاذ الله ولا حول ولا قوة الا بالله"

حضرت علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

"من اين يحصل لك الصواب اذا اخطا علي بزعمك كرم الله وجهه و عمر بن الخطاب رضي الله عنه"

کہ تجھے کہاں سے صواب حاصل ہوگیا۔ جب امیر المومنین علی اور امیر المومنین عمر بن الخطاب تیرے گمان میں خطا

کا رد کیا۔ اس سے دین نے بہت سے مسائل ایسے گھڑ دیئے۔ اجماع کو توڑ ڈالا، شریعت کے نظام کو درہم برہم کیا۔ کہا جو شخص "علی الطلاق" کہے اس پر کفارہ یمین لازم آئے گا اور طلاق نہ ہوگی، حالانکہ اس سے پہلے مسلمانوں میں سے کوئی بھی کفارہ کا قائل نہ ہوا۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حائض کے طلاق واقع نہیں کی ہوتی۔ ایسے ہی جس طہر میں قربت ہو اس میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ایسے ہی یہ مسئلہ کہ نماز عمداً چھوڑ دی جائے تو اس کی قضا واجب نہیں۔ ایسے ہی یہ مسئلہ کہ حائض کے لئے بیت اللہ کا طواف مباح ہے اور اس پر کفارہ نہیں۔ ایسے ہی یہ مسئلہ کہ تین طلاقیں ایک کی طرف رد ہو جاتی ہیں اور اس کا دعویٰ کرنے سے پہلے ابن تیمیہ خود اس کے خلاف پر مسلمانوں کا اجماع نقل کرتا تھا۔ اس کے علاوہ بہت مسائل ہیں جن میں اس نے دین کی مخالفت کی۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ بیٹھے والی چیزوں میں پوچھ وغیرہ کی طرح کوئی نادر مر جائے تو وہ نجس نہیں ہوتے۔ جب رات میں نفل پڑھ لے اور قبل فجر غسل تک تاخیر نہ کرے اگرچہ شہر میں ہو اور مخالف اجماع نہ کافر ہے نہ فاسق اور رب تعالیٰ محل حوادث ہے:

"تعالیٰ اللہ عن ذلک وتقدس"

اور یہ کہ باری تعالیٰ مرکب ہے اور اس کی ذات ایسی ہی محتاج ہے جیسا کل جزء کا اور قرآن ذات الٰہی میں محدث ہے:

"تعالیٰ اللہ عن ذلک"

اور یہ کہ عالم قدیم بالنوع ہے اور ہمیشہ اللہ کے ساتھ مخلوق دائم رہا تو اس نے واجب تعالیٰ کو موجب بالذات قرار دیا نہ کہ فاعل بالاختیار۔ جسمیت و جہت انتقال کا قائل ہوا اور یہ کہا کہ خدا تعالیٰ بقدر عرش کے ہے۔ نہ چھوٹا نہ بڑا اور انبیاء غیر معصوم ہیں اور رسول ﷺ کا کوئی مرتبہ نہیں۔ ان کے ساتھ توسل نہ کیا جائے ان کی زیارت کے لئے سفر کرنا گناہ ہے (وہابیہ نے بھی اس کی خوشہ چینی اور ریزہ خواری کی ہے) ایسے ایسے اور اس سے بہت زیادہ ناپاک اور گندے مسائل اس کے ہیں جن کا حضرت شیخ علامہ نے اپنے اسی فتاوے میں ذکر فرمایا۔ دوسری جگہ اسی فتاوے کے صفحہ ۱۴۳ پر یہی علامہ فرماتے ہیں:

"وایاک ان تصغی الی ما فی کتب ابن تیمیة وتلمیذه ابن القیم الجوزیة وغیرهما ممن اتخذ الله هواه واضله الله علی علم وختم علی سمعه وقلبه وجعل علی بصره غشاوة فمن یهدیه من بعد الله وکیف تجاوز هؤلاء الملحدون الحدود وتعدوا الرسوم وخرواساج الشریعة والحقیقة فظنوا بذلک انهم علی هدی من ربهم ولبسوا کذلک بل هم علی اسوء الضلال واقبح الخصال وابلغ المقط والخسران وانهی الکذب والبهتان فحذ الله منهم وطهر الارض من امثالهم"

ابن تیمیہ اور اس کے شاگرد ابن قیم جوزی وغیرہ کی کتابوں پر کان رکھنے سے بچو جنہوں نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا

سجود بتایا اور کدا نے اس کو علم پر گمراہ کیا اور اس کے کان اور دل پر مہر کی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈالا تو اس کے بعد اب کون اسے ہدایت کرے گا اور بے دینوں نے کس طرح حدود سے تجاوز کیا اور رسموں سے تعدی کی اور چادر شریعت و حقیقت کو پھاڑ کر گمان کیا کہ وہ اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ بدترین گمراہی اور قبیح ترین خصائل اور انتہائی بدنصیبی اور ٹوٹے اور کذب و بہتان میں ہیں۔ اللہ ان کے تتبع کو رسوا کرے اور ان کے امثال سے زمین کو پاک فرمائے۔

ابن تیمیہ کا یہ حال ہے اور ائمہ دین اور مشائخ محدثین اس کے حق میں ایسا فرماتے ہیں۔ اہل اسلام ایسے بے دین سے احتراز کریں اور اس کی گمراہ کن تعلیم سے بچیں۔ جو علی مرتضی کو خطا کار بتاتا ہے۔ یزید کی تعریف و توصیف اس سے کیا بعید ہندوستان کے بے قید جو دین سے آزاد ہو کر ملحد ان بے دین کے دام تزویر میں گرفتار ہیں۔ وہ اگر ایسے فاسد العقیدہ شخص کی تقلید کریں تو یہ ان کی لامذہبی کا ایک اور ثبوت ہے۔

" لعاذنا الله تعالیٰ ابانا وجمیع المسلمین ووقانا وسائر المومنین عن مکائد للباطلین المفسدین المانعین من الدین بحرمة خاتم النبین شفیع المذنبین صلی الله تعالیٰ علیه وعلیٰ اله واصحابه اجمعین والله سبحنه اعلم وعلمه اتم "

کتبـــــہ

العبد المعتصم بحبل الله المتین

محمد نعیم الدین عفرله

المعجزة العظمیٰ المحمدیه

۱۳ ھ ۴۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مورخہ ۶ شعبان المعظم ۱۳۴۵ ہجری کو مغرب کے وقت بجانب قبلہ ایک روشن ستارہ نے ٹوٹ کر سرکار دو عالم ﷺ کا اسم مبارک محمد صفحہ آسمان پر نمایاں کیا، جبلپور سی کے اکثر مقامات کے ہزار ہا باشندوں نے دیکھا۔ کیا اس کرشمہ قدرت یا آسمانی شہادت کو معجزہ کہا جا سکتا ہے؟ جواب مع عقلی و نقلی دلائل تحریر فرمائیں۔ بینوا وتوجروا!

احقر نور الله خان کاتب، الله آبادی عفی عنه ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ

الجواب و هو الموفق

ہر امر عجیب وخارق عادت جس کے ظہور کا تعلق نبی کی ذات یا صفات وخصائص وحالات سے ہو۔ اگر وہ تحت تحدی و مشروط بدعوائے نبوت ہے تو معجزہ ہے ورنہ آیت لیکن بروجہ تشبیہ وتغلیب آیت پر بھی معجزہ کا اطلاق شائع وذائع ہے پھر خصائص نبی کی حیات ظاہری سے خاص نہیں بلکہ نبی کی وفات کے بعد کے بھی عام اور تا قیامت باقی ہے۔ حتیٰ کہ نبی کے اتباع کی ولی کی کرامت بھی اسی نبی کے معجزات سے ہے۔ غرض کہ نبی کی وفات کے بعد بھی اس سے نسبت رکھنے والے ہر خارق عادت وکرامیائے قدرت الٰہی آیات ومعجزات دکھلائیں گے کیونکہ وہ نبی سے متعلق ہیں اور بدلالت قرائن اقوال واحوال وخصائص بھی حکماً مقترن بدعوائے نبوت اور تحت تحدی ہیں۔ زبیدی شرح احیاء میں ہے:

" ایده الله سبحانه بالمعجزات الظاهرة والآيات الباهرة) معنى الأية العلامة على صدقه والمعجزة هى الأيات مع التحدى بها "

اور اللہ سبحانہ نے حضور اکرم ﷺ کی تائید فرمائی ظاہر معجزات اور کھلی ہوئی آیتوں کے ساتھ آیت کے معنی یہ کہ ایسی علامت جو حضور کی صداقت پر دلالت کرے اور معجزہ بھی وہی آیت ہے جو تحدی کے ساتھ ہو اور بھی زبیدی میں ہے:

"والقوم يعدون امثال هذه كشف الصدور و اظلال الغمامة والتسليم الحجر معجزات على سبل التشبيه والتغليب "

اور قوم یعنی ائمہ کرام نے ایسی آیتوں اور نشانیوں کو جو بغیر تحدی کے ہوں جیسے شق صدر اور ابر کا حضور پر سایہ کرنا اور پتھر کا سلام کرنا معجزات میں بروجہ تشبیہ وتغلیب شمار کیا ہے۔ فتاویٰ حدیثیہ میں ہے:

" ان كرامة الولى من بعض المعجزات النبى ﷺ "

ولی کی کرامت نبی ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

پھر بعد وفات نبی جب تک نبی کی نبوت باقی اس کے دعوۂ نبوت پر تحدی قائم اور نبی کے تحت تحدی اور تحت نبوت ہر امر خلاف معمول وخارق عادت صادر ہو وہ اس نبی کا معجزہ ہے۔ کیونکہ معجزہ ایک فعل الٰہی ہے جو منکرین ومشرکین و حواریین کو نبی کی مخالفت اور اس کے مقابلہ معارضہ سے عاجز کر کے اس نبی برحق کے دعوۂ نبوت ورسالت کی تصدیق اور اس کی حقانیت ومصداقیت کی توثیق کرے۔ تو اس کے لئے نبی کی حیات ظاہری کی حاجت نہیں۔ نشر المحاسن میں ہے:

"كل فعل خارق للعادة مستلزم صدق النبى ﷺ فيما ادعاه من الرسالة معجزة له "

ہر فعل جو خارق عادت خلاف معمول ہو اور نبی ﷺ نے جو رسالت کا دعویٰ کیا اس میں ان کی سچائی کا مستلزم ہو وہ ان نبی ﷺ کا معجزہ ہے۔ احیاء العلوم میں ہے:

"وجه دلالة المعجزة على صدق الرسل ان كل ما يعجز عنه البشر لم يكن الا فعلا لله تعالى"

نبیوں اور رسولوں کی سچائی پر معجزہ کی دلالت کرنے کی وجہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کے مقابلہ سے انسان عاجز ہو وہ اللہ ہی کی طرف سے اور اسی کا فعل ہے۔ حدیقہ ندیہ میں ہے

"فالمعجزة على هذا لا يشترط لها حياة الرسول بل تكون بعد موته ايضا"

تو اس بنا پر معجزہ کے لئے رسول کا حیات ظاہری کے ساتھ زندہ رہنا شرط نہیں بلکہ معجزہ ان کی وفات کے بعد بھی ہوتا ہے۔

جب ظہور معجزہ کے لئے رسول وپیغمبر کی حیات ظاہری شرط نہ رہی تو بعد وفات نبی ﷺ جو کچھ بھی خرق عادت ظاہر ہوں سب معجزہ ہیں کیونکہ وہ مقرون بالتحدی ہیں۔ نبی ﷺ کی رسالت کی بین شہادت دیتے ہیں اور بقرائن صریحہ نبی کریم ﷺ کے دین متین کی صداقت وحقانیت پر دلالت کرتے ہیں اور منکرین ومعاندین اس کے معارضہ سے عاجز اور مقابلہ سے مبہوت ہیں۔ فتاوی حدیثیہ میں ہے

"اكثر معجزات الانبياء لا سيما نبينا محمد ﷺ وقعت من غير ادعاء النبوة"

انبیاء کرام علیہم السلام کے اکثر معجزات خصوصاً ہمارے نبی ﷺ کے بغیر ادعائے نبوت کے واقع ہوئے اور بھی فتاوی حدیثیہ میں ہے

"ان كل ما وقع منه ﷺ بعد النبوة مقرون بالتحدى لان قرائن اقواله واحواله ناطقة بدعواة النبوة وتحديه المخالفين واظهاره ما يفحمهم ويجديهم"

جو معجزات حضور اکرم ﷺ سے بعد نبوت ظاہر وواقع ہوئے وہ مقرون بالتحدی ہیں کیونکہ حضور کے دعوائے نبوت اور حضور کے مخالفین پر تحدی اور حضور کا وہ باتیں ظاہر فرمانا جو منکرین ومخالفین کو توڑ دیں اور عاجز کر دیں ان تمام امور پر حضور کے اقوال اور احوال کے قرائن ناطق ہیں۔ شرح الشفا للملا علی قاری میں ہے:

(معجزة نبينا ﷺ لا تبيد) اى لا تفنى ابدا ولا تنقطع (رواياته) علاماته الدالة على صدقه (تجدد بوما فيوما ولا تضمحل) اى ولا تزول اصلا"

تمہارے نبی ﷺ کا معجزہ ہمیشہ رہنے والا ہے اور کبھی منقطع نہ ہوگا اور حضور کی آیتیں یعنی حضور کی سچائی اور صداقت وحقانیت پر دلالت کرنے والی علامتیں دن پر دن نئی ظاہر ہوں گی اور کبھی کمزور نہ ہوں گی یعنی ہرگز زائل نہ ہوں گی۔ حدیقہ ندیہ میں ہے:

"انه مبعوث الى الثقلين و خاتم الانبياء والرسل و معجزاته ظاهرة باقية على الزمان و شهادته قائمة فى القيامة على كافة البشر"

بے شک حضور ﷺ دونوں جہان کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپ خاتم النبیین اور رسولوں کے آپ کے کھلے ظاہر معجزات زمانہ کے قائم رہنے تک باقی ہیں اور صدق نبوت کی شہادت قیامت تک تمام لوگوں پر قائم ہے۔

فضل القرنی میں ہے:

" ان هذه الشريعة كانت باقية على صفحات الدهر الى يوم القيمة خصت بالمعجزات العقلية الباقية ليرها ذو البصائر "

بے شک یہ شریعت دنیا کے پردہ پر قیامت تک رہنے والی ہے یہ شریعت خاص کی گئی ہے معجزات عقلیہ کے ساتھ جو باقی رہیں گے تاکہ انہیں عقل کی آنکھ والے دیکھیں۔ جامع الکرامات میں ہے:

" فكان بذلك ﷺ كانه موجود بين امته ليشاهدون معجزاته بعد مماته كما كانوا يشاهدونها فى حياته ﷺ ليزداد الذين امنوا ايمانا "

ان معجزات کے سبب گویا کہ حضور اکرم ﷺ اپنی امت کے درمیان خود موجود ہیں کہ لوگ آپ کے معجزات کا مشاہدہ آپ کی وفات کے بعد کر رہے ہیں جیسا کہ آپ کی حیات ظاہری میں مشاہدہ کرتے تھے تاکہ ایمان والوں کے ایمان زیادہ ہوں۔

واقعہ مذکورہ سوال کہ ستارہ کا بصورت شہاب ثاقب نازل ہونا مطلع ہلال پر قرار پکڑنا پھر اس کا تغیرات کے بعد عدم پاک محمد ﷺ ہو جانا حسب تصریحات بالا یقیناً وہ سرکار رسالت مآب محمد رسول اللہ ﷺ کا بین معجزہ ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ نہ وہ کسی انسان کا کام تھا نہ وہ کسی مجہول الحال کا نام تھا، نہ کوئی مہمل و بے معنی کلمہ تھا بلکہ ایک فعل الٰہی اور کرشمہ قدرت کبریائی تھا جس نے اپنے پیارے محبوب حقیقی، مطلب تحقیقی، مختار مطلق برگزیدہ نبی برحق پیغمبر رسول اکرم محمد رسول اللہ ﷺ کے علم محترم اعلم اک و معظم کو چکا کر دو ٹکڑے فرما کر بھٹکتوں گم کردہ راہوں کو متنبہ کر دیا اور سوتوں غفلت آشناؤں کو بیدار فرمایا کہ یہی ہر کار ابد قرار ہیں جن کا دین متین قیامت تک قائم و باقی اور جن کی نبوت کریمہ و رسالت عظیمہ دائم و لازوال ہے۔ یہ خلوہ اسم مبارک زبان حال سے کفار پر تحدی فرما رہا ہے کہ بے کوئی دین، کوئی مذہب، کوئی ملت، کوئی فرقہ ہو اسلام کی ایسی جلی صاف نشان مبارک مثال پیش کر سکے۔ لا و اللہ ہرگز نہیں۔

" فان لم تفعلوا و لن تفعلوا فاتقوا النار التى وقودها الناس و الحجارة ☆ اعدت للكفرين "

(تو اے مخالفین اسلام!) اگر تم ایسی ظاہر مثال پیش نہ کر سکو اور یقیناً تم ہرگز پیش نہ کر سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی ہیں اور وہ پتھر جنہیں یہ آدمی بت بنا کر پوجتے ہیں اور وہ مقرر کی گئی ہے صرف کافروں کے لئے۔

اللہ تعالیٰ اسم اعظم علم معظم کو مرتفع فرما کر اپنے بندوں، حضور اکرم محمد رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ بیوں و بشارت عظیم

دے رہا ہے کہ جس پیارے نبی کی پیروی، جس برگزیدہ پیغمبر کی اطاعت جس رسول کی تعظیم کے اتباع میں تمہیں مراتب سعادت عطا ہوں، تمہیں عتاب الٰہی، فتنہ قبر اور عذاب آخرت سے نجات ملے اس کا نام پاک علم مبارک ہم نے مشعل ہدایت بنا کر مطلع ہلال پر چمکا دیا اور حسب وعدۂ قرآنی ﴿ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ﴾ ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا، اسم پاک کو رفعت و بلندی کے ساتھ تم پر سایہ افگن فرما دیا جو اپنی سعادت افروز تجلی اور مسرت افزا روشنی میں عامہ امت اجابت، دعوت کو طریق خیر و سعادت اور صراط رشد و ہدایت کی طرف پکار پکار کر بتلا رہا ہے:

﴿ اِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ "

یقیناً یہی میری سیدھی راہ ہے تو اس پر چلو اور دوسری راہیں نہ اختیار کرو کہ سیدھی راہ سے بھٹکا دیں۔

بلاشبہ یہ ظہور اسم پاک محمد رسول اللہ ﷺ، حضور اکرم محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کے بقاء و قیام و دوام کی بین شہادت اور دین مصدق و برحق اسلام کی برہان ساطع اور اس کی صداقت و حقانیت پر دلیل قاطع ہے جس کے ظہور سے کفار و مشرکین و مخالفین اسلام مبہوت اور اس کے مقابلہ و معارضہ سے عاجز و قاصر ہیں یہی معجزہ کی تعریف ہے اور بتمامہا اس پر صادق۔ شرح مقاصد میں ہے:

"المعجزة هی فعل من الله تعالیٰ یقصد بمثله التصدیق "

معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس سے نبی کریم ﷺ کی تصدیق مقصود ہے۔ اب کون ہے جو اس کے اعجاز محمدی ہونے شک لائے اور معجزہ ہونے میں کلام کرے۔

مسلمانو! ہوشیار، خبردار! بہت سو چکے اور خواب غفلت میں اتنا کچھ کھو چکے کہ اس کی تلافی دشوار ہے مگر جو کچھ رہا ہے اسی کو سنبھالو اور ظہور اسم مبارک تمہیں سبق دے رہا ہے کہ اسی مبارک و محترم نام والے سرکار ابد قرار کے سایہ میں تمہارے لئے سب کچھ ہے۔ صدق و اخلاص کے ساتھ ان کی اطاعت ان کا اتباع ان کی پیروی تمہارے لئے منہاج رفعت و عزت اور معراج ترقی ہے۔ اس سے باہر ہونے ان سے پھر جانے روگرداں ہو جانے میں تمہارے لئے ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔ قال عزوجل:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴾

بے شک وہ لوگ جو اللہ و رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں اللہ لکھ چکا کہ ضرور ضرور میں غالب آؤں گا اور میرے رسول غالب آئیں گے بے شک اللہ قوت والا عزت والا ہے۔

" واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ عزمجدہ اتم و احکم "

محمد نعیم الدین غفرلہ

فتویٰ:

توہین علماء کا حکم

سوال ۱: ایک شخص داڑھی منڈا جو نہ کبھی نماز پڑھتا نہ داڑھی رکھتا ہے۔ اس عالم کی شان میں جو قرآن وحدیث کا وعظ بیان فرمارہا ہے اور لوگوں کو منہیات شرعیہ سے روکتا ہے۔ اس کے بیان کے خلاف میں ایسی غزلیں جو بالکل خلاف مذہب اسلام اور شرع ہے لکھ کر اس مسجد میں پڑھتا ہے جہاں کہ لوگ وعظ سن کر متاثر ہو رہے تھے اور لوگوں کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ مولویوں کے وعظ مت سنو۔ اپنے شعر میں مولویوں کی توہین کرتا ہے اور اس کو فخر سمجھتا ہے ایسا شخص از روئے شرع کیسا ہے؟

۲: شخص مذکور داڑھی منڈانے کی ممانعت میں حدیث نبی سننے کے بعد بھی باصرار کہتا ہے کہ داڑھی کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں اور داڑھی رکھنا اسلام میں داخل نہیں ایسا شخص عندالله وعندالشرع کیسا ہے؟

۳: شخص مذکور نماز کبھی پڑھتا نہیں ہے بلکہ نماز کو عبث سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ نماز سے اسلام کو کیا واسطہ، نماز اسلام میں داخل نہیں ہے ایسے شخص پر کیا حکم شرع عائد ہوتا ہے؟

۴: ایسا شعر جس کے مضامین بالکل خلاف شرع ہوں اور جس میں مولویوں کی توہین ناحق ہو جس کے خلاصہ مضمون یہ ہوں کہ نماز اسلام کی چیز نہیں، داڑھی اسلام کی چیز نہیں، وضع ولباس اسلام میں داخل نہیں، جیسا لباس چاہو پہنو ایسا شعر جس کے مضامین اس قسم کے ہوں مسجد میں پڑھنا کیسا ہے؟ اور ایسے شخص کی مدد واستعانت کرنا جو قرآن وحدیث کے خلاف کہہ رہا ہو کیسا ہے؟ اور ایسے قول کے سرزد ہونے کے بعد اسے کیا کرنا چاہئے؟ بینوا و توجروا

المستفتی ابو الرشید محمد عبد اللطیف جلندھر پور

جواب ۱: داڑھی منڈانا نماز ترک کرنا فسق ہے اور عالم اہل سنت کے وعظ سننے سے لوگوں کو روکنا منع خیر اور سخت جرم اور عالم کی توہین اشد حرام اور نہایت خطرناک ہے۔ اگر اس کے لئے کوئی سبب دینوی یا اخروی نہ ہو۔ شرح فقہ اکبر للملا علی قاری میں ہے:

"من البغض عالما من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر قلت الظاهر انه يكفر لانه اذا ابغض العالم من غير سبب دينوى واخروى فيكون بغضه لعلم الشريعة ولا شك فى كفر من انكره فضلا عمن ابغضه"

یعنی خلاصہ میں ہے کہ جو شخص بغیر سبب ظاہر کسی عالم کو مبغوض رکھے اس پر کفر کا خوف ہے حضرت علامہ فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ جب اس نے بغیر دینی ودینوی سبب کے عالم سے بغض رکھا تو یہ بغض علم دین کی وجہ سے ہوا اور علم دین کا

سکر بھی کافر ہے بہ جالیکہ اس کو مبغوض رکھنے والا۔ اسی شرح فقہ اکبر میں ہے:

" ان قال لعالم عویلم او العلوی علیوی بصیغة التصغیر فیهما قیده بقوله قاصدا به الاستخفاف کفر "

اس سے معلوم ہوا کہ جس کسی نے عالم کی تحقیر کے لئے تصغیر کے صیغہ سے پکارا اور اس کا نام گھٹا کر لیا وہ کافر ہو گیا۔ اللہ پناہ میں رکھے۔ بے قید لوگوں کی عادت ہے کہ علماء دین کو ملا ناوغیرہ استخفاف وتحقیر کے الفاظ کہہ گذرتے ہیں اور انہیں پتہ نہیں ہوتا کہ اس میں اپنے ہی ایمان کا خلل ہے۔ ایک عالم اپنی کتاب کہیں رکھ کر تشریف لے گئے تھے تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ آپ اپنی آری چھوڑ گئے! یہ کہنے پر امام فضلی نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اسی شرح میں ہے:

" امر الامام الفضلی بقتل من قال لفقیه ترک کتابه وذهب ترکت المنشار ههنا و ذهب کفر "

خانیہ میں ہے:

" رجلان بینهما خصومة فقال احدهما للاخر بیانا بعلم رویم فقال الاخر من علم چه دانم قال ابوبکر القاضی یکفر المجیب لان یستخف بالعلم "

یعنی دو آدمیوں میں جھگڑا تھا ایک نے دوسرے سے کہا آؤ علم کی طرف چلیں دوسرے نے کہا میں علم کو کیا سمجھتا ہوں۔ قاضی ابوبکر نے فرمایا یہ دوسرا کافر ہو گیا کیونکہ اس نے علم کا استخفاف کیا، روی میں ہے:

" رجلان بینهما خصومة فجاء احدهما بخطوط الفقهاء والفتوی فقال الخصم لیس کما افتوا او قال لا نعمل بهذا وهما من عرض الناس کان علیه التعزیر "

اس سے معلوم ہوا کہ علماء کی تحریر فتوی کو کہہ دینا کہ ہم اس کو نہیں مانتے یا یہ ٹھیک نہیں ہے اس پر تعزیر ہوتی ہے لوگوں کی عادت ہو گئی ہے کہ علماء کے جھٹلانے اور ان کے بتائے ہوئے مسائل کی تکذیب کرنے پر جری ہو گئے ہیں اور ایسے بیہودہ کلمات اکثر زبان پر لے آتے ہیں چاہئے کہ اس سے احتیاط کریں۔ سوال میں بھی یہ ذکر ہے کہ وہ شخص علماء کی تعلیم اور ان کے وعظ سے روکتا ہے اور علماء کی توہین کرتا ہے اس کو چاہئے کہ توبہ کرے۔

۳۰۲: یہ کہنا کہ داڑھی کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا داڑھی اسلام میں داخل نہیں اور اسی طرح نماز کی نسبت ایسے کلمات کہنا اگر اس مطلب سے ہو کہ ان کا ترک گناہ ہے، فسق وکبیرہ ہے مگر اس سے وہ شخص اسلام سے خارج نہیں ہو گیا جائے عذر ہے اور اگر نماز کی فرضیت کا انکار یا سنت کا استخفاف مدنظر ہو تو اس کو فقہا کفر فرماتے ہیں یہ بہت خطرناک جرم ہے اللہ تعالیٰ پناہ دے۔ فتاوی خانیہ میں ہے:

" رجل قال لغیره نماز کن فقال اے مرد نماز کردن سخت کار گرانست برایں

قالوا یکون کفرا"

۴ سوال چہارم کا جواب سوال اول میں آچکا۔ ایسے شخص سے توبہ لینا چاہئے اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو مسلمان اس سے میل جول ترک کردیں۔

"لا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین ، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم"

محمد نعیم الدین غفرلہ

تعظیم وعبادت میں فرق

سوال: تعظیم اور عبادت میں کیا فرق ہے؟ کیا سبب ہے کہ اولیاء کرام کی قبروں پر چادریں پھول مٹھائیاں چڑھانے والے موحد مسلمان اور بتوں پر پھول پتیاں چڑھانے والے کافر و مشرک بے ایمان؟

۲ نیچری کہتا ہے: "پردہ قرآن کے خلاف ہے، منہ چھپانے کا حکم کہیں قرآن میں نہیں آیہ کریمہ:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ..... الآية ☆ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ﴾

سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ کھلا رہنا چاہئے اس لئے کہ جب تک چہرہ نہیں کھلا رہے گا نیچی نظریں رکھنے کا حکم فضول اور آیہ کریمہ:

﴿ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ کے متعلق کہتا ہے اس سے بھی ہمارا مطلب ثابت ہوتا ہے جب تک چہرہ عورتوں کا کھلا نہیں رہے گا پہچاننا غیر ممکن ہے لہذا چہرہ چھپانا خلاف آیات قرآنی ہے۔

جواب سوال ۲ کا صرف قرآن سے ہو۔ آیا یہ تاویل صحیح ہے۔ بینوا توجروا۔

خاکسار غریب عفی عنہ

جواب نمبر ۱: عبادت غایت خضوع اور انتہاء تذلل کو کہتے ہیں اور یہ حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ عابد معبود کی نسبت الوہیت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو اور اس کو قادر مطلق متصرف بالذات وبالاستقلال نہ جانتا ہو اور اس کے حضور بغیر اضطراب کے اپنے اختیار سے انتہائی تذلل جس کو اظہار عبدیت کہتے ہیں بجا نہ لائے۔

تعظیم اس سے عام ہے۔ اس میں غایت تذلل اور غایت خضوع اور معظم کی الوہیت اور اس کی قدرت ذاتیہ مستقلہ کا اعتقاد ضروری نہیں ہے۔ ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے ہر عبادت تعظیم ہے اور ہر تعظیم عبادت نہیں۔ ورنہ ماں باپ استاد پیر نبی، رسول (علیہ السلام) قرآن شریف، مسجد، کعبہ معظمہ سب کی تعظیم شرعاً مطلوب ہے

اور مسلمانوں کو ان کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا گیا ہے ہر تعظیم اگر عبادت ہو جایا کرے تو یہ سب تعظیمیں شرک ہوں اور ان کا حکم کرنا شرک کا حکم کرنا ہو جو شخص شریعت پر ایسا الزام لگائے گمراہ بے دین ہے۔ ایک ہی طرح کے افعال جن میں صورتاً کوئی فرق ظاہرہ نہ ہو بسا اوقات حقیقت میں ہوتے ہیں۔ مشرکین سے زیادہ کا بعد و دوری ہوتی ہے۔ غیر خدا کی عبادت یقیناً شرک ہے شریعت حقہ اس کو مٹاتی آئی۔ تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات جب تک دنیا میں تشریف فرما رہے اس کی تلاش میں مصروف رہے۔ شرک کسی حال میں جائز نہیں ہو سکتا اور محال ہے کہ خدائی طرف سے شرک کا حکم دیا جائے باوجود اس کے ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کا حکم ہو۔ برادران حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا قرآن کریم نے ذکر فرمایا۔ صورۃً یہ سجدہ اور نمازی کا سجدہ اور بت کا سجدہ وضع جبہہ یا انحنا ہے۔ یہ بات تینوں صورتوں میں پائی جاتی ہے مگر حقیقت و حکم میں اشتراک نہیں، ملائکہ اور برادران یوسف علیہ السلام کا سجدہ حضرت آدم یوسف علی نبینا وعلیہم السلام کی تعظیم تھا نہ عبادت ورنہ اس کا حکم ہونا محال تھا۔ فرق یہ ہے کہ ملائکہ اور برادران یوسف علیہم السلام اپنے معظم کی الوہیت کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے تو وہ سجدہ عبادت نہ ہوا اور نمازی سجدہ میں معبود لہٗ کی الوہیت کا عقاد رکھتا ہے اس لئے اس کا سجدہ عبادت ہے۔ مگر چونکہ معبود لہ اس کا اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ ہے اس لئے یہ عبادت مقبول اور مامور بہا ہے۔ بت پرست کا سجدہ بھی باعتقاد الوہیت ہے اور چونکہ اس کا معبود لہ غیر خدا ہے اس لئے وہ شرک و کفر موجب خسران وخذلان ہے۔ قبروں پر چادریں اور پھول ڈالنا اور بتوں کے آگے پھول پیش کرنا ان دونوں میں بھی وہی فرق ہے کہ قبروں پر پھول لے جانے والا صاحب قبر کو الٰہ اور قادر بالذات والاستقلال نہیں اعتقاد کرتا اس کو خدا کا خالص بندہ جانتا ہے نہ خدائی کا شریک یا حصہ دار نہ معاذ اللہ چھوٹے درجہ کا خدا اور بت پرست بت کو الٰہ اور قادر بالذات اور بالاستقلال اعتقاد کرتا ہے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر سورۂ بقرہ میں فرماتے ہیں۔

"پیشانی را بر زمین رسانیدن ہر دو طریق میشود، یکے آنکہ برائے ادائے حق عبودیت باشد ایں قسم در جمیع ادیان و جمیع ملل برائے غیر خدا حرام و ممنوع است و ہیچ گاہ جائز نہ شد زیرا کہ از محرمات عقلی است و محرمات عقلیہ بتبدل ادیان و ملل متبدل نمی شوند و دلیلش آنکہ ایں نوع تعظیم مشعر بغایت تذلل است و غایت تذلل برائے کسے سزاوار ہست کہ در غایت عظمت باشد و غایت عظمت آنست کہ ذاتی باشد و عظمت ذاتی خاص بحضرت حق است در ہیچ مخلوقے یافتہ نمی شود، دوم آنکہ برائے تکریم و تحیت باشد مانند سلام و سرخم کردن وایں معنی باختلاف رسوم وعادات و تبدل از منہ وواقعات مختلف است گاہے جائز است و گاہے حرام

در امتحانے سابقہ جائز بود چنانچہ در قصہ حضرت یوسف و اخوان ایشان واقع شدہ کہ " وخروا لہ سجداً ، واللہ سبحنہ تعالیٰ اعلم "

جواب نمبر ۲: نیچری صاحب کا یہ دعویٰ کہ پردہ قرآن کریم کے خلاف ہے اور اس کی یہ دلیل کہ منہ چھپانے کا حکم کہیں قرآن میں نہیں نہایت ہی عجیب ہے۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ قرآن کریم میں منہ چھپانے کا حکم نہیں ہے تو پردہ کا خلاف قرآن ہونا کیسے لازم آئے گا؟ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے کسی نے کہا کہ نمازوں میں رکعتوں کی تعداد اور صلاتی افعال کی ترتیب قرآن کے خلاف ہے کیونکہ اس کا حکم قرآن میں نہیں تو جیسا یہ قول باطل ہوگا ایسا ہی یہ استدلال بھی باطل ہے۔ پردہ قرآن کے خلاف تو جب کہا جا سکتا تھا کہ قرآن پاک میں کہیں یہ حکم ہوتا کہ عورتیں اجنبی مردوں کے سامنے بے پردہ رہیں۔ جب یہ نہیں تو پردہ کا حکم قرآن پاک کے خلاف کس طرح ہوا؟ پھر یہ آیہ کریمہ:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ "اور "قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾

ان دونوں آیتوں کو نیچری نے کس طمع میں پیش کیا ہے؟ ان آیات کے نفس ترجمہ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو عورتوں کے دیکھنے سے اور عورتوں کو مردوں کے دیکھنے سے منع فرمایا گیا۔ اس سے پردہ کی تاکید ہوتی ہے اور نہ دیکھنا پردہ کی حالت میں کامل طور پر حاصل ہوتا ہے تو اس آیت میں پردہ کی تائید ہے یا مخالفت اس کو بے پردگی سند بنانا عقل پر پردے پڑے ہونے کی دلیل ہے۔ نیچری صاحب کی یہ دلیل ایسی ہی ہے جیسے کوئی بے دین کہے کہ ناحق کسی کا مال لے لینے کی ممانعت قرآن شریف کے خلاف ہے کیونکہ قرآن شریف میں فرمایا:

﴿ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ﴾

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مال ناحق لینا چاہئے۔ اس لئے کہ جب تک مال ناحق نہ لیا جائے کھانے کی ممانعت فضول۔ ایسے ہی دوسرا بے دین کہے کہ سود لینے کی ممانعت قرآن شریف کے خلاف ہے کیونکہ قرآن شریف میں فرمایا ہے: ﴿لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا﴾ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سود لینا چاہئے اس لئے کہ جب تک سود لیا نہیں جائے گا سود کھانے کی ممانعت فضول ہوگی جیسے ان بے دینوں کا شیطانی قیاس باطل ہے۔ ایسا ہی نیچری کا یہ قول باطل ہے کہ آیہ:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ﴾ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ کھلا رہنا چاہئے اس لئے کہ جب تک چہرہ نہیں کھلا رہے گا نیچی نظریں رکھنے کا حکم فضول ہے۔

تو نادان نے یہ نہ سوچا کہ چہرہ کھلے رکھنے کے جواز پر آیت میں کونسی دلالت ہے۔ چہرہ کھلا رکھنا جائز ہو تو کیا ضروری ہے کہ دنیا میں کوئی فاسق اس کا خلاف نہ کرے۔ اگر باوجود ناجائز ہونے کے کوئی چہرہ کھلا رکھے اور نیچری عورتوں کی طرح آزاد پھرے وہ سامنے آئے تو اس کو نہ دیکھے اور نظر نیچی کر لینے کا حکم دینا اس کی بے پردگی کے جواز کی دلیل کس طرح

ہوسکتا ہے۔ اس سے تو پردہ کی تائید ہوتی ہے کہ اگر کوئی بے پردہ پھرنے والا بھی تمہارے سامنے آجائے۔ یا اتفاقیہ کسی اجنبی کا سامنا ہوجائے تو بھی تم پردہ کے اہتمام میں کمی نہ کرو اور اپنی آنکھیں نیچی کرلو۔ بے پردگی کی اجازت منظور ہوتی تو نگاہیں نیچی کرنے اور نہ دیکھنے کا حکم کیا معنی رکھتا ہے۔ علاوہ بریں آیت میں یہ کہاں ہے کہ اجانب کے سامنے ایسا کرنے کا حکم ہے؟ جائز ہے کہ یہ حکم گھر کے اندر کا ہو اور حیا کی تعلیم دی گئی ہو کہ محارم کے سامنے بھی نگاہیں نیچی رکھیں یہ کلام تو محض آیت کے الفاظ اور اس کے ظاہر ترجمہ پر نظر کرکے تھا کیونکہ سائل صاحب جواب صرف قرآن شریف سے مانگتے ہیں یہ اصرار بھی ان کا باطل ہے۔ جب قرآن پاک واجب الاتباع ہے تو حدیث رسول اور تمام دلائل شرعیہ بھی لازم القبول ہیں بلکہ قرآن کریم کی فہم حدیث شریف سے حاصل ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ''کلامی تفسیر کلام اللہ'' یعنی میرا کلام قرآن پاک کی تفسیر ہے۔ اب ذرا اس آیت کی تفسیر بھی دیکھ لیجئے۔ تفسیر احمدی میں فرمایا:

﴿ الا ظهر ان هذا فی الصلوة لا فی النظر فان کل بدن الحرة عورة لا یحل لغیر الزوج والمحرم النظر الی شیء منها الابضرورة کالمعالجة وتحمل الشهادة ﴾

یعنی ظاہر تر یہ ہے کہ آیت میں حکم نماز کا ہے نہ کہ نظر کا کیونکہ حرہ کا تمام بدن عورت ہے۔ شوہر اور محرم کے سوا کسی کو اس کے بدن کا کوئی حصہ دیکھنا جائز نہیں:

﴿ الا الضرورة معالجه وشهادة ﴾

نیچری صاحب اس آیت کو تو پڑھ گئے اور اس سے پہلی آیت چھوڑ گئے جس میں صاف ارشاد تھا:

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَهْلِهَا ﴾

جس میں غیروں کے گھروں میں داخل ہونے کی ممانعت تھی۔ اس سے آپ نے نہ سوچا کہ نیچری عورتوں کی طرح کھلا پھرنا جائز ہوتا تو مردوں کو دوسرے کے گھروں میں داخل ہونے کی ممانعت کیوں فرمائی جاتی؟ اسیران شہوت اپنی خواہشات کے لئے طرح طرح کی حیلہ جوئی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر دے۔

اسی طرح نیچری صاحب نے ﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ﴾ لکھ کر دھوکہ دینا چاہا۔ بڑی بدنصیبی کہ انسان قرآن جیسی سراسر ہدایت کتاب کی آیات کو بھی دھوکہ دینے کے لئے پیش کرے اور دھوکہ دینے ہی کی ضرورت سے آدھی آیت لکھی اور آدھی چھوڑ دی۔ اوپر کی آدھی آیت یہ تھی:

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ﴾

یعنی اے نبی کریم ﷺ فرمادیجئے اپنی بیبیوں سے اور صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی بیبیوں سے کہہ برقعے اوڑھ

رہیں یہ قریب ہے اس کے کہ پہچانی جائیں پس نہ ستائی جائیں۔ یعنی برقع پوشی حرہ بیبیوں کے پہچاننے کے لئے علامت ہوگی۔ ایسا ہی تمام تفاسیر میں ہے آیت کا نظم صاف اس مدلول پر دلالت کرتا ہے۔ اگر وہ مطلب لیا جائے جو نیچری کہتا ہے اور پہچاننا چہرہ دیکھ کر مقصود ہو تو پہلی آیت جو اس نے نقل کی ہے اس میں غض بصر یعنی نگاہیں نیچی کرنے کا حکم کس لئے ہوگا؟

اور دوسری آیات:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ وغیرہا کی مخالفت لازم آئے گی بلکہ آیت کا یہ صدر خود اپنے صدر کے خلاف ہوگا اور کلام الٰہی تو بہت بلند و بالا ہے۔ ایسا تو کسی عاقل کے کلام بھی نہیں ہو سکتا۔ اس نیچری کا مطلب جب ثابت ہوتا کہ اس سے پہلے يُدْنِينَ وُجُوهَهُنَّ ہوتا تو ذلک مشار الیہ کشف کو بنایا جا سکتا تھا اب جب کہ یدنین علیھن جلابیبھن ہے تو ذلک سے مراد پردہ ہو سکتا ہے نہ کہ بے پردگی۔ اللہ تعالیٰ عقل دے اور ہدایت فرمائے۔

محمد نعیم الدین غفرلہ

﴿مسئلہ علمِ غیب﴾

سوال: حضور نبی کریم ﷺ کے علم بالغیب کے متعلق ہر جگہ گفتگوئیں ہوتی ہیں۔ دیوبندی لوگ اس کے انکار میں بہت مبالغہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کے سوا اور کسی کے لئے غیب کا علم ثابت کرنا شرک ہے اور اپنی تائید میں قرآن پاک کی آیتیں اور حدیثیں بیان کرتے ہیں، اس کی حقیقیت کیا ہے؟ جواب مدلل ارشاد فرمایئے۔ بینوا و توجروا۔

جواب: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّي عَلٰى حَبِيْبِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحٰبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

حضور اقدس نبی کریم ﷺ کو رب العزت تبارک وتعالیٰ نے جمیع اشیاء کا علم عطا فرمایا حاضرہ ہوں یا غائبہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے یہ خوب اچھی طرح ثابت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ﴾

ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جو ہر شے کا بیان واضح ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور کو جمیع اشیاء کا علم ہے۔ اور قرآن پاک میں ان سب کا بیان اور بلا خلاف حضور اقدس ﷺ قرآن کے عالم ہیں دوسری آیت میں ارشاد ہوا:

﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾

اور اللہ تعالیٰ نے تعلیم فرمایا آپ کو جو آپ نہ جانتے تھے اور اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے۔ تیسری آیت میں ارشاد

﴿ما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبي من رسله من يشاء﴾

اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسل سے جسے چاہے۔

چوتھی آیت یہ ہے:

﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول﴾

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اپنے غیب پر کسی کو ظاہر و مسلط نہیں فرماتا مگر جس کو وہ انتخاب کرے اپنے رسولوں میں سے۔

ان کے علاوہ بہت کثیر آیات ہیں جن سے یہ مضمون ثابت ہے اب چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں۔

حدیث ۱: بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

" قام فينا رسول الله ﷺ مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتى دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم حفظ ذلك من حفظه و نسيه من نسيه "

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ہماری مجلس میں قیام فرما کر ابتدائے آفرینش سے اہل جنت اور اہل نار کے اپنی اپنی منزلوں میں داخل ہونے کی خبر دی، جسے یاد رہا یاد رہا اور جو بھول گیا بھول گیا۔ بخاری شریف سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نے مجلس صحابہ میں ابتدائے آفرینش سے دخول جنت و نار تک ہونے والے جملہ وقائع و حوادث اور تمام حالات و کائنات کی خبر دی۔

حدیث ۲: بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

" قام فينا رسول الله ﷺ مقاما ما ترك شيئا يكون فى مقامه ذلك الى قيام الساعة الا حدث به "

یعنی حضور اقدس ﷺ نے ہماری مجلس میں قیام فرمایا اور قیامت تک ہونے والی کوئی چیز نہ چھوڑی جن کا بیان نہ فرمایا ہو بخاری و مسلم کی اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیامت تک ہونے والی ہر چیز کا بیان فرمایا کوئی چیز چھوڑ نہ دی۔

حدیث ۳: مسلم شریف میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

" قال رسول الله ﷺ ان الله زوى لى الارض فرايت مشارقها و مغاربها "

یعنی حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹا پس میں نے اس کے مشارق و مغارب کو

دیکھا یعنی تمام زمین کو ملاحظہ فرمایا۔

مرقات المفاتیح میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا:

"معناہ ان الارض زویت لی جملتها مرة واحدة فرایت مشارقها و مغاربها"

یعنی میرے لئے تمام زمین یکبارگی سمیٹی گئی پس میں نے اس کے مشارق ومغارب کو دیکھا۔

حدیث ۴: مواہب لدنیہ میں طبرانی سے بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے:

"قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ تعالیٰ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیها والی ما هو کائن فیها الیٰ یوم القیمة کانها انظر الیٰ کفی هذہ"

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا اٹھائی میں نے اس کو اور اس میں جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسے ملاحظہ فرمایا جیسا اپنے اس کف دست کو۔

حدیث ۵: امام احمد وترمذی نے ایک حدیث روایت کی اور اس کو حسن وصحیح بتایا اور ترمذی نے کہا میں نے امام بخاری سے اس حدیث کو دریافت کیا انہوں نے فرمایا صحیح ہے۔ اس حدیث میں ہے:

"فتجلی لی کل شیئ و عرفت" پس مجھے ہر چیز روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لی۔

ان آیات واحادیث سے خوب ظاہر وروشن ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کو جمیع اشیاء کے علوم عطا فرمائے اور کائنات کا کوئی ذرہ اور قیامت تک ہونے والا کوئی واقعہ وحادثہ ایسا نہ رہا جس کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم نہ دیا گیا ہو۔ اب جو شخص علم حضور اقدس کا انکار کرتا ہے وہ باطل پر ہے اور جو آیات واحادیث پیش کرتا ہے ان میں علم ذاتی یعنی خود بخود جاننے کی نفی ہے۔ کسی میں تعلیم کی نفی نہیں اور کسی ایک حدیث میں یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ علوم عطا نہیں فرمائے۔ چنانچہ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

"ان المنفی علمه من غیر واسطة و اما اطلاعه علیه باعلام اللہ تعالیٰ فامر متحقق قال اللہ تعالیٰ عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احدا الا من ارتضیٰ من رسولٍ"

یعنی نفی علم ذاتی کی گئی ہے اور ثبوت علم بتعلیم الٰہی کا ہے جو امر ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تعالیٰ عالم غیب ہے اور اپنے غیب پر کسی کو ظاہر ومسلط نہیں کرتا مگر جس کو رسولوں میں سے چنے۔ خفاجی علیہ الرحمۃ کی اس عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ عبارات نفی میں علم ذاتی مراد ہے اور عبارات اثبات میں علم عطائی، دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم عطائی کے انکار میں آیات واحادیث پیش کرنا مغالطہ اور تغلیط ہے۔

لحمد اللہ تعالیٰ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے علم غیب کا مسئلہ خوب واضح و روشن اور دلائل و براہین سے موثق و مبرہن ہو چکا۔ اب مخالف کو جائے چون و چرا باقی نہیں۔ بیان مسطور بالا سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے لئے بتعلیم الٰہی غیب کے علم کا اثبات شرک نہیں اور جو چیز نصوص سے ثابت ہو کس طرح شرک ہو سکتی ہے۔ اس کو شرک کہنا کھلی گمراہی ہے۔ شرک کہنے والا اس بات کا مدعی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا علم بھی معاذ اللہ عطائی اور بتعلیم غیر ہے۔ ایسا کہے تو یقیناً کافر اور نہ کہے تو اثبات علم عطائی پر شرک کا حکم لگانا کذب و باطل اور جہالت و ضلالت۔ تمام عالم کے وہابی مل کر کوشش کریں تو بھی علم عطائی کو شرک ثابت نہیں کر سکتے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

محمد نعیم الدین غفرلہ

نوٹ: مسئلہ علم غیب کی مزید تحقیق و تنقیح اور بے مثل و بے عدیل توضیح و تشریح کا شوق ہو تو حضرت صدر الافاضل مولانا مولوی حکیم حافظ محمد نعیم الدین صاحب قدس سرہٗ کی تصنیف منیف "الکلمۃ العلیاء لا علاء علم المصطفیٰ" ملاحظہ فرمایئے جس میں وہابیہ کے ہر ہر اعتراض کا مفصل و مدلل جواب ہے اور جس شخص کی اس کتاب پر نظر ہو۔ وہابی اس سے اس مسئلہ میں گفتگو نہیں کر سکتا۔ کتاب مذکور آپ اپنے ادارہ علویہ رضویہ سے طلب فرما کر پڑھیں اور حضرت مصنف کی علمی بصیرت کی داد دیں۔

﴿قرآن عظیم میں قسمیں یاد فرمانے میں حکمت﴾
اور مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے متعلق فتویٰ

سوال ۱: قرآن مجید میں جو مولیٰ تعالیٰ نے دن اور رات سورج و قمر، زیتون و انجیر اور طور سینا وغیرہ کی قسمیں الحائی ہیں۔ اس کی کیا ضرورت تھی اور اس میں کیا راز ہے؟

۲:- ﴿وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ کے بارے میں تو جملہ مفسرین کا اجماع عند الذبح کی قید پر ہے۔ لیکن درمختار میں مذہب متقدمین الامیر کی حرمت کا فتویٰ دیا گیا ہے گو اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ بحوالہ کتب فقہ مفصل تشریح فرمادیں۔ امید ہے کہ آپ تھوڑا سا قیمتی وقت صرف فرما کر مختصر طور پر مگر جامع و مانع بحوالہ کتب جواب تحریر فرمادیں گے۔ آپ کی عنایت ہوگی۔ میں معترض نہیں بلکہ لیطمئن قلبی کا خواہاں ہوں۔

غلام رسول

الجواب بعون الكريم الوهاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

۱:- اللہ تعالیٰ جل جلالہ و عم نوالہ ضرورت سے پاک ہے اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں وہ سب سے بے نیاز ہے۔ ضرورت دلیل نقصان وعلامت امکان ہے۔ "تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیرا واللہ غنی عن العالمین" بلکہ اس کے ہر کام میں حکمت ہے خواہ بندوں کی فہم اس حکمت تک رسائی کرے یا نہ کرے۔ قرآن کریم میں قسمیں یاد فرمائی گئیں اس میں بہت حکمتیں ہیں۔ اول تو یہ قرآن پاک محاورۂ عرب میں نازل ہوا اور اثبات مطالب میں حلف ویمین عرب کا طریقہ مالوفہ ہے تو کلام کا ان کے اسلوب پر ہونا مناسب۔

امام فخر الدین رازی قدس سرہ نے فرمایا:

"والقران انزل بلغة العرب و اثبات المطالب بالحلف و اليمين طريقة مالوفة عند العرب"

دوم اصول ہدایت وارشاد کا اقتضاء ہے کہ رہنمائی کے تمام مدارج، مراتب پورے کر دیے جائیں اور قوم کے لئے جائے عذر نہ چھوڑی جائے پھر بھی وہ انکار ہی کرتی رہے تو اس کی بدنصیبی:

جہاں کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ برہان کی اقامت اور دلائل کے وضوح کے بعد وہ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم علم میں آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے، مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم نے ہمیں علمی قوت سے دبایا۔ مدعی پر اطمینان نہیں ہوا۔ ایسی حالت میں اور مزید دلائل قائم کرنا بیکار ہوتا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ ان کے اطمینان اور قطع عذر کے لئے کلام مؤکد بقسم کیا جائے تاکہ انہیں عذر کرنے کا موقع نہ رہے کہ دلائل تک تو ہمیں رسائی نہ تھی۔ قسم یاد کی جاتی تو ہماری تسلی ہو جاتی۔ اس لئے قرآن کریم میں اقامت دلائل اور براہین کے ساتھ مطالب پر اطمینان دلانے اور عذر دفع فرمانے کے لئے قسم یاد فرمائی جاتی ہے۔

سوم عرب جھوٹی قسموں سے بہت ڈرتے اور پرہیز کرتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ جھوٹی قسم کھانے والا ضرور برباد ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں قسمیں ذکر فرمائیں اور دین اسلام برابر ترقی میں رہا۔ یہ عرب کے لئے ایک دلیل تھی کہ یہ مضمون صحیح ہے ورنہ تمہارے اعتقاد کے بموجب قسموں سے مؤکد کرنے کے بعد اس کا رواج روز بروز کیسے بڑھتا رہتا۔

چہارم قرآن کریم میں جس قدر قسمیں مذکور ہیں ان میں غور کیجئے تو وہ سب کی سب مدعا کی زبردست دلائل ہیں۔ ہر آیہ قسم کا ہے اور مضمون برہان قوی" و الحمد لله العليم الحكيم" اس کے علاوہ اور بہت وجوہ حکمت ہیں استعمال میں اسی قدر پر اکتفا کیا گیا۔

مسئلہ: مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ اور عبارت درمختار کا مطلب:

س۔ قرآن کریم میں ذبح کے متعلق دو حکم ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس پر خدا کا نام لیا گیا ہو ورنہ ذبیحہ حرام؛ قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ﴾

دوسرا یہ کہ غیر کا نام لیا گیا ہو جیسا کہ:

﴿مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ﴾ سے ظاہر ہے۔ یہ دونوں حکم وقت ذبح کے ہیں یعنی ذبح یا اس کا قائم مقام مثل ارسال در ذبح غیر اختیاری جب ہی جائز ہو سکتے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔ یہ بات بحث طلب نہیں ہے کہ تسمیہ عند الذبح یا عند الارسال معتبر ہے۔ آیت صاف طور پر اس مدعا کو ثابت کر رہی ہے اور تمام امت کا اس پر اتفاق ہے۔ اسی درمختار میں:

"وتشترط التسمیۃ من الذابح حال الذبح او الرمی لصید او لو رسال" اور ظاہر ہے کہ تسمیہ قبل یا بعد مفید حلت نہیں۔

درمختاری میں ہے:

"ولو سمی الذابح ثم اشتغل باکل او الشرب ثم ذبح ان طال وقطع الفور حرام والا لا" اب خوب ظاہر و روشن ہو گیا کہ تسمیہ عند الذبح معتبر ہے۔

درمختاری میں ہے "والمعتبر الذبح عقیب التسمیۃ قبل تبدیل المجلس" اتنا پیش نظر رکھ کر ہر عاقل اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ذبح بنام خدا ہونا ضروری ہے۔ تو جہاں ذبح اختیاری ہو وہاں عین وقتِ ذبح تسمیہ ضروری ہے اور جہاں غیر اختیاری ہو وہاں جو اس کا قائم مقام ہو۔ مثل ارسال درمی وغیرہ اس پر ضروری اور ایک گھنٹہ قبل تسمیہ و تکبیر کا وظیفہ پڑھتا رہا تھا مکروہ ذبح خدا کا نام نہ لیا تو یہ ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ ذبح میں تسمیہ یعنی بنام خدا ذبح کرنا اس وقت پورا ہوتا ہے جب کہ اس کے نام پاک کے ساتھ اور کسی کا نام شامل نہ کیا ہو ورنہ ذبح خاص اس کے نام پر نہ ہوا۔ مسئلہ کے اس پہلو کو آیت کریمہ میں ﴿وما اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ﴾ کی عبارت سے بیان فرمایا تو مسئلہ نظر رکھنے والا ان دونوں آیتوں کو ملحوظ کرنے کے بعد اس یقین پر پہنچتا ہے کہ جس طرح تسمیہ عند الذبح ضروری ہے اسی طرح غیر کے نام سے مجرد ہونا بھی عند الذبح لازم ہے۔ اسی سے عامہ مفسرین عند الذبح کی قید لگاتے ہیں اور یہ بالکل حق ہے فقہاء کے کلام میں اس کی مخالفت کہیں نہیں پائی جاتی۔ اب یہ بات ناقابل لحاظ ہے کہ ذکر الٰہی کے ساتھ ذکر غیر کی کئی صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ غیر کا نام خدا کے نام کے ساتھ صورۃً و معنیً دونوں طرح موصول ہو نہ صورتاً دوسری یہ کہ فقط صورۃً موصول ہو نہ معنیً تیسری یہ کہ معنیً موصول نہ ہو۔ اس میں سب سے اخف شکل وصل صوری کی ہے کہ اس میں حقیقتاً وصل نہیں پھر بھی اس میں فقہاء نے بہت کلام فرمایا ہے۔ باقی دونوں صورتوں میں وصل ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ایک میں صریح ہے۔ دوسرے میں غیر صریح مگر ذکر الٰہی کی تجرید کما ینبغی دونوں

ثم حاصل نہیں۔ تو یہ دونوں صورتیں ﴿مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ میں داخل ہیں۔ درمختار میں ہے:

"وان عطف حرمت نحو باسم الله واسم فلان او فلان لانه اهل به لغير الله"

ردالمحتار میں ہے:

"لان الاهلال لله تعالیٰ لا یکون الا بذکر اسمه مجردًا لا شریک له"

اب معلوم ہو گیا کہ اہلال اللہ یہ ہے کہ وقتِ ذبح صرف اللہ کا نام لیا جائے اور ذکرِ الٰہی مجرد رہے اور جہاں یہ بات نہ ہو بلکہ ذکرِ غیر بھی ملایا گیا ہو تو وہ اہلال لغیر اللہ ہے۔ خواہ صورۃً و معناً دونوں طریقہ سے ہو۔ جیسا کہ درمختار کی عبارت سے بھی ظاہر ہوا۔ خواہ فقط معنیً ہو صورۃً نہ ہو۔ اس کی مثال درمختار کا مسئلہ ذبح لقدوم الامیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس حالت میں نہ گوشت کا خود کھانا منظور ہو نہ امیر نہ اس کے خدام کو کھلانا۔ نہ اس مذبوح سے کسی اور طرح کا انتفاع، بلکہ ارادۃً وہ مقصد امیر کی طرف تقرب ہو تو گو صورۃً ذکرِ امیر نہیں مگر معنیً ذکرِ امیر موجود ہے خواہ زبان سے عمر بھر کبھی امیر کا نام نہ لیا ہو تو اب وقتِ ذبح "بسم الله الله اکبر" کے ساتھ امیر کا نام حکماً مذکور ہے گو صراحۃً نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

"لکن لما کان فی ذٰلک تعظیم له لم تکن التسمیة مجردة لله تعالیٰ حکماً کما لو قال بسم الله واسم فلان"

تو اب وقتِ ذبح غیر کے اس ذکر حکمی کو منع فرمانے کے معنی یہ کس طرح ہو گئے کہ:

اهلال لغیر الله مطلقاً رفع الصوت باسم غیره ہے اور اس میں وقتِ ذبح کا کوئی اعتبار نہیں۔ عجب لغویت ہے انا نہیں سمجھتے کہ یہ سب وقتِ ذبح ہی کے تو احکام ہیں۔ ردالمحتار میں اس کی شرح میں فرمایا:

"اعلم ان المدار علی القصد عند ابتداء الذبح"

اور جو اہلال لغیر اللہ کے معنی رفع الصوت لغیرہ لیتے ہیں ان کے نزدیک تو ذبح لقدوم الامیر محض قصد سے حرام ہونا ہی نہ چاہئے کہ اس میں رفع صوت باسم الامیر کا نام و نشان بھی نہیں۔ رفع صوت باسم اللہ ہے وہ کس منہ سے اس کو حرام کہیں گے۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح تارک التسمیہ ناسیاً کو ذاکر حکماً قرار دیا گیا ہے اسی طرح قاصد تقرب امیر، ذاکر اسم امیر عند الذبح قرار دیا گیا اور ﴿مَا اهل به لغير الله﴾ کا محل وہی ذکرِ غیر عند الذبح رہا۔ تفاسیر سے اس میں اصلاً مخالفت نہیں نہ مسئلہ ذبح لاولیاء سے قطعاً کوئی مناسبت کہ وہاں مقصود ایصالِ ثواب ہے نہ تقرب "کما هو الظاهر" اب ثابت ہو گیا کہ عبارت درمختار تفاسیر کے بالکل مطابق ہے اور مخالفین کے مدعائے باطل کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا:

"والله سبحانه تعالیٰ اعلم و علمه عز اسمه اتقن واحکم"

کتبہ

العبد المعتصم بحبله المتین محمد نعیم الدین عفا عنه المعین

سنیوں کی مساجد میں غیر مقلد وہابی وغیرہ نماز پڑھنے کے متعلق فتویٰ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں:

۱:- مسجد اہل سنت وجماعت میں حنفی امام کے پیچھے وہابی نماز پڑھتے ہیں اور آمین بالجہر کہتے ہیں۔ ان کو منع کرنے سے زیادہ فساد ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا خانہ ہے آپ کو کوئی حق روکنے کا نہیں ہے۔ ہم لوگ آمین بالجہر ضرور کہیں گے۔ ایسی حالت میں ان کو آمین کہنے سے ان کو روکا جاوے اور نہ ماننے پر مسجد میں آنے سے منع کیا جاوے تو کیا خلاف مسئلہ ہوگا؟

۲:- اگر وہابی لوگ مسجد مذکور میں بعد ممانعت کے حنفی امام کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور اپنی جماعت علیحدہ قائم کر کے آمین بالجہر بالاعلان کہہ رہے ہوں تو ایسی حالت میں کیا کرنا ہوگا؟ کیونکہ ہر وقت ایسے واقعات سے بلوہ کا اندیشہ ہے اور وہ لوگ آمادہ فساد ہیں۔ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب"

الجواب بعون الکریم الوھاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم ☆ نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم ☆

اہل سنت کی مسجد اہل سنت کے لئے ہے۔ کوئی رافضی، خارجی، وہابی بدمذہب اس میں دخیل نہیں ہوسکتا۔ واقف کا وقف خواہ مسجد ہو یا مدرسہ اس میں بدمذہب کو دخل نہیں پہنچتا، ردالمحتار میں ہے:

"کمدرسۃ موقوفۃ علی الحنفیۃ مثلاً لا یملک احداً ان یجعلھا لاھل مذھب آخر"

مذہب حق مذہب اہل سنت ہے باقی سب فرقے گمراہ اور ناری ہیں۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ یہی طریق مسلمین ہے اس پر قائم رہنے کا شرع مطہر نے حکم فرمایا اس کے چھوڑنے والے کے حق میں وعیدیں وارد ہوئیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا

﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

اور جو مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بُری جگہ ہے پلٹنے کی۔ اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے طریقہ کا اتباع لازم اور اس کی مخالفت حرام ہے۔ تفسیر مدارک میں ہے:

"ای السبیل الذی ھم علیہ من المذھب الحنفی وھو دلیل علی ان الاجماع حجۃ لا تجوز مخالفتھا کما لا تجوز مخالفۃ الکتاب والسنۃ لان اللہ تعالیٰ جمع بین اتباع غیر سبیل

المؤمنين و بين مشاقة الرسول فى الشرط وجعل جزاءه الوعيد الشديد فكان اتباعهم واجباً كمولاة الرسول "

تفسیر خازن میں ہے:

" وذلک لان اتباع غير سبيل المؤمنين وهو مفارقة الجماعة حرام فوجب ان يكون اتباع سبيل المؤمنين جماعتهم واجباً "

تفسیر احمدی میں ہے:

" ويتبع غير سبيل المؤمنين من عمل او اعتقاد "

اور اسی میں ہے: " هذه الآية هى التى تدل علىٰ ان الاجماع كالكتاب السنة " اسی میں ہے "الاية تدل علىٰ حرمة مخالفة الاجماع "

نیز اسی میں میں ہے:

"واذا كان اتباع غير سبيلهم محرماً كان اتباع سبيلهم ممن عرف سبيلهم اتباع غير سبيلهم محرماً كان اتباع سبيلهم ممن عرف سبيلهم اتباع غير سبيلهم هذا لفظه فعلم ان اتباع سبيل المؤمنين اى ما عليه المؤمنين باجمعهم واجب وذلک سمى بالاجماع فيكون حجة قطعية بكفر جاحده كالكتاب والسنة المتواترة "

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ اعمال وعقائد میں طریق مسلمین کا اتباع واجب مخالفت ناجائز مستوجب وعید شدید اور جماعت مسلمین سے مفارقت حرام اور جس امر پر مسلمان متفق ہوں وہ واجب اسی کو اجماع کہتے ہیں وہ حجت قطعیہ ہے کہ اس کا منکر کتاب وسنت کے منکر کی طرح بے دین ہے۔ یہ مضمون بکثرت نصوص سے ثابت ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

" اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فى النار "

یعنی بڑی جماعت کا اتباع کرو کیونکہ جو اس سے جدا ہوا جہنم میں ڈالا جائے گا۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہوا:

" ان الله لا يجمع امتى عن ضلالة ويد الله على الجماعة "

یعنی اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ فرمائے گا۔ جماعت پر خدا کا ہاتھ ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس امر پر امت متفق ہو وہ باطل نہیں ہو سکتا کہ اس امت مرحومہ کا خدا نگہبان ہے:

" والله خير حافظا "

ان ادلہ شرعیہ سے ثابت ہے کہ صراط مستقیم مسلمانوں کی راہ ہے جس پر وہ عامل ہوں اور جو اس راہ سے جدا ہو جنتی گمراہ بے دین ہے اور ظاہر ہے کہ تمام مسلمان تقلید شخصی کرتے ہیں اور صدہا سال اس پر عمل کرتے گذر گئے تو اس پر مسلمانوں

کا اجماع ہوا اور اس کا ماننا بحکم خدا و رسول واجب و لازم۔

تفسیر احمدی میں ہے:

"قد وقع الاجماع علی ان الاتباع انما یجوز لاربع"

یعنی اس پر اجماع ہو چکا کہ فقط ائمہ اربعہ ہی کا پیروی اتباع جائز ہے۔ نیز اسی میں ہے:

"وینبغی ان یکون التقلید منحصر المذھب معین خاصۃ"

یعنی ضروری ہے کہ تقلید بالخصوص مذہب معین میں منحصر ہو اور اسی میں ہے:

"ولھذا قالوا بضلالۃ فوق الاھواء من المعتزلۃ والروافض والخوارج وغیرھم ویتعین الحق فی مذھب اھل السنۃ والجماعۃ"

یعنی اسی سے اہل ہوا فرقوں کی ضلالت کے قائل ہیں خواہ وہ معتزلہ ہوں یا روافض یا خوارج ان کے سوا اور کوئی۔

اشباہ میں ہے:

"وما خالف الائمۃ الاربعۃ مخالف الاجماع قد صرح فی التحریر ان الاجماع انعقد علی عدم العمل بمذھب المخالف لاربعۃ لانضباط مذاھبھم وکثرۃ اتباعھم"

یعنی جو قول یا حکم ائمہ اربعہ کے مخالف ہو وہ اجماع کے مخالف ہے امام ابن ہمام نے تحریر میں تصریح فرمائی کہ ائمہ اربعہ کے مخالف مذہب پر عمل ناجائز ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا کیونکہ ان کے مذاہب منضبط ہیں اور سواد اعظم ان کا اتباع کرتی ہے۔

اب الحمد اللہ تعالیٰ خوب پایہ ثبوت کو پہنچا کہ حق مذہب اہل سنت و جماعت ہے اور وہ ائمہ اربعہ کے مقلدین میں منحصر اور تقلید شخصی پر اجماع منعقد لامحالہ اس کا منکر اجماع کا منکر گمراہ بے دین بندہ ہوا ہے۔ ان کو مسجد میں آنے دینا تو کیا جائز ہو سکتا ہے غیر مسجد میں بھی ان کے ساتھ مصاحبت و ہمنشینی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾

تفسیر احمدی میں اسی آیہ مبارکہ کے تحت میں فرمایا:

﴿ ان القوم الظلمین ھم المبتدع والفاسق والکافر والقعود مع کلھم ممتنع ﴾

یعنی قوم ظالمین میں اہل بدعت اور فاسق و کافر سب داخل ہیں۔ ان سب کے ساتھ قعود ممنوع ہے اور بکثرت احادیث ان فرق باطلہ کے ساتھ مجالست و مخالطت کے ممنوع ہونے میں وارد ہوئی ہیں اور مسلمانوں کو ان سے علیحدہ رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے حدیث شریف میں ہے:

"ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم"

اپنے آپ کو ان سے بچاؤ اور انہیں اپنے سے دور رکھو کہ تمہیں گمراہ نہ کریں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں جب ان گمراہ لوگوں سے بچانا اور انہیں اپنے سے دور کرنا لازم ہے تو اہل سنت کے لئے اپنی مساجد میں انہیں آنے دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ علاوہ بریں مساجد کی حرمت یہ ہے کہ فتنہ سے ان کو بچایا جائے اور ان لوگوں کا مسجد میں آنا یقیناً باعث فتنہ ہے جہاں یہ مسجد میں آئے فتنہ انگیزی شروع کی۔ سینکڑوں جگہ مار پیٹ ہوئی ہے مقدمہ بازی تک نوبتیں پہنچی ہیں۔

حموی شرح اشباہ میں ہے:

"ومنھا ما یترتب علیٰ ذلک فی کثیر من المساجد من اجتماع الصبیان واھل البطالۃ ولعبھم ورفع اصواتھم وامتھانھم بالمساجد وانتھاک حرمتھا وحصول وساخ فیھا وغیر ذلک من مفاصد التی یجب صیانۃ المسجد عنھا"

تو اہل اہواجن کے آنے سے فساد کا قوی اندیشہ ہے انہیں مسجد میں آنے کی اجازت دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ خلاصہ یہ کہ اہل سنت کی مسجد میں وہابی وغیر مقلد کو کوئی حق نہیں اس کے آنے سے فساد ہے اور فساد سے مسجد کو بچانا واجب، نیز اس کی صحبت مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔ علاوہ ان سب کے اس کا آنا اور غیر مقلدانہ حرکات مسلمانوں کے لئے ایذاء ہے اور جس سے ایذاء ہو اس کو مسجد سے روکنے کا مسلمانوں کو حق ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

"والحق بالحدیث کل من اذی الناس بنفسہ ولسانہ وبہ یفتیٰ ابن عمر وھو اصل فی نفی کل ما ینادی بہ"

لہٰذا مسلمان غیر مقلدین کو اپنی مسجد میں نہ آنے دیں وہ نہ مانیں تو قانونی طور پر انہیں رکوا دیں:

"واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتقن واحکم"

کتبـــــــ

قادیانی و بہائی کے ساتھ سنیہ کے نکاح کا حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص پہلے قادیانی تھا۔ اب قادیانی ہونے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں بہائی ہوں یعنی بہاء اللہ کا معتقد اور اس کے مذہب پر ہوں۔ بہاء اللہ وہ شخص ہے جس کی نسبت اخبارہ وغیرہ میں لکھا ہے اور بہت مشہور ہے کہ وہ مدعی نبوت تھا۔ جبکہ زمانہ عنقریب گزرا ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسلمہ سنیہ حنفیہ سیدانی لڑکی کا نکاح شخص مذکور سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا ☆

الجواب:- بسم اللہ الرحمن الرحیم ☆ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ☆

قادیانی مرزا کی نبوت کا قائل، ختم نبوت کے معنی متواتر کا منکر ہے اور وہ اس وجہ سے کافر ہے۔ اب اگر بہائی ہو گیا تو اس وجہ سے اس کا کفر اٹھ نہ گیا جب تک کہ وہ اپنے کفر سے توبہ نہ کرے اور ختم نبوت کے معنی متواتر کو تسلیم نہ کرے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے بعد کسی نبی جدید کے آنے کے خیال سے تائب نہ ہو اور تمام کفریات سے بیزاری کر کے از سر نو اسلام نہ لائے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ بہائی ہو جانا اس کفر سے پاک نہیں کر دیتا، بلکہ اب بھی وہ گندے کفر میں مبتلا ہے مرزا نے جس قسم کا دین ایجاد کیا اور ضلالت کی جو راہیں اختیار کیں وہ سب اسکی طبع زاد نہیں اس نے اپنے زمانہ سے قبل کے بے دینوں دجالوں سے بہت کچھ اخذ کیا اور ان سب کا پس خوردہ جمع کر کے ایک دوکان لگائی۔ انہی میں سے بہائی فرقہ بھی ہے تو قادیانی سے بہائی ہو جانا ایک ہی سلسلہ کے کفریات میں گشت لگانا ہے۔ اب سب کی مکاری ختم نبوت کے معنی متواتر کے انکار کو اپنا اصول بنانے سے چلتی ہے۔ ۱۸۴۵ھ میں جونپور میں ایک شخص ہوا جس کا نام میراں سید محمد تھا۔ اس کے باپ کا نام سید خاں، ماں کا نام بی بی آقا ملک، ماں باپ کے نام بدل کر حضور پر نور ﷺ کے ابوین کریمین کے نام رکھے، ماں کا نام آمنہ اور باپ کا نام عبداللہ رکھا اور یہ شخص "مہدی" موعود بنا۔ اس سے بھی کام نہ چلا ماں باپ کے نام جاننے والوں نے اعتراض کیا تو اس نابکار نے حضور اقدس اروا حنا فداہ ﷺ کے والد ماجد کا نام عبداللہ ہونے سے انکار کر دیا اور یہ مکر گڑھا کہ حضور کا اسم گرامی محمد عبداللہ ہے ابن کا لفظ راویوں کی غلطی سے زیادہ ہو گیا۔

"ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"

اس شخص کے معتقدین اس کی مہدیت کی تصدیق کو فرض اور اس کا انکار کفر جانتے تھے لہذا وہ بھی اسی راستہ پر چلا ہے۔ جس طرح مرزا کے گھر والوں کو اس کے معتقدین "اہل بیت" اور اس کی بی بی کو "ام المومنین" کہہ کر ایوان رسالت

کی نقل اتارتے ہیں۔ اسی طرح میرزا سید محمد کے یہاں خلفاء راشدین پانچ اور صدیق دو اور بشر بالجنہ بارہ اور چوبیس فرقے ہو گئے اور فاطمہ اور حسین ولایت سب بنا لئے گئے تھے۔ یہ لوگ اپنے گرو میرزا سید محمد کو خلفاء راشدین اور تمام انبیاء و مرسلین سے افضل اور حضور اقدس ﷺ سے مرتبہ میں ہمسر و برابر ٹھہراتے تھے اور اس کو مفترض الطاعۃ سمجھتے تھے۔ شریعت طاہرہ کے احکام کا ناسخ اور صاحب شریعت جدید مانتے تھے اس پر وحی آنے کے معتقد تھے۔ چنانچہ اس کے رسالہ "ام الکتاب" میں اس کی وحی یوم لکھی ہے:

"قال الامام المهدی ﷺ علمت من الله بلا واسطة جديد اليوم قل انی عبدالله تابع محمد رسول الله محمد لهدی الزمان وارث نبی الرحمن عالم علم الكتاب والايمان مبين الحقيقة والشريعة والرضوان"

اس وحی شیطانی کی زبان اور مضمون بھی قابل دید ہے۔ یہ شخص بلا واسطہ اللہ سے لفظ علوم کا مدعی تھا ہندی میں بھی وحی کا دعویٰ کرتا تھا اور نئے نئے احکام کا نزول بتاتا تھا۔ زکوٰۃ میں بہت سی قطع و برید یں لگائی تھیں اس کے عقائد فاسدہ اور مکائد ہوشربا کہاں تک بیان کئے جائیں۔ علماء عرب و عجم اور فضلاء مکہ مکرمہ نے ان لوگوں کے کفر و قتل کے فتوے دیے اور شاہان اسلام نے انہیں سزائیں دیں اور ہلاک کر دیا۔ پھر اس قسم کا کفر ایران سے پیدا ہوا۔

۱۸۱۹ء میں شیراز میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام مرزا علی محمد تھا۔ اسی کو "باب" کہتے ہیں اور اس کے معتقدین اس پر ایمان لانے والے "بابی" کہلاتے ہیں۔ یہ شخص بھی مہدی ہونے کا مدعی تھا۔ اپنے آپ کو مثیل حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اور ایک اور شخص کو جس کا لقب اس نے "من يظهره الله جل ذكره" رکھا تھا مثیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہتا تھا چنانچہ کتاب بہاء اللہ کی تعلیمات کے صفحہ ۷ میں اس مرزا علی محمد کا یہ قول مذکور ہے کہ میں یحییٰ ہوں "من يظهر الله جل ذكره" مثل حضرت عیسیٰ کے ہیں اس مرزا علی محمد باب نے پیغمبری کا بھی دعویٰ کیا۔ بہاء اللہ کی تعلیمات صفحہ ۱۰ میں ہے "سید مرزا علی محمد باب نے بھی پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے۔" اس نے اپنی علیحدہ شریعت بنائی تھی کتاب بہاء اللہ کی تعلیمات صفحہ ۱۴ میں اس کا یہ قول موجود ہے۔ میں نے جو شریعت لکھی ہے اس پر عمل کرنے کا حکم اسی وقت تم کو ملے گا جب کہ من يظهره الله ظاہر ہوگا اور اس شریعت میں سے وہ جس بات کو پسند کرے گا اس پر عمل کرنے کا حکم دے گا اور جس کو وہ پسند کرے گا اس کو تم مت کرنا۔

طہران میں سب سے پہلے مرزا حسین علی اس پر ایمان لا۔ مرزا علی محمد نے اس کو بہاء اللہ کا لقب دیا اس مرزا حسین علی نے بہاء اللہ نے دعویٰ کیا کہ وہ من يظهره الله ہے جس کی علی محمد باب نے بشارت دی ہے۔ کتاب بہاء اللہ کی تعلیمات صفحہ ۹ میں ہے "ایڈورڈ براؤن پل میں بہاء اللہ نے کہا کہ جس شخص کی بشارت مجھ کو حضرت باب نے دی ہے اور جس کی راہ میں انہوں نے جان فدا کی وہ میں ہی ہوں من يظهره الله میرا لقب ہے۔ اس بہاء اللہ پر ایمان لانے والے "بہائی" کہلاتے

ہیں۔ کتاب مذکور کے صفحہ ۲۰ میں ہے جنہوں نے حضرت بہاء اللہ کا دعویٰ قبول کیا ان کا نام "بہائی" ہو گیا۔ بہاء اللہ خدا کی طرف سے بے واسطہ علم ملنے اور معبوث من اللہ ہونے کا مدعی تھا۔ بہاء اللہ کی تعلیمات صفحہ ۲۵ میں ہے: یکا یک خدا کی نسیم لطف مجھ پر گذری اور جو کچھ ابتداء آفرینش سے اب تک ظہور میں آیا اس کا علم اس نے مجھے دیا۔" صفحہ ۲۶ میں لکھا ہے "اسی نے مجھ کو حکم دیا کہ میں اس کے نام کی منادی کروں" صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے: "ہم خدا اور اس کے حکم پر جو ہم پر اور ہم سے پہلے نازل ہوا ہے ایمان لاتے ہیں۔" اس بہاء اللہ نے اپنی نبوت کا سکہ جمانے کے لئے ختم نبوت کا انکار کیا۔ چنانچہ صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے: "پیغمبروں کا ظاہر ہونا محال اور غیر ممکن نہیں جانتے اور اگر کوئی شخص اس بات کو محال جانے تو پھر اس میں اور ان لوگوں میں کیا فرق ہے جنہوں نے خدا کے ہاتھوں کو باندھا ہوا سمجھا (وہ کون؟ جمہور اہل اسلام اور مخصوص اہل سنت) اگر یہ لوگ خدائے تعالیٰ کو مختار جانتے ہیں تو انہیں لازم ہے کہ اس شہنشاہ ازلی کے ہر حکم کو قبول کریں جو اس کے رسول کی معرفت صادر ہوں۔" صفحہ ۳۵ میں لکھا ہے: الطاف باری کی ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا نے جگا کر مجھے یہ حکم دیا کہ میں زمین و آسمان کے درمیان اس کے نام کی منادی کروں۔ یہ بات میں نے خود نہیں کی بلکہ خدا ہی کی طرف سے کی اس کی ہدایت ہوئی تھی۔ صفحہ ۳۱ پر یہ قول لکھا ہے: میرا علم خدا کا عطا کردہ ہے کسی انسان سے حاصل نہیں کیا ہے۔ اس بہاء اللہ نے شرع کے احکام کو بھی درہم و برہم کر دیا ہے اور نئے حکم اپنے دل سے تراشے ہیں چنانچہ اسی کتاب "بہائی اللہ کی تعلیمات" کے آخر حصہ کے صفحہ ۱۷ میں لکھا ہے: خدا تم کو نکاح کا حکم دیتا ہے مگر خبردار دو سے زائد نہ کرنا۔ تیسری طلاق کے بعد کی حرمت اور بغیر حلالہ عدم حلت کے حکم کی تبدیلی صفحہ ۱۸ اسی کتاب میں ہے: "خدا نے منع کر دیا کہ جو تم تیسری طلاق کے بعد کیا کرتے تھے" کانا باجاسب حلال کر دیا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۴ میں ہے: "ہم نے حلال کیا تمہارے اوپر گانے اور بجانے کا سننا" اس گروہ کا دستور تقیہ کرنا بھی ہے اسی کتاب کے صفحہ ۲۷ میں اس کا اقرار ہے:

اتنے بیان سے ظاہر ہو گیا کہ مرزا غلام احمد اور بہاء اللہ ختم نبوت کے معنی متواتر کے انکار میں شریک ہیں دعوۂ مہدیت میں شریک ہیں مثیل مسیح ہونے کے دعوے میں شریک ہیں۔ رسالت اور وحی کے دعوے میں شریک ہیں۔ تبدیل احکام شرع میں شریک ہیں۔ دونوں کے کفر ہوئے۔ اب بہاء اللہ خود بھی رسول بنتا ہے اور اپنے اوپر وحی آنے، بے واسطہ اللہ سے علم پانے کا مدعی ہے اور مرزا علی محمد کو بھی پیغمبر مانتا ہے۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بھی کرتا ہے کتنے کفروں میں مبتلا اور اپنے معتقدین کو مبتلا کرنے والا ہے یقیناً اس کی تصدیق کرنے والے کافر مرتد خارج از اسلام ہیں۔ شفاء شریف میں ہے:

" وکذلک قال من نبیا وزعم انه یوحی الیه قاله سحنون وقال ابن القاسم دعیٰ الی ذلک سوا وجهوا قال اصبغ وهو کالمرتد لانه کفر بکتاب الله مع القربة علی الله وقال اشهب فی یهودی نبیا اوزعم انه یوحی ارسل الی الناس اوقال ان بعد نبیکم نبی انه یستتاب ان کان

معلما بذلک فان تاب والاقتل وذلک لانه مکذب النبی ﷺ فی قوله لا نبی بعدی مفتر علی الله فی دعواه علیه الرسالة والنبوة "

علامہ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

"وقد یکون فی هؤلاء من یستحق القتل کمن یدعی النبوة بمثل هذه الحر عبلات او بطلت بغیر شیئ من الشریعة و نحو ذلک "

اب ثابت ہو گیا کہ وہ شخص قادیانی تھا جب بھی کافر تھا اور بہائی ہوا اب بھی کافر ہے۔ اس کے ساتھ مسلمہ کا نکاح نہیں ہو سکتا ہمیشہ حرام ہوگا۔

والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ عزاسمہ اتفن واحکم

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

فتویٰ ایصالِ ثواب، حکم زوجہ مفقود، خطبہ میں اردو خلافِ سنت

استفتاء

۱- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ذیل کے مسائل میں کہ میت کے ثواب کے لئے جب قرآن خوانی ہوتی ہے تو اس وقت جو لوگ قرآن پڑھنا نہیں جانتے ہیں وہاں کلمہ طیبہ یا سورۂ اخلاص وہ لوگ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

۲- زوجہ مفقود الخبر کے نکاح ثانی کرنے کے بارے میں خلاصۃ المسائل میں جو مسئلہ خبر میں ہے کہ زوجہ مفقود الخبر کی بعد انتظاری چار سال چار ماہ کے نکاح ثانی کر سکتی ہے جس کے صحیح ہونے میں تقریباً تیس مولویوں کے دستخط درج ہیں تو ہمارے حنفی المذہب کے علماء کی کیا رائے ہے؟ حنفی مذہب کے سب علماء اس مسئلہ میں متفق ہیں یا مختلف اور یہ مسئلہ کس مذہب کا ہے۔ حنفی اس مسئلہ پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مفصل تحریر فرمایئے بینوا توجروا!

۳- خطبہ وجمعہ کے درمیان یعنی خطبہ اول وثانی کے درمیان میں کچھ وعظ، کہنا یا جو اردو نظم یا نثر میں درج ہے سب خطبوں میں اس کا پڑھنا کیسا ہے یہاں پر لوگ عربی بالکل نہیں سمجھتے ہیں تو اگر خطبہ میں کچھ اردو نہیں پڑھی جائے گی تو لوگ کیا سمجھیں گے لوگوں کی ہدایت کے لئے کچھ اردو میں نصیحتیں درمیان خطبہ کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیسا ہے؟ مفصل طور سے تحریر فرمایئے گا۔ جائز ہے یا مکروہ، اگر مکروہ ہے تو کون مکروہ ہے تنزیہی یا تحریمی۔ بینوا توجروا۔

فقط سائل اصغر علی از جزیرہ جگو اناس

الجواب ۱:- ثواب میت کے لئے جو قرآن شریف پڑھے ہوئے نہ ہوں وہ جو آیتیں اور سورتیں یاد رکھیں ان کو

پڑھیں۔ جو بالکل بے پڑھے ہوں وہ کلمہ طیبہ پڑھ کر ثواب پہنچائیں کہ ذکر الٰہی عبادت ہے اور نماز روزہ حج قرأت قرآن اذکار صدقہ وغیرہ ہر ایک کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"الاصل فی هذا الباب ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوةً کان او صوماً او صدقةاو غیرها کالحج وقراة القران والاذکار وزیارة قبور الانبیاء علیهم الصلوة والسلام والشهداء والاولیاء والصلحین وتکفین الموتی وجمیع انواع البرکة فی غایة الترجی" شرح الهدایة.

عبادات بدنیہ مالیہ کے ثواب کا میت کو پہنچنا اہل سنت کا متفقہ مسئلہ ہے نصوص کثیرہ اس کی شاہد ہیں۔

۲۔ مفقود الخبر کی زوجہ اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتی جب تک کہ قاضی اس کی موت کا حکم کرے اور وہ موت کی عدت گزارے یعنی شرح کنز میں ہے:

"وتعتد امرأته وورث منه ای من المفقود وحینئذ ای حین حکم بموته لاقبله ای قبل ذلک"

درمختار میں ہے:

"انما یحکم بموته بقضاء لانه امر محتمل فمالم ینضمر الیه القضاء لایکون حجة"

اب رہی یہ بات کہ قاضی کب حکم کرے۔ ظاہر الروایہ میں یہ ہے کہ اس کی موت کا اندازہ اس کے ہم وطن اقران کی موت سے کیا جائے گا۔ جب وہاں اس کے ہم عمر مر چکیں تو قاضی اس کی موت کا حکم کر سکتا ہے۔ علامہ شیخ مصطفیٰ شرح کنز میں فرماتے ہیں:

"وفی ظاهر الروایة بقدر یموت اقرانه من اهل بلدة علی المذهب"

قران کی موت کتنے عرصہ میں ہوتی ہے اس میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ نوے سال کی عمر ہونے تک۔ کنز میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ ہدایہ میں اسی کو اوفق بتایا ہے۔ ذخیرہ میں فرمایا علیہ الفتویٰ۔ ایک قول سو برس کا، ایک ایک سو تیس برس کا ہے۔ متاخرین نے ساٹھ برس اختیار کئے۔ امام ابن ہمام نے ستر برس کو مختار فرمایا۔ یہ تو علماء حنفیہ کا مسلک ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار سال گزرنے پر قاضی ان دونوں میں تفریق کر دے اور عورت کی عدت گذار کر چاہے تو نکاح کرے۔ یعنی شرح کنز میں ہے:

"قال مالک اذا مضی اربع سنین یفوق بینهما وتعتد عدة الوفاة ثم تتزوج ان شاءت"

اگر ضرورت شدیدہ ہو اور تفریق نہ کرنے سے کسی فتنہ کا اندیشہ ہو تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے پر حکم کیا جائے۔ ردالمحتار میں ہے:

"لکن قد صرحوا ان الکلام عند تحقق الضرورة حیث لم یوجد مالکی یحکم به واللہ سبحٰنه اعلم"

۳۔ خطبہ جمعہ میں اردو پڑھنا خلاف سنت ہے اور مکروہ ہے۔ زمانہ صحابہ میں عجمی ممالک فتح ہو گئے تھے کہیں خطبہ غیر عربی

میں کامیابی نہیں۔ نصیحت کے لئے خطبہ کے علاوہ دوسرے وقت وعظ کیا جائے۔

محمد نعیم الدین غفرلہٗ ۱۵ جمادی الآخر ۱۳۴۲ھ

فتویٰ گاؤں میں نمازِ جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال:- جمعہ کی نماز شہر کے علاوہ کس مقام پر ہونی چاہئے؟ واضح رہے کہ وہ مقام جو شہر سے باہر ایک میل کے فاصلہ پر ہے جمعہ ہو سکتا ہے تو کیا کرنا چاہئے کہ جمعہ کی نماز ہو جائے؟ نیز اس گاؤں کے آدمی اتنی فرصت نہیں رکھتے کہ شہر جا کر جمعہ ادا کر سکیں اور علاوہ اس شہر کے یا گاؤں کے آدمیوں کے دوسرے گاؤں کے لوگ آ کر بھی جمعہ پڑھیں تو درست ہوگا یا نہیں

والسلام علیکم!

مرسلہ شیخ رحیم بخش جاوله از قصور پنجاب

الجواب:- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ☆ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ☆

جمعہ کی صحت ادا کے لئے مصر (شہر) شرط ہے اور فناء شہر یعنی شہر کے گرد و پیش کا وہ میدان جو اہل شہر کے ہوائج و مصالح میں کام آتا ہو شہر کے حکم میں ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت کی:

"لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة الفطر ولا اضحى الا في مصر"

جامع الحدیث۔ فقہ کے تمام متون و شروح میں اس کی تصریح ہے تو جو آبادی فناء شہر میں نہیں خواہ وہ شہر سے قریب ہو اس میں جمعہ صحیح نہیں۔ نہ ان لوگوں پر جمعہ واجب۔ بحر الرائق میں ہے:

" فان المذهب عدم صحتها في القرى فضلا عن لزومها وفي التجنيس ولا تجب الجمعة على اهل القرى وان كانو قريبة من المصر لان الجمعة انما تجب على اهل الامصار اھ واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتقن واحکم ☆

العبد المعتصم بحبله المتين

کتبہ

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

☆☆☆☆☆

تثویب

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ بروز جمعہ جو قبل از نماز سنت جمعہ بآواز بلند "الصلوۃ قبل الجمعہ سنۃ رسول اللہ ﷺ" پکارتے ہیں۔ یہ پکارنا ازروئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟

مولوی ثناء اللہ ایڈیٹر اہل حدیث امرتسر اور مولانا مولوی مفتی عزیز الرحمن دیوبندی پیش امام صاحب گذکہ مولوی جلال الدین رائبانی، مولوی عبدالحی رائبانی مدرس، محمد ایوب دہلوی اور مولی احمد علی لاہوری کے فتوے ہیں " الصلوۃ سنت قبل الجمعۃ " کا کہنا بے اصل ہے اور کتاب حنان اسیر جو تصنیف مولوی عبدالحی بنگلوری محدث کی ہے اس میں لکھا ہے مدارج النبوۃ وشرح وقایہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہ اس (تثویب) کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس کا ترک کرنا بہتر ہے۔ کیا اس کتاب حنان اسیر اور اوپر لکھے ہوئے مولویوں کے فتووں پر اعتبار کر کے تثویب " الصلوۃ قبل الجمعۃ سنۃ رسول اللہ (ﷺ)" کا کہنا موقوف (ترک) کر دینا چاہئے؟

اس مسئلہ کا بحوالہ کتب احادیث وفقہ حل فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- بسم اللہ الرحمن الرحیم. نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم.

صورت مذکورہ بالا میں تثویب جائز اور اشخاص مذکورہ سوال کا انکار غلط اور باطل، یقیناً نماز بر وتقوی میں داخل کہ اللہ رب العزۃ عزوعلا تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾

کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو ہاں اصل نیکی یہ ہے کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور نماز قائم رکھے اور زکوۃ دے اور اپنا قول پورا کرنے والے جب وعدہ کریں اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور لڑائی کے وقت۔ یہی ہیں جنہوں نے بات سچی کی اور یہی پرہیزگار ہیں۔ اس آیہ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز ہر تقوی میں داخل اور نماز باوقتی ہے اور مسلمانوں کو نماز کی ترغیب ودعوت دینا اور نماز کا اعلان کرنا بر وتقوی پر معاونت ہے جس کا قرآن کریم میں حکم ہے۔

قال اللہ تعالیٰ ﴿و تعاونوا علی البر والتقوی﴾

کہ برو تقویٰ پر معاونت کرو۔ الحمدللہ کہ تثویب کا جواز خاص قرآن شریف سے ثابت ہوا منکرین متعجلین کو شرمانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ قبول حق کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اب کتب فقہ پر ایک سرسری نظر ڈالئے کنز الدقائق میں ہے:

ویثوب علامہ شیخ مصطفیٰ علیہ الرحمہ شرح کنز میں فرماتے ہیں:

"ویثوب فی جمیع الصلوۃ"

عینی شرح کنز میں ہے۔

"ویثوب من التثویب وھو عود الی الاعلام وانما اطلقہ لنبھا علی استھسنہ المتاخرون من التوثیب فی کل الصلوۃ لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ"

نیز اسی میں ہے:

"وماستحسنہ المتاخرون وھو التثویب فی سائر الصلوۃ لزیادۃ غفلۃ الناس"

منتقی الحقائق میں ہے:

"واستحسن المتاخرون التثویب فی سائر الصلوۃ لزیادۃ غفلۃ الناس والیہ اشار المصنف بقولہ ویثوب بغیر فصل بین الفجر وغیرھا"

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

"ویثوب بعد الاذان فی جمیع الاوقات لظھور التوالی فی الامور الدینیۃ فی الاصح وتثویب کل بلدۃ بحسب ما تعارفہ اھلھا"

طحطاوی وحاشیہ مراقی الفلاح میں ہے:

"استحسنہ المتاخرون وقد روی احمد فی السنن والبزاز وغیرھما باسناد حسن موقوفاً علی ابن مسعود ومارآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن"

بدائع ملک العلماء امام کاشانی رضی اللہ عنہ میں ہے:

"عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال کان التثویب علی عھد رسول اللہ ﷺ خیر من النوم" نیز اسی میں ہے" فصار سائر الصلوۃ فی زماننا مثلا لفجر فی زمانھم فکان زیادۃ الاعلام من باب التعاون علی البر والتقوی فکان مستحسن"

بحرالرائق میں ہے:

"واطلق فی التثویب انه لیس له لفظ یخصه بل تثویب کل بلد علیٰ ما تعارفوه اما بالنضح او بقوله الصلوة الصلوة او قامت قامت لانه للمبالغة فی الاعلام وانما یحصل بما تعارفوه فعلیٰ هذا اذا حدث الناس اعلاماً مخالفا لما ذکر جاز کذا فی المجتبیٰ وافاد انه لایخص صلوة بل هو فی سائر الصلوة وهو اختار المتاخرین لزیادة علقه"

آیات مذکورہ وعبارت منقولہ سے ظاہر وزاہر واضح وباہر کہ نماز کے بعد اذان اعلام جس کو تثویب کہتے ہیں جمعہ وغیرہ تمام نمازوں میں جائز اور متاخرین کے نزدیک مستحسن اور منکرین کا انکار اور اصرار بالکل غلط اور بیکار۔

واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتقن و احکم۔

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے کا حکم:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے مدینہ طیبہ کو یثرب نہ کہنا چاہئے کیونکہ وہ مشتق ہے ثرب سے جس کے معنی فساد کے ہیں یا یہ وجہ ہے کہ یہ نام ایک کافر کا تھا، اس سے ایسی زمین پاک کو نسبت کرنا سخت مذموم ہے نیز حدیث شریف میں آیا ہے۔ "ان اللہ امرنی ان اسمی المدینة طابة" کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا کہ مدینہ کا نام طابہ رکھوں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص مدینہ کی طرف کسی بدبو کی نسبت کرے یا وہاں کی ہوا کو برا کہے یا پسند نہ کرے تو وہ شخص واجب التعزیر ہے اس کو قید کیا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ خاص کرے اور عمرو کہتا ہے کہ اگر یہ لفظ برا ہوتا تو حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستی ایسا کیوں لکھتی کہ

کے بود یارب کہ رود در یثرب و بطحا کنم
کہ بمکہ منزل وگہ در مدینہ جا کنم

تو معلوم ہوا یثرب لکھنا جائز ہے اور متاخرین شعراء نے بھی اس کو لکھا ہے جیسے مولانا تمنا صاحب یا مولانا فرید احمد وفا صاحب تو اس بناء پر زید کا قول کسی طرح صحیح اور قابل تسلیم نہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا قول زید کا صحیح ہے یا عمرو کا؟ بینوا و توجروا

العبد فقیر عبدالمصطفیٰ محمد صابر حسین المخاطب بصابر اللہ شاہ اشرفی مراد آباد،
مشتاق حسین عرف کلن اشرفی سادہ کار مرادآباد

الجواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم ☆ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ☆

صورت مسؤلہ میں زید کا قول صحیح اور قابل اعتماد و مطابق حکم نبوی ﷺ ہے۔ اس لئے کہ حدیث پاک میں مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے سے ممانعت وارد اور یثرب کہنا منافقین کی طرف منسوب ہے۔ نیز یثرب اسم قبیح ہے اور طیبہ یا مدینہ اسم حسن اور اسماء فیحہ کی نسبت مبغوض، لہٰذا مدینہ طیبہ کو طیبہ، طابہ مدینہ کہنا ہی چاہئے۔ یہی احمد ہے یہی محمود چنانچہ بخاری شریف میں ہے:

"قال رسول اللہ ﷺ امرت بقریۃ تاکل القری یقولون یثرب وھی المدینہ الحدیث"

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ کو ایسے شہر کی طرف ہجرت کرنے کا حکم فرمایا گیا کہ تمام شہروں پر غالب آجائے گا۔ لوگ اس کو یثرب کہیں گے حالانکہ وہ مدینہ ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی مرضی ہے کہ اس شہر پاک کو بجائے یثرب کے مدینہ کہنا چاہئے اور یثرب نام رکھنا اس بقعہ طاہرہ کے لئے غیر مناسب ہے اور اس کی شرح فتح الباری میں:

"یقولون یثرب وھی المدینۃ" کے تحت میں ہے:

"ای بعض المنافقین یسمیھا یثرب واسمھا الذی یلیق بھا المدینۃ"

یعنی بعض منافقین مدینہ طیبہ کو یثرب کہتے ہیں اور یہ اس کی شان کے لائق نہیں۔ اس کی شان کے لائق نام "مدینہ" ہے۔ دوسری حدیث میں حضرت امام احمد نے روایت فرمائی ہے:

"من سمی المدینۃ فلیستغفر اللہ ھی طابۃ"

یعنی جو شخص مدینہ طیبہ کا نام یثرب رکھے اسے چاہئے کہ استغفار کرے اس کا نام تو طیبہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے:

"ان رسول اللہ ﷺ نھی ان یقال المدینۃ یثرب رواہ عمر وابن ابی شیبۃ من حدیث ابو ایوب"

یعنی حضور ﷺ نے منع فرمایا اس سے کہ مدینہ کو یثرب کہا جائے۔ اسی فتح الباری میں ہے:

"ولھذا قال عیسیٰ ابن دینار من المالکیۃ من سمی المدینۃ یثرب کتبت علیہ خطیئۃ وقال وسبب ھذا الکراھۃ لان یثرب اما من التثریب ھو التوبیخ والملامۃ او من الثرب وھو الفساد وکلاھما مستقبح وکان ﷺ یحب الاسم الحسن ویکرہ الاسم القبیح"

یعنی ان ہی احادیث شریفہ کی بناء پر عیسیٰ ابن دینار مالکی نے فرمایا جس نے مدینہ کا نام یثرب رکھا اس پر گناہ لکھا گیا

اور فرمایا کہ اس کراہت کی وجہ یہ ہے کہ یثرب یا تو تحریب سے بنا ہے اس کے معنی بھڑ کنے اور ملامت کرنے کے آتے ہیں اور یا ثرب سے بنا ہے اس کے معنی فساد اور خرابی کے ہیں اور یہ دونوں معنی قبیح اور برے ہیں اور حضور اقدس ﷺ اچھے نام کو محبوب رکھتے تھے اور برے نام کو ناپسند فرماتے تھے۔

ان احادیث اور تصریحات اکابر سے صاف طور سے معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا شرعاً مکروہ و ممنوع ہے اور اس پر استغفار کرنے کا حکم ہے اور اس یثرب کے معنی ایسے قبیح ہیں کہ جس کو مدینہ طیبہ کی طرف منسوب کرنا سخت برا ہے۔ لہٰذا قول زید کا صحیح اور قول عمرو کا غیر صحیح ہے۔ رہا عمرو کا استدلال حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے، سو یہ صحیح نہیں کیونکہ حدیث میں ممانعت وارد ہوئی تو اس کے مقابل کسی بزرگ کے کلام میں اس لفظ کے استعمال کا پیش کرنا کیا مفید۔ کلام رسول کے لئے کلام غیر ناسخ نہیں ہو سکتا۔

علاوہ بریں حضرت جامی کے کلام کی بہت عمدہ توجیہ یہ ہے کہ یثرب سے حوالی و عوالی مراد ہیں نہ خاص شہر مدینہ چنانچہ یثرب پر بطحا کو بطریق تفسیر عطف فرمانا اس کا مؤید ہے اور دوسرے شعر میں ہے:

گرد صحرائے مدینہ بویت آمد یار سول
من سر خود را فدائے خاک آں صحرا کنم

فرمانا دلیل ہے اس بات کی کہ شعر اول میں یثرب سے مدینہ طیبہ کے گرد و پیش کا صحرا مراد ہے۔ ایک بزرگ کے کلام کی اس قدر توجیہ نہایت بہتر ہے تاکہ ممانعت حدیث لازم نہ آئے مگر صریح حدیثوں کے ہوتے ہوئے اس کو سند بنانا نادانی ہے۔ عمرو نے مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر لکھا اور آیت کیوں نہ لکھدی جس میں ارشاد ہوا۔ "یا اھل یثرب لا مقام لکم فارجعوا" مگر اس کا کام اس سے بھی نہ بنتا کیونکہ یہاں قرآن پاک میں مقالہ کفار نقل فرمایا ہے اس سے جواز اور استدلال نہیں ہو سکتا۔ فتح الباری میں ہے:

"وقالوا ما وقع فی القران انما ھو حکایۃ عن قول غیر المؤمنین"

اب بحمد اللہ مسئلہ واضح و لائح ہو گیا کہ مدینہ طیبہ کو ہرگز یثرب نہ کہا جائے اور یثرب کہنے والے پر استغفار کرنے کا حکم ہے۔

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتقن واحکم۔

العبد المعتصم بحبلہ المتین

کتبہ

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

وہابیہ کی عیاریاں اور التلبیسات کا افشاء راز

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء ملت اہل سنت و جماعت ان امور ذیل میں کہ:

۱۔ مخالفین اور وہابیہ دیوبند نے جو یہ شورش اٹھائی ہے کہ اعلیٰ حضرت حکیم امت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا مولانا شاہ مفتی محمد احمد رضا خان صاحب محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کثرت سے علماء امت کو کافر کہتے ہیں۔ اس لئے اعلیٰ حضرت کو "مکفر المسلمین" کے لقب سے یاد کرتے ہیں تو آیا یہ کہنا ان کا حق ہے یا باطل، ہدایت ہے یا ضلالت، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جن علماء کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے کافر کہا یا کفر کا فتویٰ دیا ہے تو کس وجہ سے۔ آیا از روئے دلائل شرع شریف یا یوں ہی بلا دلائل کافر کہنا استعمال کیا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ بلا ثبوت شرعی کسی مسلمان کو کافر کہنا گناہ عظیم بلکہ حقیقۃً بحکم حدیث شریف خود کافر بننا ہے تو مخالفین کا یہ کہنا کہ اعلیٰحضرت کا جو شخص ہم خیال و ہم عقائد نہ ہو اس کو مسلمان ہی نہیں جانتے تو آیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

۲۔ دیوبندی علماء تو کہتے ہیں کہ اعلیٰحضرت نے کتاب "حسام الحرمین" میں بہت سی عبارتیں کاٹ چھانٹ کے نقل کر کے علماء حرمین شریفین سے کفر کا فتویٰ لکھوا لیا ہے چنانچہ ایک کتاب "التصدیقات لدفع التلبیسات" معروف بہ ہند جس کو مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی نے مرتب کر کے شائع کیا ہے، جس پر حرمین شریفین تصدیق فرما رہے ہیں، لہٰذا استفسار ہے کہ کتاب "حساب الحرمین" حق ہے یا کتاب "التصدیقات" ہمارے سنی علماء کرام کا عمل کس پر ہے؟ دیوبندی عقائد والوں کو تو ناز ہے کہ ہم لوگ حق پر ہیں اور بریلوی عقائد والے مفتری اور کاذب کہ ان کے یہاں "کفر کا کارخانہ" ہے جس کو چاہتے ہیں مسلمان کہتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں کفر کا فتویٰ دے کر دوزخ میں ڈال دیتے ہیں تو آیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

۳۔ مسلمان کلمہ گو اگرچہ نماز، روزہ، حج وغیرہ بجالاتا ہو، مگر خدا اور رسول (جل جلالہ و ﷺ) کی جناب میں گستاخی یا ادنیٰ سے ادنیٰ توہین کرنے والا ہو تو آیا ایسا شخص مسلمان باقی رہتا ہے یا نہیں؟ مفصلاً جواب نمبروار بحوالہ کتاب، عام فہم صورت میں عنایت فرمائیے اور عربی عبارات آیت و حدیث جہاں پر آئے مع ترجمہ بزبان اردو تحریر فرمایا جائے تاکہ بخوبی سمجھ میں آجائے۔ یبنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب بعون اللہ الوھاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

۱- وہابیہ کا یہ اتہام کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے علماء اسلام کو کافر کہا ہے کذب محض وافتراء خالص ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ان مضمرین کو کافر فرمایا جو ضروریات دین کے منکر ہوئے ایسوں کو قرآن وحدیث اور تمام امت کافر کہتی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے کفر کا حکم اپنی طرف سے نہ دیا نصوص نقل فرمائیں جن کا آج تک کسی وہابی نے جواب نہ دیا اور نہ کبھی کوئی جواب دے سکتا ہے ان امور کا کفر ہونا اور ان کے قائل کا کافر ہونا خود وہابیہ کو بھی تسلیم ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب "بسط البیان" میں لکھتے ہیں:

جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصوص قطعیہ کی تنقیص کرتا ہے حضور سرور عالم فخر بنی آدم ﷺ کی۔"

اور وہی یہ بات کہ جو اعلیحضرت کا ہم عقیدہ نہ ہو اس کو وہ کافر جانتے ہیں یہ درست ہے اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہے کہ ایمانیات اور ضروریات دین میں جو اس کا ہم عقیدہ نہ ہو وہ کافر ہے جو توحید مانے رسالت میں ہم اعتقاد نہ ہو وہ کافر۔ توحید و رسالت دونوں کو تسلیم کرے قرآن کا منکر ہو تو کافر غرض کسی ایک امر ضروری سے یعنی انکار کرے کافر ہے مسلمان وہی ہے جو تمام ضروریات دین میں ہمارا ہم عقیدہ ہو۔ حدیث جبریل میں ہے:

"قال ان تومن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر وتؤمن بالقدر خیرہ وشرہ"

یعنی ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت کو مانے اور اس کی تقدیر خیر و شر پر ایمان لائے تو جو ان امور میں ہمارا ہم عقیدہ ہے مومن ہے اور جو ان میں ایک میں بھی ہم عقیدہ نہیں اس کو حقیقت ایمان ہی حاصل نہیں مومن نہیں کافر ہے۔

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

۲- یہ قطعاً غلط ہے کہ حسام الحرمین میں وہابیہ کی عبارات میں قطع برید کر کے کفری معنی پہنائے گئے ہوں عبارتیں بلفظہ نقل کی گئی ہیں۔ انہی پر فتویٰ لیا گیا ہے انہیں کو علماء حرمین طیبین نے کفر فرمایا ہے البتہ ایک مضمون کی چند عبارتیں ایک کتاب تھیں تو ان کو اختصار کے لئے یکجا کر کے لکھ دیا ہے ان میں سے ہر ایک عبارت وہ کفری معنی رکھتی ہے۔ مجموعہ کے ملانے سے کوئی جدید معنی پیدا نہیں کئے گئے یہ محض افتراء ہے اور ہر شخص حسام الحرمین کے نقول کو اصل کتابوں سے ملا کر اطمینان کر سکتا ہے۔ البتہ وہابیہ کی کتاب "التلبسات لدفع التصدیقات" یقیناً اسم بامسمیٰ" ہے اس میں تلبیس کی گئی ہے اور چالاکیاں

سے کام لیا گیا ہے علماء مکہ مکرمہ کو طرح طرح کے دھوکے دیے ہیں۔ اپنا مذہب کچھ کا کچھ بتایا ہے۔ عقیدے برخلاف اپنے خلاف کے ظاہر کیے ہیں نمونہ کے طور پر چند فریب کاریاں اس کی نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ وہابی ہندوستان میں کس کو کہا جاتا ہے؟ اس کی تفصیل میں لکھا ہے۔ "بلکہ جو سود کی حرمت ظاہر کرے وہ بھی وہابی ہے "ہندوستان بڑا مسلمان کیوں نہ ہو" (التلبیسات صفحہ ۳) دیکھئے کتنا بڑا دھوکہ ہے۔ ہندوستان میں سود کے حرام کہنے والے کو کون وہابی کہتا ہے سود کو تمام علماء اہل سنت حرام فرماتے ہیں وہابی کے یہ معنی بتانا کتنا بڑا خدع و مکر ہے۔

۲۔ روضہ طاہرہ کی زیارت کے متعلق لکھا ہے کہ "اعلیٰ درجہ کی قربت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے، بلکہ واجب کے قریب ہے گو سد حلال اور بذل جان و مال سے نفیس ہو" (التلبیسات صفحہ) صفحہ ۵ میں زیارت شریف کی نیت سے سفر کو منع کرنا وہابیہ کا قول بتایا۔ دیکھئے کیسے خالص سنی بن رہے ہیں گویا وہابی ان کے سوا کوئی اور ہے اب قد اقتفوہ الایمان" دیکھئے کہ وہاں سلسلہ شرکیات میں لکھا ہے: "اس کے گھر کی طرف اور دور دور سے قصد کر کے سفر کرنا" (تقویۃ الایمان صفحہ ۱۱) دوسری جگہ لکھا ہے: اور کسی کی قبر پر یا چلہ پر یا کسی کے تھان پر جانا، دور سے قصد کرنا (تقویۃ الایمان مطبوعہ مرکانلی پریس دہلی صفحہ ۴۵) اس میں صاف بتاتا ہے کہ کس کے گھر یا کسی کی قبر کی طرف قدر کر کے سفر کرنا شرک ہے اور تقویۃ الایمان کے مصنف اسماعیل کی تعریف اس "التلبیسات" کے صفحہ ۳ میں مرقوم ہے جب وہ ان کا پیشوا ہے اس کی کتاب پر ساری جماعت کا ایمان اور اس میں بقصد زیارت سفر کو شرک کہا اسی سفر کو اس "التلبیسات" میں قربت اور واجب کہنا اور اس کے لئے جان و مال کا خرچ روا رکھنے کا اظہار کتنا بڑا کید اور کیسا کھلا ہوا فریب ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہابی کے دین میں تقیہ بھی درست ہے کہ اپنے مذہب کو چھپا کر کچھ ظاہر کر دیا۔

۳۔ تقویۃ الایمان میں حضور سید عالم ﷺ کی طرف نسبت کر کے لکھا کہ "میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہابی حضور ﷺ کو مردہ جانتے ہیں معاذ اللہ "التلبیسات" میں ظاہر کیا کہ "حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے۔" (التلبیسات صفحہ ۷) دیکھئے کیسا کھرا سنی بن رہا ہے۔

۴۔ "تقویۃ الایمان" صفحہ ۴۷ میں ہے "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔" اسی کتاب کے صفحہ ۳۳ میں الوہیت کی نسبت لکھا "کسی کام میں نہ بالفعل ان کو دخل ہے نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔" "التلبیسات" میں اولیاء کی نسبت اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا ہے کہ "ان کے سینوں اور قبروں سے باطنی فیوض کا پہنچنا بے شک صحیح ہے۔"

۵۔ "التلبیسات" صفحہ ۱۲ میں عبدالوہاب نجدی اور اس کے تابعین کو خارجی بتایا ہے اور ان کا یہ عقیدہ بیان کیا ہے کہ وہ

اپنے فرقہ کے سوا تمام عالم کے مسلمانوں کو مشرک جانتے ہیں اور اہل سنت وعلمائے اہل سنت کا قتل ان کے نزدیک مباح ہے۔ مگر فتاوی رشیدیہ میں اچھا بتایا ہے۔ چنانچہ فتاوی رشیدیہ جلد اول صفحہ ۸ میں ہے "محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا۔ سنا ہے کہ مذہب حنبلی رکھتا تھا اور عامل بالحدیث تھا بدعت وشرک سے روکتا تھا۔"

عقیدہ تو یہ ہے اور "التنبیہات" میں سنی بننے کے لئے ظاہر کیا کہ ہم اس کو خارجی جانتے ہیں کیا مکاری ہے۔

۶:- ختم نبوت کے متعلق "التنبیہات" میں اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ "آپ کے بعد کوئی نبی نہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے "ولیکن محمد اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔" اور یہی ثابت ہے بکثرت حدیثوں سے جو معنا حد تواتر تک پہنچ گئیں اور نیز اجماع امت سے۔ سو حاشا ہم میں سے کوئی اس کے خلاف کیونکہ جو اس کا منکر ہے وہ ہمارے نزدیک کافر ہے اس لئے منکر ہے نص صریح قطعی کا (التنبیہات صفحہ ۱۴و۱۵)۔

یہاں تو صاف اعلان ہے کہ حضور ﷺ آخر الانبیاء ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور یہ آیت اور احادیث متواترۃ المعنی اور اجماع سے ثابت بتایا اور نص قرآنی کو اس معنی میں صریح وقطعی مانا اور اپنے آپ کو خالص سنی ظاہر کیا اور "تحذیر الناس" دیکھئے تو اس میں صفحہ ۲ پر لکھا ہے۔ "عوام کے خیال میں تو رسول کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں

﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾

فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔

۷:- "التنبیہات" میں تو اپنا عقیدہ یہ ظاہر کیا "البتہ جہت ومکان کو اللہ تعالی کے لئے ہم جائز نہیں سمجھتے اور یوں کہتے ہیں کہ وہ جہت ومکانیت اور جملہ علامات حدوث سے منزہ وعالی ہے" (التنبیہات صفحہ ۱۳) مگر واقعہ میں وہابیہ کا عقیدہ اس کے خلاف ہے اور وہ اللہ تعالی کے جہت ومکان سے منزہ جاننے کے عقیدہ کو بدعت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی نے "ایضاح الحق" صفحہ ۳۵و۳۶ میں لکھا ہے:

"تنزیہ او تعالے از زمان و مکان وجہت و ماہیت و ترکیب عقلی و مبحث عینیت و زیادت صفات و تاویل متشابہات واثبات رؤیت بلا جہت و محاذات و اثبات جوہر فرد وابطال ہیولی و صورت و نفوس و عقول یا بالعکس و کلام در مسئلہ تقدیر و کلام وقول بصدور عالم و امثال آں از مباحث فن کلام والٰہیات و فسلفہ ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است اگر

صاحب آں اعتقادات مذکورہ رااز جنس عقائد دینیہ می شمارد۔"

یہ بیماری ہے کہ عقیدہ کچھ ہے اور ظاہر کرتے ہیں اس کے خلاف۔

۸۔ "اتلیسات" صفحہ ۱۷ میں لکھا ہے: "جواس کا قائل ہو کہ نبی کریم علیہ السلام کو ہم پر بس اتنی فضیلت ہے جتنی بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر ہوتی ہے تو اس کے متعلق ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ دائرہ ایمان سے خارج ہے۔" یہاں تو ظاہر کیا اور پردہ اٹھا کر دیکھئے تو حقیقت یہ ہے کہ جس عقیدہ پر دائرۂ ایمان سے خارج ہونے کا حکم دیا ہے وہ عقیدہ خود ان کا اپنا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ کیجئے "تفویۃ الایمان" مطبوعہ مرکنٹائل پریس دہلی صفحہ ۶۸ میں لکھا ہے: "انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہے وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے۔ دوسری کتاب "براہین قاطعہ" جس کے مصنف بظاہر یہی مولوی خلیل احمد ہیں جنہوں نے "اتلیسات" میں مذکورہ بالا عبارت لکھی وہ "براہین قاطعہ" صفحہ ۳ میں لکھتے ہیں: "اگر کسی نے بوجہ بنی آدم ہونے کے آپ کو بھائی کہا، تو کہا خلاف نص کے کہہ دیا وہ خود نص کے موافق ہی کہتا ہے۔" اس مکاری کی کیا انتہا ہے جو عقیدہ بار بار لکھ کر چھاپ چکے "اتلیسات" میں اس کا صریح انکار کر دیا۔

۹۔ "اتلیسات" صفحہ ۱۸ میں ہے: "ہم زبان سے قائل اور قلب سے معتقد اس امر کے ہیں کہ سید نا رسول اللہ ﷺ کو تمامی مخلوقات سے زیادہ علوم عطا ہوئے ہیں جن کو ذات وصفات اور تشریعات یعنی احکام عملیہ وحکم نظریہ اور حقیقتہائے وحقائق واسرار مخفیہ وغیرہ سے تعلق ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی ان کے پاس تک نہیں پہنچ سکتا نہ مقرب فرشتہ اور نہ نبی رسول اور بے شک آپ کو اولین وآخرین کا علم عطا ہوا اور آپ پر حق تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔

اس عبارت کو ملاحظہ کیجئے کیا مسلمان بنے ہوئے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کی وسعت اور حضور کا تمام خلق سے اعلم ہونا بیان کر رہے اور عقیدہ دیکھئے تو نہایت ناپاک کہ معاذ اللہ حضور کو اپنے خاتمہ اور انجام کا بھی علم نہیں دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں چنانچہ تفویۃ الایمان مطبوعہ مرکنٹائل پریس دہلی صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے: "جو کچھ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں سوا اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں۔ نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا۔" اور براہین کا قاطعہ صفحہ ۴۶ میں لکھا "اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں۔" حقیقۃ عقیدہ تو یہ ہے اور دھوکہ دینے کے لئے "اتلیسات" میں ظاہر وہ کیا۔

۱۰۔ "اتلیسات" صفحہ ۱۹ میں لکھا "اور ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی علیہ السلام سے اعلم ہے وہ کافر ہے اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں جو یوں کہے کہ شیطان ملعون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے۔" یہاں تو لکھا اور براہین قاطعہ میں خود ہی شیطان لعین کے لئے وسعت علم کو ثابت کیا اور حضور کے حق میں اس کے ٹوٹ کا انکار یہاں جس چیز کو کفر بتایا اس کے قائل خود آپ ہی ہیں۔ براہین قاطعہ ۴۷ میں لکھتے ہیں۔ "شیطان ملعون

الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ "دیکھئے عقیدہ تو یہ ہے اور "اشاعۃ السنہ" میں اس کا صاف انکار ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والے کو کافر بتایا ہے۔ کیا عیاری ہے۔

۱۱:- "اشاعۃ السنہ" صفحہ ۲۳ میں ہے "جو شخص نبی علیہ السلام کے علم کو زید و بکر بہائم و مجانین کے علم کے برابر سمجھے یا کم و قطعاً کافر ہے۔"

علماء حرمین کے سامنے تو اپنا عقیدہ یہ ظاہر کیا۔ اب یہ دیکھئے کہ ایسا سمجھنے اور کہنے والا ہے کون جس کو کفر کہہ رہے ہیں۔ وہ فعل کس کا ہے؟ ملاحظہ کیجئے "حفظ الایمان" مطبوعہ مجتبائی مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی صفحہ ۷، ۸ میں ہے "پھر یہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جاتا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ مراد اس سے بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم تو زید عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو بھی حاصل ہے۔" دیکھئے وہ کفری قول جس کے قائل کو "اشاعۃ السنہ" میں کافر کہہ رہے خود ان کے پیشوا مولوی اشرف علی کا ہے۔

اس کے علاوہ دوسری عیاری یہ ہے کہ "اشاعۃ السنہ" میں اشرف علی کی عبارت پیش کی تو اس میں قطع برید کر لی کہ "حفظ الایمان" میں تو "علم غیب کا حکم کیا جانا" لکھا اور "اشاعۃ السنہ" میں "علم غیب کا اطلاق" لکھا ہے۔ کہاں حکم کرنا کہاں محض اطلاق اپنی عبارت میں تحریف کر ڈالی اگر ان کے نزدیک "حفظ الایمان" والی عبارت صریح کفر نہ تھی تو "اشاعۃ السنہ" میں اس کو کیوں بدلا؟ کیوں دوسرے لفظوں سے بیان کیا؟ اصل لفظ کو کیوں بچایا؟ قول کچھ تھا علماء عرب کو کچھ دکھایا۔

۱۲:- مجلس مبارک میلاد شریف کی نسبت اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے۔ "اشاعۃ السنہ صفحہ ۲۴" "حاشا ہم تو کیا کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں کہ آنحضرت کی ولادت شریفہ کا ذکر بلکہ آپ کی جوتیوں کے غبار اور آپ کی سواری کے گدھے کے پیشاب کا تذکرہ بھی قبیح و بدعت سیہ و حرام کہے وہ جملہ حالات جن کو رسول اللہ ﷺ سے ذرا بھی علاقہ ہے ان کا ذکر ہمارے نزدیک نہایت پسندیدہ ہے اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے خواہ ذکر ولادت شریفہ ہو یا آپ کے بول و براز اور نشست و برخواست اور بیماری و خواب کا تذکرہ ہو۔"

دیکھئے یہاں مولود شریف کو اعلیٰ درجہ کا مستحب بتایا جاتا ہے اور اس کو بدعت سیہ کہنے سے حاشا کہہ کر انکار کیا جاتا ہے۔ یہ بڑا فریب ہے کیونکہ اس میں وہ اس کے منکر ہیں۔ دیکھئے ذیل کے حوالے (فتاویٰ رشیدیہ جلد اول صفحہ ۵۰):

سوال:- "مولود شریف اور عرس کہ جس میں کوئی بات خلاف نہ ہو جیسے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا

کرتے تھے آپ کے نزدیک جائز ہے یا نہیں اور شاہ صاحب واقعی مولود اور عرس کرتے تھے یا نہیں"۔

الجواب:- "عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو مگر اہتمام وتداعی اس میں بھی موجود ہے۔ لہٰذا اس زمانہ میں درست نہیں۔" اسی فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم صفحہ ۱۴۵ میں ہے:

مسئلہ:- "محفل میلاد میں جس میں روایات صحیحہ پڑھی جائیں اور لاف وگذاف اور روایات موضوعہ اور کاذبہ نہ ہوں شریک ہونا کیسا ہے۔"

جواب:- "ناجائز ہے بسبب اور وجوہ کے" اسی فتاویٰ کے جلد ۳ صفحہ ۱۴۲ میں ہے: "کسی عرس اور مولود میں شریک ہونا درست نہیں اور کوئی سا عرس اور مولود درست نہیں۔" انصاف کیجئے کہ حقیقت میں مذہب تو یہ ہے کہ کوئی مولود شریف کسی طرح درست نہیں اور "التکمیلات" میں ظاہر اس کے خلاف کیا یہ میں کیا دیاں۔ تمام کتاب ایسی ہی مکاریوں سے لبریز ہے چند بطور نمونہ یہاں لکھی گئیں۔ اب دوسرا انداز فریب ملاحظہ فرمایئے خود سوالات لکھے خود ان کے جواب دیئے۔ اپنے ہی گھر کے لوگوں سے تصدیق کرائی۔ جوابوں میں وہ فریب کاریاں کیں جو اوپر بیان ہوئیں۔ اب اس مجموعہ فریب کو حرمین شریفین لے کر پہنچے تاکہ وہاں کے علماء کو دھوکہ دیں اور ان سے کسی طرح تصدیق کرالیں تو کہنے کو ہو جائے کہ حسام الحرمین میں علماء حرمین شریفین نے جن بدلگاموں پر کفر کا حکم دیا تھا انہوں نے ہی ان کا اسلام تسلیم کرلیا۔ مگر اللہ تعالیٰ ربانی علماء کا محافظ ہے۔ مکاروں کا کیدنہ چلا اور حرمین طیبین کے علماء اعلام کی تصدیقیں حاصل نہ ہوئیں اگرچہ بعید نہ تھا کہ وہ حضرات ان پر فریب جوابوں سے دھوکہ کھاتے جن میں فریب کاروں نے اپنے آپ کو پکا معنی ظاہر کیا تھا۔ مگر الحمدللہ کہ حرمین طیبین کے علمائے کرام ان کے فریب میں نہ آئے۔

علماء حرمین کی تصدیق کا حال:

علماء حرمین طیبین کی تصدیقات کا حال تو "حسام الحرمین" میں دیکھئے "التکمیلات" کی جعلی کاروائی محض فریب کاری ہے۔ عنوان میں تو لکھا:

"هذه خلاصة تصديقات العلماء بمكة المكرمة"

اور اس کے ذیل میں صرف مولانا محمد سعید بابصیل کی ایک تحریر ہے۔ اس تحریر میں کہیں ذکر نہیں ہے کہ "براہین قاطعہ" "حفظ الایمان"، "تحذیر الناس"، وفتاوائے گنگوہی پر جو حکم "حسام الحرمین" میں دیا گیا وہ غلط ہے۔ نہ یہ تحریر ہے کہ ان کتابوں کی کوئی عبارت کفری نہیں۔ تصدیق کس بات کی ہے اور اس تحریر سے دیوبندیوں کو فائدہ کیا پہنچتا ہے؟ "التکمیلات" میں جو انہوں نے اپنے آپ کو سنی ظاہر کیا اور عبدالوہاب نجدی کو وہابی خارجی بتایا مولود شریف کو جائز کہا۔ اس کی مولانا نے تصدیق

فرماوی تو یہ سنت کی تائید ہوئی۔ وہابیہ کی حیاداری ہے کہ وہ اس تحریر کو اپنی تائید میں پیش کریں۔

علاوہ بریں جو تحریر انہوں نے لکھی تھی بعینہ درج کرنا تھی اس کا خلاصہ کیوں کیا گیا؟ وہ کیا مضمون مخالف تھا جس کو چھپانے کے لئے ان کی تحریر میں کاٹ چھانٹ کی اور اس "التلبیسات" میں خود اقرار ہے۔ چنانچہ صفحہ ۵۰ کے اول میں لکھا ہے "یہ علماء مکہ مکرمہ زادالله شرفاً وتعظیماً کے علماء کی تصدیقات کا خلاصہ ہے۔" جن علماء کی تحریر اپنی بریت کے ثبوت کے لئے پیش کی جاتی ہے اس میں قطع و برید کیوں کی گئی؟ اس سے اہل فہم سمجھ سکتے ہیں کہ وہ تحریر ان کے موافق نہ تھی جو باتیں خلاف اور صریح خلاف تھیں، وہ نکال دیں یہ حال دیانت کا ہے۔

اس کے بعد ایک تصدیق شیخ احمد رشید کے نام سے لکھی ہے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ یہ کوئی عرب اور علماء مکہ میں سے ہوں گے، مگر آخر میں جہاں دستخط ہیں وہاں "بندہ احمد رشید خاں نواب" لکھا ہے۔ (دیکھو التلبیسات صفحہ ۸۳) یہ نواب اور خان بتا رہا ہے کہ یہ عرب نہیں ہیں اسی لئے اول میں ان کے نام کے ساتھ نواب اور خان نہیں لکھا گیا۔

تیسری تصدیق شیخ محب الدین کی ہے جن کو مہاجر لکھا ہے، لفظ مہاجر سے ظاہر کہ وہ عرب علماء مکہ میں سے نہیں۔ ان کی تحریر کو علماء مکہ کی تحریر قرار دینا دنیا کو فریب دینا ہے۔ یہ حرکت ہے کہ ہندوستانیوں کی تحریریں علماء مکہ کے نام سے پیش کر کے دنیا کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔

چوتھی ان کی تحریر شیخ محمد صدیق افغانی کی ہے۔ اس کو بھی علماء مکہ کے سلسلہ داخل کیا ہے ہندی و افغانی علماء مکہ بن گئے، اس دھوکہ دہی کی کچھ انتہا ہے ایسے تو جتنے حاجی ہندوستان سے گئے تھے سب کے نشان انگوٹھے لے کر "علماء مکہ" میں شمار کر دیتے تو کوئی کیا کرتا۔

ایک اور بڑا مکر:

اسی سلسلہ میں پانچویں اور چھٹی تحریریں شیخ محمد عابد مفتی مالکیہ اور ان کے بھائی شیخ علی بن حسین مدرس حرم شریف کی بھی درج ہیں یہ حضرات بے شک علماء مکہ میں سے ہیں مگر ان کے نام سے جو تحریریں "التلبیسات" میں درج ہیں وہ جعلی ہیں۔ چنانچہ خود "التلبیسات" صفحہ ۵۵ میں لکھا ہے کہ "جناب مفتی مالکیہ اور ان کے بھائی صاحب نے بعد اس کے کہ تصدیق کر دی تھی مخالفین کی سعی کی وجہ سے اپنی تقریظ کو قبیلہ تقویت کلمات لے لیا اور پھر واپس نہ کیا۔ اتفاق سے ان کی نقل کر لی گئی تھی سو ہدیہ ناظرین ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کی تحریر وہابیہ کے پاس موجود نہیں پھر ان کے نام سے تحریر چھاپنا کس قدر بے باکی!

ہدایت ہے فرض کرو یہ بچے سہی اگر ان صاحبوں نے اپنی تحریر واپس لے لی اور پھر نہ دی تو وہ تحریر ان کو مقبول نہ ہوئی اس و آپ کے سر تھوپنا کتنا بڑا مکر ہے اور اگر مخالفین کی رعایت کی وجہ سے انہوں امر حق کو چھپایا تو وہ اس قابل ہی کب رہے کہ ان کی تحریر لائق اعتبار ہو۔ غرض کسی طرح سے ان کی تحریر چھپانا اور ان کی طرف نسبت کرنا درست نہیں۔

''التبیسات'' میں علماء مکہ کے نام سے صرف اتنی ہی تحریریں درج ہیں ان میں قطع برید بھی ہے ہندیوں اور افغانیوں کی بھی بنایا گیا ہے جعلی تحریریں بھی ہیں۔ ایک بھی تحریر قابل اعتماد نہیں کل کا کل کارخانہ دھوکے اور فریب کا ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ تمام علماء مکہ مکرمہ ان کے کفر پر متفق تھے اور کسی طرح ان کی فریب کاری نہ چل سکی اس لئے انہوں نے جعلی تحریریں بنائیں اور ہندوستانیوں اور افغانیوں کو علماء مکہ مکرمہ ظاہر کر کے ان سے کچھ لکھوالیا۔ ایسا نہ کرتے تو تائید باطل کے لئے اور کر ہی کیا سکتے تھے۔

علماء مدینہ کی تصدیقات کا حال:

علماء مدینہ کے نام سے ''التبیسات'' میں عجب چال کھیلی ہے۔ مولانا سید احمد صاحب برزنجی کے کسی رسالہ کے چند مقاموں کی تھوڑی تھوڑی عبارتیں نقل کر کے اس پر جن چوبیس پچیس صاحبوں کے دستخط تھے سب نقل کر دیئے۔ وہ دستخط ''التبیسات'' پڑھ تھے برزنجی صاحب کے رسالہ پر تھے، مگر التبیسات'' میں سب نقل کر دیئے تا کہ عوام دھوکہ کھائیں کہ مدینہ طیبہ کے اس قدر علماء اس سے متفق ہیں چنانچہ ''التبیسات'' کے صفحہ ۶۰ میں اس کا اقرار بھی کیا ہے۔

برزنجی صاحب کا پورا رسالہ بھی نقل نہ کیا جس کو لوگ دیکھتے کہ کیا وہ فرماتے ہیں۔ تین مقاموں کی کچھ عبارتیں لکھ دیں یہ کہاں کی دیانت ہے۔ اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ اس رسالہ کو بالکل نظر انداز کر دینا ضرور کسی مطلب سے ہے۔ اگر وہ موافق ہوتا تو اس کا حرف حرف لکھا جاتا۔

مولانا شیخ احمد بن محمد خیر شنقیطی کی تحریر:

علماء مدینہ کی تحریرات کے سلسلہ میں سب سے آخر مولانا شیخ احمد بن محمد خیر شنقیطی کی تحریر ہی۔ اس تحریر میں مولانا نے یہ تو نہیں فرمایا کہ تحذیر الناس، براہین قاطعہ حفظ الایمان وغیرہ کی وہ عبارات جن پر ''حسام الحرمین'' میں کفر کا حکم دیا گیا ہے درست ہیں یا کفر نہیں ہیں یا ان کے منصنف مومن رہے کافر نہ ہوئے بلکہ دبا بہ کا رد کیا اور ان کی ناک کاٹ دی ہے کہ مولود شریف اور قیام وقت ذکر ولادت کو جائز و مستحب اور شرعاً محمود اور اکابر علماء کا قرناً بعد قرن معمول اور مسلمانوں کا شعار بتایا ہے (دیکھو التبیسات'' صفحہ ۶۱ و ۶۲ اور اس سے بڑھ کر حضور کی روح مبارک کی تشریف آوری کو امر ممکن اور اس

کے متعلق کو غیر خاطی بتایا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور وہابی دین پر خاک ڈالنے کے لئے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ حضور باذنہ تعالیٰ جہاں میں جیسے چاہتے ہیں تصرف فرماتے ہیں (دیکھو التکبیسات" صفحہ ۶۲) یہ وہابیہ کا رد اور ان کے دین کا ابطال ہے اس نے "تقویۃ الایمان" کو جہنم رسید کر دیا اس کے علاوہ "التکبیسات" کی نقل کی ہوئی اور تحریرات میں بھی وہابیہ کے کھلے ہوئے رد ہیں۔ یہ ایک مختصر نقشہ "التکبیسات" کا پیش کیا گیا جس سے ہر عاقل منصف اس دجالی کتاب کی فریب کاری پر نفرت کرے گا۔

اب بحمد اللہ تعالیٰ روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ "حسام الحرمین" حق و صحیح اور "التکبیسات" کذب زور و باطل و مردود ہے۔

"والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه وسید انبیائه ورسله محمد واله واصحابه اجمعین"

"العبد المعتصم بحبله المتین"

کتبہ

محمد نعیم الدین عفا عنه المعین

فتویٰ متعلق فاتحہ سویم و چہلم وغیرہ:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ فاتحہ سویم و چہلم وغیرہ جو مدتہائے دراز سے بلا نکیر مسلمانوں میں جاری ہے جب تک کہ وہابیہ کا فتنہ نہ اٹھا کسی نے اس پر انکار نہ کیا۔ اس لئے ان امور کا انکار وہابیت کی علامت اور شعار ٹھہرا اب جو لوگ ان نیک کاموں کو بند کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی نسبت کیا حکم ہے آیا وہ مسلمانوں میں تشتت و تفریق کے مرتکب ہیں یا نہیں اور وہابیت کے مدد و معاون ٹھہریں گے یا نہیں؟ وہابیوں کی امداد و اعانت اگرچہ بلا مقصد ہو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر ان امور کی بندش اور ان پر انکار بالقصد وہابیت کی امداد و اعانت کے لئے ہو تو حکم اور زیادہ سخت ہے یا نہیں؟ تعین یوم برائے فاتحہ جسے وہابی حرام و شرک کہتے ہیں اس کا کیا حکم ہے اور مسلمانوں پر اسے از حالتِ شرع ضرور سمجھنے کا الزام لگاتے ہیں یا کم از کم اسی بات کا کہ مسلمان ثواب کے لئے تیسراون اور چالیسواں دن ضروری جانتے ہیں کہ تیسرے دن یا چالیسویں دن ہی ثواب ہوگا۔ اگر جو دن مقرر ہیں ان سے پہلے یا بعد کو فاتحہ کی جائے تو ثواب نہ ہوگا یا کم ہوگا۔ یہ تعین عرفی اسی مصلحت سے ہے کہ اہل میت کو فاتحہ کی اطلاع دینے کی زحمت نہ ہو کہ لوگوں کو مطلع کریں کہ فلاں روز ایصال ثواب کے لئے مقرر ہوا ہے جو صاحب اپنے عزیز یا دوست کی روح کو ثواب پہنچانا چاہیں وہ فلاں جگہ جمع ہوں اور کچھ قرأت و قرآن یا کلمہ کلام سے ایصال ثواب کریں اسی مصلحت سے فاتحہ کے یہ ایام جو ایک عرصہ دراز سے مسلمانوں میں جاری ہیں اسے بدعت و شرک کہنے کا کیا حکم ہے اور جتنے

مسلمانوں نے جب سے یہ کیا وہ ان شرک و بدعت کہنے والوں کے نزدیک مشرک و بدعتی ٹھہرے یا نہیں؟ اب اس تعین ایام سے اس لئے کہ اس کا انکار وہابیوں کا شعار ہے عدول کا کیا حکم ہے؟ حدیث میں آتا ہے:

"انقوا مواضع التهمة او كما قال ﷺ"

اس فرمان ذیشان کی بناء پر سویم چہلم وغیرہ کو اسی طرح رکھنا جس طرح وہ جاری ہیں۔ نیز اس لئے بھی کہ مسلمانوں میں تفریق و تشتت انہیں بے وجہ معقول انکار سے نہ ہو۔ اس لئے کہ وہ مصلحت فوت نہ ہو ضروری ہے یا نہیں۔

الجواب:- "نحمده ونصلي على حبيبه الكريم" فاتحہ سویم چہلم وغیرہ امور خیر جس میں اموات کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے ان کا استحباب و استحسان دلائل شرعیہ سے ثابت ہے اور ان کی اصل قرآن و حدیث سے ملتی ہے۔ وہابیہ کو ان امور سے سخت عناد ہے اور وہ ان کے انکار میں اس قدر حد سے تجاوز کر گئے ہیں کہ انہوں نے شرک تک نوبت پہنچادی ہے اور مسلمانوں کو مشرک تک کہنے میں باک نہیں کیا۔ محرمات قطعیہ بلکہ رسوم شرکیہ تک سے انہیں وہ نفرت نہیں جو ان امور خیر سے ہے۔ ہلاکت کمپنی کے عہد میں لوگوں نے قشقے تک لگائے، بتوں کے جلوسوں میں شریک ہوئے بتوں کی نقاب کشائی کی رسموں میں باادب حاضر رہے۔ وہابیہ نے اس پر کوئی آواز نہ اٹھائی اور یہ حرکات ان کو اتنی ناگوار نہ گذریں جتنی فاتحہ سویم چہلم وغیرہ ناگوار ہیں اور رات دن انہی کے شرک و بدعت ہونے کا وظیفہ ہے۔ ان شرکی افعال کرنے والوں سے تو وہابیہ نے میل جول خلط ملط کچھ ترک نہ کیا ان کے ان افعال پر اظہار افسوس تک کرنے جرأت تک نہ ہوئی مگر فاتحہ کا نام سن کر ان کو طیش آجاتا ہے۔ بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ ان امور خیر کا انکار اور اس پر تشدد اس قوم کا وظیفہ ہو گیا ہے۔ اس لئے ان کا موں کے بند کرنے کی تحریک خواہ وہ کسی حیلہ یا بہانہ سے ہو یقیناً وہابیت کی علامت ہے اور یقیناً ایسی تحریک فتنہ پردازی ہے۔ اب وہابیہ نے یہ بھی طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ کفایت شعاری کی تعلیم کے پردہ میں ان امور کے بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو ایسی چالوں سے آگاہ رہنا چاہئے اور ایسے بدمذہبوں کے مکر و کید سے اپنے آپ کو اور اپنی قوم کے نادان لوگوں کو بچانا چاہئے ان امور کا انکار اور ان کی بندش کی کوشش وہابیت کی ترویج اور اس کی کھلی اعانت ہے۔ اس میں بلا قصد کا احتمال محض لغو ہے۔

تعین یعنی بر بناء مصالح کسی کام کے لئے کوئی وقت یا دن مقرر کر لینا جائز ہے اس کی ممانعت پر اصلاً کوئی نص وارد نہیں ہوئی اور یہ تعین ناگزیر ہے۔ وہابیہ کے مدارس میں تعطیل کے لئے جمعہ اور رمضان و عیدین امتحان کے لئے شعبان اور ہر کتاب کے لئے ایک وقت معین ہوتا ہے جس کی التزام کے ساتھ پابندی کی جاتی ہے تعین حرام جانتے یا ناجائز سمجھتے تو ایسا کیوں کرتے اور اگر وہابی ترک تعین کا عہد کر لیں تو انہیں دنیا میں زندگی دشوار ہو جائے کھانے کا وقت معین، سونے کا وقت معین، کام کا وقت معین، تاجر ہیں تو بازار میں جانے اور بیٹھنے کا وقت معین۔ تعین کی بندشوں میں سر سے پاؤں تک جکڑے

ہوئے ہیں اور ان بندشوں کو اپنے آپ مضبوط کرتے ہیں اور پھر تعین کو ناجائز بھی سمجھتے ہیں اس سمجھ پر ہزار افسوس، شریعت میں ایسے تعین کی مثالیں ملتی ہیں۔ بخاری و مسلم میں مروی ہے:

"کان عبد اللہ (بن مسعود) یذکر الناس فی کل خمیس"

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر پنجشنبہ (جمعرات) کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اب وعظ کے لئے پنجشنبہ کی تعیین سے عمل خیر کے لئے حسب مصلحت وقت کا مقرر کرنا بخاری شریف کی اس حدیث سے ثابت ہوا۔ امام بخاری اس حدیث کو باب "من جعل لاھل العلم ایاما معلومۃ" میں لائے ہیں بخاری کے اس ترجمہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث سے امور خیر کے لئے تعین ثابت کرتے ہیں اور بہت احادیث ہیں جو اس مدعا پر پیش کی جاسکتی ہیں مگر وہابیہ کو کوئی دلیل شرعی وجہ تسکین نہیں ہوتی ایک حدیث سنا دیجئے اس کے قبول کرنے میں ہزار عذر ہونگے۔ "تقویۃ الایمان" پیش کر دیجئے تو گردن جھک گئی۔ اللہ تعالیٰ ایسے بے دینوں سے بچائے اور مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ یہ کہنا کہ مسلمان اسی تعین کو واجب اور ضروری سمجھتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ بس تیسرے اور چالیسویں دن ہی ثواب ہوگا اور ان کے لئے علاوہ اور کسی دن ثواب نہ ہوگا یا کم ہوگا یہ مسلمانوں پر افتراء ہے کوئی شخص یہ خیال نہیں رکھتا۔ اندھوں کو یہ نہیں سوجھتا کہ فاتحہ کرنے والے تیسرے اور چالیسویں ہی دن فاتحہ پر بس نہیں کرتے۔ وہ موت کے دن سے چالیسویں دن تک فاتحہ کرتے رہتے ہیں اور جو صاحب استطاعت ہیں ان کے یہاں سال بھر تک روزانہ فاتحہ ہوا کرتی، جاگیریں خاص کر دی جاتی ہیں تو ان کی نسبت یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ تیسرے اور چالیسویں دن کے سوا ایصال ثواب جائز نہیں سمجھتے، یا یہ سمجھتے ہیں کہ دوسرے ایام میں ثواب کم ہو جاتا ہے۔ لہذا اس قسم کے حیلے اور فریب کرنے والا امور خیر کو روکنے کے لئے ایسی باطل باتیں کرنے والا بدمذہب ہے اور اس کا یہ فعل وہابیت کی علامت اور ان امور خیر کے کرنے والوں کو مشرک و بدعتی بتانا اس شخص کی بے دینی اور ایسے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہئے اور علامت وہابیت و بدمذہبی سے بچنا مسلمانوں پر لازم ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

العبد المعتصم بحبلہ المتین

کتبہ

محمد نعیم الدین عفا عنہ المتین

نماز صبح کے بعد قضاء عمری پڑھنے کا حکم:-

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز صبح قبل طلوع آفتاب نماز قضاء عمری پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز قضاء عمری انسان ہر وقت پڑھ سکتا ہے کسی وقت کی ممانعت نہیں؟

"المستفتی (سیٹھ) ابراھیم حاجی محمد، انا بلڈنگ نل بازار بمبئی"

الجواب:- نماز فجر کے بعد آفتاب کے طلوع سے قبل نفل مکروہ ہیں قضاء فرض جائز ہے۔ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

"ویکرہ التنفل بعد صلوتہ ای فرض الصبح ویکرہ التنفل بعد صلوۃ فرض العصر و ان لم تتغیر الشمس لقولہ علیہ السلام لا صلوۃ بعد صلوۃ العصر حتی تغرب الشمس ولا صلوۃ الفجر حتی تطلع الشمس رواہ الشیخان والنہی بمعنی فی غیر الوقت وھو جعل الوقت کالمشغول فیہ بفرض الوقت حکماً وھو افضل من النفل الحقیقی فلا یظہر فی حق فرض یقضیہ وھو المفاد بمفہوم المتن" مخلص الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے:" وعن التنفل بعد صلوۃ الفجر والعصر عطف علی قولہ منع ای عن التنفل بعد صلوۃ الفجر والعصر لماروی ان النبی علیہ الصلوۃ والسلام نھی عن ذلک کذا فی الھدایۃلا عن قضاء فائتۃ وسجدۃ تلاوۃ وصلوۃ جنازۃ ای لا بأس ان یصلی فی ھذین الوقتین الفوائت الخ"

تنویر الابصار میں ہے:

"وکرہ نفل وکل ما کان واجباً بغیرہ کمنذور رکعتی طواف والذی شرع فیہ ثم افسدہ بعد صلوۃ فجر وعصر لاقضاء فائتۃ وسجدۃ تلاوۃ وصلوۃ جنازۃ"

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ نماز فجر کے بعد آفتاب کے طلوع سے پہلے نفل مکروہ ہیں۔ فوائت کی قضا مکروہ نہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نماز قضاء عمری انسان ہر وقت پڑھ سکتا ہے کسی وقت کی ممانعت نہیں۔ ان کا یہ قول صحیح نہیں، کیونکہ اوقات ثلاثہ یعنی وقت طلوع آفتاب اور وقت استواء اور وقت غروب کوئی نماز فرض وواجب ادا وقضاء جو اس وقت سے پہلے واجب ہو چکی ہو درست نہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے:

"ثلاثۃ اوقات لا یصح فیھا شیئ من الفرائض والواجبات الذی لزمت فی الذمۃ قبل دخولھا" طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے "لا یصح فیھا شی ادعاء وقضاء"

﴿واللہ تعالیٰ سبحنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتقن واحکم﴾

العبد المعتصم بحبلہ المتین

کتبہ

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

فرض نماز کے بعد کلمہ طیبہ یا درود شریف بلند آواز سے پڑھنے کا حکم:

سوال:- "ما قولکم رحمہ اللہ" بعد نماز فرض قبل سنت چند آدمی بلند آواز یعنی متوسط آواز سے آواز ملا کر درود شریف اس میں مرتبہ پڑھیں تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اس پڑھنے سے جو تاخیر سنت میں ہوگی تو عند الفقہا اس میں کچھ حرج تو نہیں؟

۲:- زید کہتا ہے کہ مسجد میں قرآن مجید اور درود شریف پڑھنا بدعت سیہ ہے کیونکہ مساجد ادائے نماز کے لئے بنائی گئی ہیں۔ قرآن شریف اور درود شریف نماز نہیں، زید کا یہ قول صحیح ہے یا غلط اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

مستفتی عبد علی کمرلوی ۱۵ صفر ۱۳۴۵ھ، ۲۵ اگست ۱۹۲۶ء

الجواب بعون الوھاب

۱:- "الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علیٰ حبیبہ سید المرسلین محمد والہ وصحبہ اجمعین"

اما بعد: جائز ہے کہ اس قدر فصل معتبر نہیں۔ حضور اقدس ﷺ سے بعد نماز اذکار مروی ہیں اور ان سے وصل سنت فوت نہیں ہوتا۔ علامہ ابراہیم حلبی غنیۃ میں فرماتے ہیں:

"یقوم الی التطوع بلا فصل الا مقدار ان یقول اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام"

کچھ اسی دعا پر انحصار نہیں کہ یہی کلمات بعینہا جائز ہوں دوسرے ہوں تو ناجائز، یا لفظوں کی شمار نہیں بلکہ مقصد صرف اس قدر ہے کہ دور و طویل فصل افضلیت و اولویت کے خلاف ہے۔ مکروہ تحریمی وہ بھی نہیں۔

"فی الغنیہ لیس المراد انہ کان یقول ذلک بعینہ بل کان یعتقد زماناً یسع ذلک المقدار ونحو ذلک من القول تقریباً فلا ینافی ما فی الصحیحین عن المغیرۃ انہ علیہ السلام کان یقول فی دبر کل صلوۃ مکتوبۃ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیٔ قدیر، اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لمن منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد، وکذا روی مسلم وغیرہ عن عبداللہ بن زبیر کان رسول اللہ ﷺ اذا سلم من الصلوۃ قال بصوتہ الاعلی لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الحمد وھو علیٰ کل شیٔ قدیر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون لان المقدار المذکور من حیث التقریب والتخمین دون التحدید والتحقیق واللہ اعلم"

حاصل یہ کہ اس دعا سے یہ مراد نہیں ہے کہ بعینہ یہی الفاظ فرمائے تھے بلکہ اتنی دیر تشریف رکھنا ثابت ہے جس میں یہ حضرات قریب قریب اس کی مثل پڑھی جا سکے تو اس کو حدیث سے کچھ منافات نہیں، جو بخاری و مسلم میں حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ ہر نماز فرض کے بعد:

"لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ..... الخ"

فرماتے۔ ان سے ہی وہ حدیث جو مسلم وغیرہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز سے فراغ کے بعد بلند آواز سے فرماتے تھے:

"لا الہ الا اللہ ..... الخ"

کہ یہ مقدار تقریب وتخمین کے طور پر ہے نہ کہ تحدید وتحقیق کے طور پر۔ علامہ شیخ احمد طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں بعینہٖ مسطورۂ بالا عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں:

"لان المقدار المذکور من حیث التقریب دون التحدید قد یسع کل واحد من ھذہ الاذکار لعدم التفاوت الکثیر بینھما ویستفاد من الحدیث الاخیر جواز رفع الصوت بالذکر والتکبیر عقب المکتوبات بل من السلف من قال باستحبابہ وجزم بہ ابن حزم المتاخرین"

یعنی مقدار مذکور تقریبی ہے تحدیدی نہیں اس میں ان تمام اذکار کی وسعت ہے کیونکہ ان کے درمیان تفاوت کثیر نہیں اور حدیث اخیر سے فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر و تکبیر کا جواز معلوم ہوتا ہے بلکہ سلف نے اس کو مستحب کہا اور متاخرین میں سے ابن حزم نے اس پر جزم کیا۔ تو دس بیس مرتبہ درود شریف بھی اس مقدار سے زائد نہیں، علاوہ بریں شمس الائمہ حلوائی نے صاحب ورد کو اس حکم سے خاص فرمایا، غنیہ میں ہے:

"قال شمس الائمۃ الحلوانی ھذا یعنی ماذکر من انہ اذ کان بعد الصلوٰۃ تطوع یقوم الیہ من غیر تاخیر الیٰ اخرہ اذا لم یکن من قصدہ الاشتغال بالدعاء بان لم یکن لہ ورد معناہ یقرء عقیب المکتوبۃ فان کان لہ ورد وقداعتاد ان یقضیہ ای یاتی بہ بعد المکتوبۃ فانہ یقوم عن مصلاہ ای عن مکان الذی صلی فیہ فیقضی وردہ قائما وان شاء جلس ناحیۃ من نواحی المسجد فیقضی وردہ ثم یقوم الی الطلوع"

یعنی شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا یہ جو مذکور ہوا کہ جس نماز کے بعد سنتیں ہوں، ان میں بے تاخیر سنتیں پڑھے یہ اس صورت میں ہے کہ نماز فرض کے بعد اس کا کوئی ورد معین نہ ہو تو اگر اس کا کوئی ورد معین ہے تو فرض کے بعد اس کو ادا کرے۔ جہاں نماز پڑھی ہے وہاں سے ہٹ کر کھڑے ہو کر ورد ادا کرے، خواہ مسجد کے کسی گوشہ میں بیٹھ کر اپنے ورد کو پورا کرے پھر سنت کیلئے کھڑا ہو، البتہ ورد کو بعد سنت پڑھنا افضل ہے۔ مراقی فلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

" ولا باس بقراۃ الاوراد بین الفریضۃ والسنۃ) فالاولیٰ تاخیر الا وراد عن السنۃ ، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم "

۲۔ زید کا یہ قول کہ مساجد صرف نماز ہی کے لئے بنائی گئی ہیں اور ان میں قرآن مجید اور درود شریف پڑھنا بدعت ہے، بالکل باطل اور دین پر افتراء ہے۔ قرآن پاک میں اللہ رب العزت عزوعلا تبارک وتعالیٰ نے تو ارشاد فرمایا:

"ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ' وسعی فی خرابھا ..... الآیۃ"

اس آیہ کریمہ میں ذکر مطلق ہے۔ اس کی تقلید اپنی طرف سے دین میں تحریف ہے۔ تفسیر "جلالین" میں اس اطلاق کے انکار کے لئے فرمایا بالصلوٰۃ والتسبیح زید کو اپنے اس قول باطل سے جلد توبہ کرنا لازم ہے۔

واللہ ھو الموفق واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم علمہ عز اسمہ اتقن واحکم"

العبد المعتصم بحبلہ المتین

کتبہ

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

علم غیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وہابیہ کا شبہ اور اس کا جواب

سوال :- قاضی خان میں ہے:" رجل تزوج امراۃ بغیر شھود فقال الرجل والمراۃ " خدائے راورسول راگواہ کردیم قالوا یکون کفرا لانہ اعتقد ان رسول اللہ ﷺ یعلم الغیب وھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت "

ایک مرد نے ایک عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا۔ پس مرد اور عورت نے کہا خدا اور رسول (جل جلالہ ﷺ) کو ہم نے گواہ کیا کہتے ہیں یہ کفر ہوگا اس لئے کہ اس نے یہ اعتقاد کیا کہ رسول اللہ ﷺ غیب جانتے ہیں اور حال یہ کہ وہ زندگی میں بھی غیب کو نہیں جانتے تھے پس بعد وفات کے کیونکر جان سکتے ہیں؟

الجواب :- معترض کا منشاء یہ ہے کہ معتقد علم غیب نبی ﷺ کی تکفیر فقہ سے ثابت کرے، مگر ابھی بھی اس کو یہ خبر نہیں کہ اس نے یہ کفر اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ قاضی خاں کی عبارت سے اگر کفر ثابت ہوتا ہے تو معتقد علم غیب نبی بھی (معاذ اللہ) کافر اور تمام مخالفین یعنی وہابی بھی کیونکہ وہ قائل ہیں کہ اللہ جل شانہ نے حضرت کو بعض غیوب کا علم عطا فرمایا ہے پس بموجب

عبارت قاضی خان کے ان کے کفر میں ان کی فہم کے ہو جب شبہ نہیں۔ آپ یہ کہیں گے وہابیوں نے حضور اقدس ﷺ کے لیے بعض غیوب کے علم کا بھی کب اقرار کیا ہے؟ ملا حظہ ہو اعلاء کلمۃ الحق صفحہ ۱۷ "اور بہت چیزیں اور امور غیب کے حق تعالیٰ نے آپ کو تعلیم فرمائے کہ ان کی مقدار حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔" اور "فیصلہ علم غیب" صفحہ ۱۳ میں مولوی ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری کے یہ الفاظ مسطور ہیں: "بھلا کوئی مسلمان کلمہ گو اس بات کا قائل ہو سکتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو امور غیبیہ پر اطلاع نہیں ہوتی ہے۔ مسلمان کہلا کر اس بات کے قائل ہونے والے پر خدا اور فرشتوں اور انبیاء اور جنوں بلکہ تمام خلق کی لعنت ہو۔" اور منکرین کے اقرار ابتدائے رسالہ میں مذکور ہو چکے ہیں۔

اجی اصل ہمارے مخالفین بھی بعض غیوب کا اقرار کر رہے ہیں اور ہم بھی بعض غیوب ہی کا اثبات کر رہے ہیں (۱) (کیونکہ جمیع اشیاء بھی بعض مغیبات ہیں) تو اگر معاذ اللہ قاضی خاں کی عبارت سے ہم پر الزام آئے گا تو ہمارے مخالفین ضرور کافر ٹھہریں گے۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را　　چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

اور اگر وہ کافر نہ ٹھہریں تو کیا ہم نے ہی خطا کی ہے، اب عبارت قاضی خاں پر غور فرمایئے کہ اس میں لفظ "قالوا" موجود ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور قاضی خاں وغیرہ فقہاء کی عادت ہے کہ وہ لفظ "قالوا" اس مسئلہ پر لاتے ہیں جو خود ان کے نزدیک غیر مستحسن ہو اور ائمہ سے مروی نہ ہو۔ چنانچہ شامی جلد ۵ صفحہ ۴۳۵ میں ہے:

"لفظة قالوا تذكر فيما فيه خلاف كما صرحوا به"

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث قنوت میں ہے:

"وكلام قاضي خان ليشير على عدم اختياره له حيث قال واذا صلى على النبي عليه الصلوٰة والسلام في القنوت قالوا لا يصلي عليه في القعدة الاخيرة ففي قوله قالوا اشارة الى عدم استحسانه له والى انه غير مروى عن الائمة كما قدناه فان ذلك من المتعارف في عبارتهم لمن استقرها والله تعالىٰ اعلم"

اب معلوم ہو گیا کہ قاضی خان کی عبارت خود قاضی خاں کے نزدیک غیر مستحسن اور غیر مروی اور ضعیف و مرجوح ہے تھی کہ اس کے ساتھ حکم کرنا سخت ممنوع اور جہل ہے۔ درالمختار میں ہے:

(۱) فرق اتنا ہے کہ ہم ان بعض کو اتنا وسیع جانتے ہیں کہ جمیع اشیاء کے علوم ان میں داخل ہیں اور مخالفین گفتی کے وہ ایک حبتی کہ یہ کہوائے ہیں کہ حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں معاذ اللہ اور بعض گستاخ تو یہاں تک بک اٹھتے ہیں کہ اپنے خاتمہ کا حال بھی معلوم نہیں، استغفر اللہ ۱۲

"ان الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق الاجماع"

درالمختار میں بھی یہی قاضی خان والا مسئلہ ہے وہاں بھی لفظ "قیل" ضعف کی دلیل موجود ہے۔ درالمختار کتاب النکاح میں ہے:

"تزوج بشهادة الله ورسوله ﷺ لم يجزبل قيل يكفر شامی میں ہے (وقوله يكفر) لانه اعتقد ان رسول الله ﷺ عالم الغيب قال فی التاتارخانية وفی الحجة ذكر فی الملتقط انه لا يكفر لان الاشياء تعرض على روح النبی ﷺ وان الرسل يعرفون بعض الغيب قال الله تعالىٰ عالم الغيب فلا يظهر علىٰ غيبه احدا الا من ارتضىٰ من رسولٍ"

خلاصہ یہ کہ جس نے کفر بتایا ہے کہ اس کے نزدیک اعتقاد علم غیب سبب ہے۔ تاتارخانیہ اور حجۃ میں ملتقط سے نقل کیا ہے کہ اس اعتقاد سے آدمی کافر نہیں ہوتا اس لئے کہ روح پاک نبی ﷺ پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں اور رسول بعض غیب کو جانتے ہیں فرمایا اللہ جل شانہ نے:

﴿عالم الغيب فلا يظهر ..... الخ﴾

معدن الحقائق شرح کنز الدقائق اور خزانۃ الروایات میں ہے:

"وفی المضمرات والصحيح انه لا يكفر لان الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام يعلمون الغيب ويعرض عليهم الاشياء فلا يكون كفرا"

یعنی مضمرات میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ کافر نہیں ہوتا اس لئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام غیب کے عالم ہیں اور ان پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں پس کفر نہ ہوگا۔ شامی باب المرتد میں مسئلہ بزازیہ ذکر کر کے فرماتے ہیں:

"حاصله ان دعوىٰ الغيب معارضة لنص القرآن يكفر بها الا اذا اسند ذلك صريحاً او دلالة الى سبب من الله كوحی والهام"

یعنی غیب کا دعویٰ نص قرآن کے معارض ہے پس اس کا مدعی کافر ہو جائے گا لیکن اگر اس نے صریحاً یا دلالۃً کسی سبب کی طرف نسبت کر لی ہے جو اللہ کی جانب سے ہو مثل وحی والہام وغیرہ کے تو کافر نہیں۔ درالمختار میں ہے:

"وفيها كل انسان غير الانبياء لا يعلم ما اراد الله تعالىٰ له وبه لان ارادته تعالىٰ غيب الا لفقهاء فانهم علموا ارادته تعالىٰ بهم لحديث الصادق المصدوق من يرد الله به خيراً يفقهه فی الدين"

غایۃ الاوطار میں اس عبارت کے تحت مسطور ہے اور اشباہ میں ہے کہ ہر آدمی سوائے انبیاء علیہم السلام کے جانتا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے اس کے ساتھ دارین میں اس واسطے کہ حق تعالیٰ کا ارادہ غیب ہے مگر فقیہ اس کو جانتے ہیں۔ اس

واسطے کہ وہ جان گئے ہیں حق تعالیٰ کے ارادہ کو جو ان کے ساتھ ہے، رسول صادق ومصدوق کی اس حدیث کی دلیل سے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین میں فقیہ کرتا ہے یعنی امر دین میں فہم سلیم عطا کرتا ہے۔

اب ظاہر ہو گیا کہ فقہ میں بھی جہاں انکار ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ بے تعلیم الٰہی کے کسی کو عالم غیب بتانا کفر ہے اور تعلیم الٰہی سے نبی ﷺ کے لئے ثابت ہے۔

العبد المعتصم بحبله المتين

کتبه

محمد نعيم الدين عفا عنه المعين

﴿دہریہ کا سوال اور اس کا جواب﴾

سوال:- ایک دہریہ کا سوال یہ ہے کہ ایک ملزم کا مقدمہ جج کے یہاں گیا اور اس پر ہر طرح سے جرم ثابت ہو گیا اس کے بعد ایک شخص کی سفارش سے جج نے اس کو بری کر دیا تو کیا جج نے انصاف کیا یا بے انصافی؟ اگر انصاف کیا تو کیسے؟

۲- دوسرا سوال یہ ہے کہ ہم کسی شخص کے نام سے فاتحہ وغیرہ پڑھیں تو وہ کس طرح پہنچتا ہے؟ کسی فرشتہ کے ذریعہ سے یا اور کسی طرح سے؟ اس کا جواب صحیح حدیث سے دیں۔

۳- تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر ہم کسی وقت میں کسی بزرگ کا واسطہ دیں تو جائز ہے یا ناجائز؟ اس کا بھی جواب صحیح حدیث سے اور مدلل عنایت فرمائیں۔

الجواب:- جرم مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ سب کے لئے ایک ہی حکم لگا دینا نہایت بے وقوفی ہے اگر جرم ایسا تھا جو کسی دوسرے کے حق سے متعلق ہوتا تھا یا اس کے معاف کر دینے سے کسی اور کا ضرر لازم آتا تھا تو اس کا معاف کرنا دوسرے کے ضرر اور اتلاف حق کا باعث ہے تو جب تک خود وہ صاحب حق معاف نہ کریں یا اس کی تلافی نہ کر دی جائے مجرم کو چھوڑ دینا خلاف حکمت ہے۔ مثلاً ایک شخص نے کسی سے کچھ روپیہ قرض لیا اور دینے سے انکار کرتا ہے ایسی حالت میں اگر قرض خواہ کے معاف کیے بغیر، یا اس کے نقصان کی تلافی کیے بغیر جرم معاف کر دیا جائے خواہ کسی سفارش سے یا کسی بے سفارش کے تو ضرور اس میں قرض خواہ کا نقصان ہوگا اور جج کا ایسا فیصلہ عدل وحکمت کے خلاف مانا جائے گا، البتہ اگر جج کے سمجھانے سے دست بردار ہو جائے یا جج قرض خواہ کو اس کا مطالبہ ادا کر دے اور امید یہ ہو کہ اس کے اس سلوک سے مجرم کے نفس کی اصلاح ہوگی تو ایسی حالت میں جج کا معاف کر دینا عین حکمت اور کمال رحمت اور عقل سلیم کے نزدیک نہایت مستحسن ہے اور اگر جرم

ایسا ہے جس کا تعلق حاکم کے سوائے کسی دوسرے شخص کے حق سے نہیں ہے مثلاً جج نے حاضری کا حکم دیا اور مجرم نے اس کی تعمیل نہ کی ایسے جرم کو اگر جج خود یا کسی کی سفارش سے معاف کردے تو وہ کریم المزاج اور نیک دل مانا جائے گا اور اس کا یہ فعل قابل تعریف ہوگا، شریعت میں یہ قسم ثابت ہے:

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ' اتم واحکم

۲:- فاتحہ میں قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے اور صدقہ دیا جاتا ہے اور تلاوت وغیرہ عبادات بدنیہ ومالیہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، اہل سنت کا مذہب اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

"ان رجلاً قال لرسول اللہ ﷺ ان امی توفیت اینفعها ان تصدقت عنها قال نعم"

کہ ایک شخص نے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے عرض کیا کہ میری ماں کا انتقال ہوگیا اگر میں صدقہ دوں تو کیا اس کو نفع دیگا؟ فرمایا ہاں" اس مضمون کی احادیث بخاری ومسلم میں وارد ہیں شرح الصدور میں ہے:

"اخرج ابوالقاسم سعد بن علی الزبحانی فی فوائدہ عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الکتاب وقل هو اللہ احد والهکم التکاثر ثم قال جعلت ثواب ما قرأت من کلامک لا هل المقابر من المؤمنین و المؤمنات کانوا شفعاء له الی اللہ تعالیٰ ؕ"

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص داخل ہو قبرستان میں پھر "فاتحۃ الکتاب، قل هو اللہ اور الهکم التکاثر" پڑھے پھر کہے میں نے جو تیرا کلام پڑھا اس کا ثواب میں قبرستان کے مومنوں اور مومنات کو دیتا ہوں تو وہ اس کے بارگاہ الٰہی میں شفیع ہوں گے۔ اب رہی یہ بات کہ مردوں کو فائدہ پہنچے اور ثواب ملنے کا کیا طریقہ ہے؟ اللہ تعالیٰ کے طریقوں کو کون شمار کرسکے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میت کو قرآن پاک کی آواز سے انس بھی ہوتا ہے اور اس کے کلمات طیبات سے راحت پہنچتی ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

"وقرأة اٰیة الکرسی وسورة الاخلاص والفاتحة وغیر ذلک رجاء ان یونس الموتیٰ"

اور یہ بھی احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن کی سورتیں اور آیتیں خود شفاعت کرتی ہیں جیسا دارمی نے خالد بن معدان سے روایت کیا کہ ایک شخص الم تنزیل پڑھا کرتا تھا اور تھا بہت گنہگار اس کی قبر میں سورۂ مبارکہ نے اس پر اپنے بازو پھیلا کر عرض کیا یارب اس کی مغفرت فرمایہ مجھ کو بہت پڑھا کرتا تھا۔

"کما فی المشکوٰة واخرج الطبرانی فی الاوسط عن انس سمعت رسول اللہ ﷺ ما من اهل بیت منهم میت فیتصدقون عنه بعد موته الا اهداها له جبریل علی طبق من نور ثم یقف علی شفیر القبر فیقول یا صاحب القبر العمیق هذه هدیة اهداها الیک اهلک فاقبلها فتدخل

علیہ فیفرح بھا ویستبشرون ویحزن جیرانہ الذی لا یھدی الیھم شیٔ"

طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والتحیات فرماتے ہیں کہ بس گھر والوں کا کوئی مر جائے اور وہ اس کے لئے صدقہ دیں تو حضرت جبریل علیہ السلام اس کو طبق نور میں لے کر پہنچتے ہیں اور اس کی قبر کے کنارہ پر کھڑے ہو کر فرماتے ہیں کہ اے گہری قبر والے یہ ہدیہ ہے جو تجھے تیرے گھر والوں نے بھیجا ہے اس کو قبول کر وہ ہدیہ یہ اس کو پہنچتا ہے اور وہ خوش ہوتا ہے اور اس کے پڑوسی غمگین ہوتے ہیں جنہیں ہدیہ نہیں پہنچتا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۳۔ بزرگانِ دین واولیاء کا وسیلہ واسطہ بلاشبہ جائز ہے بخاری شریف میں حدیث ابدال کے آخر میں ہے:

"بھم تمطرون وبھم تنصرون و بھم ترزقون"

کہ انہی کی بدولت تم پر مینہ برستا ہے اور انہی کی برکت سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور انہی کے صدقہ میں تم سیراب کئے جاتے ہو۔ اسی طرح امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بوسیلہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعائے بارش کرنا اور بکثرت احادیث سے توسل کا جواز ثابت ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

العبد المعتصم بحبلہ المتین

کتبہ

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

☆☆☆☆☆

وہابی کس کو کہتے ہیں اور سنی کس کو کہتے ہیں

کیا فرماتے ہیں حضرات علماء ملت اہل سنت و جماعت ان امور ذیل میں کہ:

۱:- وہابی کس کو کہتے ہیں اور غیر مقلد کس کو؟ اور دونوں کے عقائد ایک ہیں یا کچھ فرق ہے؟ اور ان لوگوں کی علامات ظاہری کیا ہیں؟ اور یہ لوگ دائرہ اہل سنت و جماعت میں داخل ہیں یا مثل اور فرق ضالہ کے اہل سنت و جماعت سے خارج؟ اور ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا یا ان لوگوں کو مساجد میں آنے دینا از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ اور ان لوگوں سے میل ملاپ، سلام کلام، بیاہ شادی وغیرہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۲:- مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کی کتاب "تقویۃ الایمان" کیسی کتاب ہے اس کے جملہ مضامین اہل سنت و جماعت کے موافق ہیں یا مخالف اور مولوی صاحب مذکور کا عقیدہ کیسا تھا؟ سنا جاتا ہے کہ ان کو امام الوہابیہ ہند کہا جاتا ہے۔ تو آیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

۳:- علمائے دیوبند سچے مقلد حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں یا نہیں اور ان حضرات کے عقائد اہل سنت و جماعت کے موافق ہیں یا مخالف اور دیوبندی عقائد والوں کے پیچھے نماز پڑھنا ان سے بیعت ہونا ان سے بیاہ شادی کرنا، ان کا ذبیحہ کھانا، ان سے میل ملاپ، سلام کلام از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟

۴:- سنی کسے کہتے ہیں اور اس کی تعریف کیا ہے؟

۵:- جناب حضرت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرحوم و مغفور اس چودویں صدی میں حکیم امت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ شیخ الاسلام والمسلمین کہے جاتے ہیں تو آیا یہ حق ہے یا باطل؟ اور مولانا مذکور و موصوف واقعی اس پایہ کے بزرگ تھے یا نہیں؟ بریلوی اور دیوبندی علماء عقائد میں بڑا اختلاف ہے تو آیا ان دونوں فریق میں کونسا فریق حق پر ہے؟ مفصلاً جواب نمبر وار بحوالہ کتاب ایسے عام فہم صورت میں عنایت فرمایئے تا کہ بخوبی سمجھ میں آجائے۔ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب"

المستفتی محمد عبد الحمید سنی حنفی خادم مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ نگ پور شریف ڈاکخانہ جلالپور ضلع فیض آباد

الجواب:- بسم اللہ الرحمن الرحیم ☆ نحمدہ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم ☆

۱:- وہابی اور غیر مقلد دونوں عبدالوہاب نجدی کے مقلد ہیں "کتاب التوحید" اور "تقویۃ الایمان" کو دونوں مانتے ہیں مسلمانوں کو دونوں مشرک کہتے ہیں ایصال ثواب کے طریقوں اور بزرگان دین کی زیارت اور ان کی تعظیم و محبت سے دونوں

کہ عداوت ہے۔ بزرگان دین کی جناب میں گستاخ دونوں ہیں۔ عقائد میں ایک دوسرے کے بہت موافق ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ایک دعوی تقلید کا کرتے ہیں اور دوسرے بالا علان تقلید ائمہ کے منکر ہیں اور درحقیقت نجدی کے مقلدین سے جو اپنے آپ کو مقلد کہتے ہیں ان کا دعوی تقلید بھی نمائشی ہے ردالمختار میں ہے:

" كما وقع فى زماننا فى اتباع عبدالوهاب الذين خرجوا من نجد وتغلبوا على الحرمين وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا بذلك اهل السنة وقتل علماء هم حتى كسر الله شوكتهم وخرب بلادهم وظفر بهم عساكر المسلمين عام ثلث و ثلثين ومئتين والف "

یہ لوگ گمراہ بے دین ہیں ان کے پیچھے نماز ناجائز، اختلاط ومصاحبت ممنوع:

" اياكم واياهم لايضلونكم ولا يفتنونكم ..... الحديث "

ان کے ساتھ مناکحت میل ملاپ ابتداء بسلام نادرست، مسلمانوں کو ان کی صحبت سے پرہیز لازم۔

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

۴:- سنی وہ ہے جو سید عالم ﷺ اور اصحاب کبار اور ائمہ مجتہدین کے متبع ہیں یہی جماعت ہیں یہی سواد اعظم یہی ظاہرین علی الحق، یہ ہر بے دین کے کید سے محفوظ رکھنے کے لئے مستعد رہتے ہیں۔ انبیاء واولیاء کی محبت وتوقیر، ذکر الٰہی کی کثرت ان کی ایک ظاہر علامت ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۵:- اعلیحضرت قدس سرہ' نے اپنی مبارک زندگی دین کی خدمت میں صرف فرمائی ان کے علمی فیوض برکات سے دنیا کو بڑے قیمتی فائدے پہنچے، اسلام وسنت کی تائید وتقویت ہوئی، ہر گمراہ بے دین کیادی کے آپ نے پردے فاش کردیے، ان کے کمالات اس سے زیادہ ہیں جو سوال میں مذکور ہیں، قدس سرہ وروح روحہ آمین۔

العبد المعتصم بحبله المتين

کتبہ

محمد نعیم الدین عفا عنه المعین

فتویٰ دربارہ گلیم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

علماء دین ذیل کے مسائل میں کیا فرماتے ہیں:

سوال :- ﴿یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ﴾ اے کملی اوڑھنے والے، تو آیا یہ کملی کیسی تھی جو آج کل کے درویش اوڑھتے ہیں یا کسی کملی تھی؟ کس جانور کے اون کی تھی اور اس کا تانا کیسا تھا اور بانا کیسا تھا اور کس کے ہاتھوں کی بنی ہوئی تھی اور اگر سوت کی تھی تو سوت کیسا تھا اور کس زمین پر وہ کپاس بوئی گئی تھی اور کس نے اس سوت کو کاتا تھا، مہربانی فرما کر قرآن، حدیث، فقہ شریف سے جواب عطا فرمایئے کتاب وصفحہ کا حوالہ ہو؟

سوال ۲:- حضرت آدم اور اماں حوا علی نبینا وعلیہما السلام کو جب خداوند کریم نے حکم دیا تھا کہ جنت کے اندر گندم کے قریب کے پاس نہ جانا اور نہ اس کا پھل کھانا تو شیطان لعین نے دھوکہ دے کر اماں حوا علی نبینا وعلیہا السلام کو وہ دانہ کھلا دیا اور اماں حوا نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہما السلام کو کھلا دیا تو خداوند کریم نے حضرت آدم علیہ السلام کو سر اندیب میں رکھا اماں حوا علی نبینا وعلیہا السلام کو جدہ شریف میں رکھا اتنا حکم نہ ماننے پر تو خداوند کریم نے جب ملائکہ کو حکم دیا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو شیطان لعین نے نہیں کیا تھا تو خداوند کریم نے اس حکم کے نہ ماننے پر شیطان کو کونسی زمین میں رکھا اس زمین کا کیا نام ہے اور کہاں ہے اور اس کا مفصل حال دیں۔ قرآن وحدیث، فقہ شریف سے کتاب کا صفحہ کا حوالہ ضرور ہو؟

سوال ۳:- نجدی مردود، وہابی ملعون دیوبندی شیطان کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بعض مولوی کہتے ہیں کہ نماز تو فاجر فاسق کے پیچھے بھی درست ہے اور حدیث شریف بتاتے ہیں کہ ثبوت حدیث شریف ہے اور داڑھی کٹے کے پیچھے کیا حکم ہے؟

سوال ۴:- بعض حافظ سجدۂ تلاوت جو عم کے پارہ کی سورۂ علق کے اخیر پر ہے وہ سجدۂ تلاوت نہیں دیتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ مہربانی فرما کر ہر ایک کا جواب عطا فرمایئے اردو عبارت کے ساتھ عربی عبارت ضرور ہو قرآن وحدیث اور فقہ شریف سے۔

سوال ۵:- اگر پیش امام قرأت کے اندر رک جائے فرضوں میں تو اس کو لقمہ دینا چاہئے یا نہیں؟ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا کیا حکم ہے؟

سوال ۶:- اگر صبح کو پیش امام کھڑا ہے اور مقتدی سنت صبح کی ادا نہ کرے اور امام سے مل جائے تو سنت کب ادا کرے سورج جب نکلے تو پڑھے یا فرض ختم کر کے پڑھ سکتا ہے؟

المستفتی فقیر حقیر محمد نور

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ☆ نحمدہ و نصلی حبیبہ الکریم ☆

۱:- قرآن کریم میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی ایک ادائے خاص کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب فرما کر آپ کی محبوبیت کا اظہار فرمایا گیا ہے، اوان یا سوت کی کوئی خصوصیت اس خطاب کا باعث نہیں، جو کپڑا بھی تن نازنین وجسم اقدس پر ہے اس سے حضور کو کچھ فضیلت نہیں، ہر چیز کو حضور سے شرف ہے۔ منظور تو محبوب کی وداہے جو وقت نزول وحی تھی، اس لئے اس لباس کے تانہ بانہ کا دریافت کرنا بیکار ہے۔ ''من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ'' دیکھنا ہے کہ ابتدائے حال میں وحی کی عظمت کا اثر جو قلب مبارک پر ہوا اس سے بدن اقدس پر کچھ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ جامہ اقدس میں لپٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ اس ادائے محبوبانہ کو پسند فرما کر تسکین خاطر اقدس کے لئے آپ کے اسی حال سے آپ کو مخاطب فرما کر ملاطفت وکرم کا اظہار فرماتا ہے کہ آپ کی یہ ادا محبوب ہے حتی کہ ہم اسی ادا سے خطاب فرماتے ہیں۔

" قال السهيلي انما المزمل اسم المشتق من حاله التي كان عليها حين الخطاب وكذلك المدثر و في خطابه ﷺ بهذا الاسم فائدتان احدا هما الملاطفة والله سبحنه تعالى اعلم "

۲:- حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو شجر ممنوعہ سے کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیجا، یہ روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سراندیپ میں اور حضرت حوا جدہ میں اور اس میں حکمت الٰہیہ تھی خلافت کا اظہار اور اس کے احکام کا اجراء اسی طرح مقدر ہوا تھا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو براہ کرم کلمات توبہ کی تلقین فرمائی اور توبہ قبول کی۔ قرآن پاک میں فرمایا:

﴿ فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾

آدم وحوا کے ساتھ توبہ کرم ہوا اور ابلیس لعین کا نام سریانی زبان میں ''عزازیل'' اور عربی میں ''حارث'' تھا، جب اس نے نافرمانی کی تو اس کے نام کو بدل کر ''ابلیس'' رکھا گیا۔ جس کے معنی مایوس از رحمت ہیں اور اس کی صورت تبدیل کر دی گئی اور ذلت ورسوائی کے ساتھ اس کو زمین کی طرف بانک دیا قیامت تک اس کو آسمان زمین میں مورد لعنت بنایا۔ شیطان مقام الیہ میں پھینکا گیا جو مضافات بصرہ سے ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾

دوسری آیت میں فرمایا:

﴿ قَالَ اهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴾

تیسری آیت میں فرمایا:

﴿ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَدْحُوْرًا ۔ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾

تفسیر خازن جلد اول صفحہ ۴۷ میں ہے:

"سمی به لانه ابلیس من رحمة الله ای یئس و کان اسمه عزازیل بالسریانیة و بالعربیة حارث فلما عصی غیر اسمه فسمی به لانه ابلیس وغیرت صورته"

یہ واقعہ کا مختصر بیان تھا شیطان کی شامت و بدنصیبی کا انجام تو آخرت کا دائمی عذاب شدید ہے مگر سائل کا منشاء معلوم نہیں۔ اس کی اس سوال سے کیا غرض ہے؟ مومن کو یقین کامل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام احکام سراسر حکمت وعدل ہیں۔ اس پر کوئی خدا شناس اعتراض کی جرأت نہیں کرسکتا، بندوں کو عقل ہی کتنی کہ وہ حضرت حکیم علی الاطلاق کی حکمتوں کو سمجھ لینے کا دعویٰ کریں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو توفیق نیک عطا فرمائے اور شر نفس شیطانی سے بچائے، آمین۔

واللہ تعالیٰ اعلم

وہابی کی امامت کا حکم:-

۳:- داڑھی منڈا فاسق ہے اور ہر فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی "فان فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علینا اهانته شرعاً فی ردالمحتار" لیکن اس کے پیچھے نماز بکراہت ہوجاتی ہے اور وہابی بے دین، منکر ضروریات دین خارج از اسلام ہے اس کے پیچھے کسی طرح نماز نہیں ہوتی بلکہ اس کو امام بنانا شریعت کی نافرمانی اور سخت جرم ہے۔ حدیث میں:

"صلوا خلف کل بر وفاجر" آیا ہے کافر نہیں آیا، اس لئے اس حدیث سے وہابی کی امامت پر استدلال باطل ہے،

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

۴:- قرآن پاک میں چودہ آیتیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے سننے سے سجدہ واجب ہوتا ہے۔ سورہ علق کی آخری آیت بھی انہی آیات میں سے ہے۔ جو حافظ اس کا سجدہ ادا نہیں کرتا وہ تارک واجب اور گناہگار ہے کنز الدقائق میں ہے:

"سجود التلاوة تجب باربعة عشر اية" منتخص الحقائق میں ہے: "وایات السجدة فی اخر الاعراف والرعد والنحل وبنی اسرائیل ومریم واولی الحج والفرقان والنمل والم التنزیل السجدہ والصاد وحم والنجم واذا السماء انشقت واقرا" واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ عزاسمہ اتقن واحکم۔

۵:- اگر امام قرأت میں رک گیا اور مقتدی نے لقمہ دیا تو جائز ہے۔ اس سے کسی کی نماز میں نقصان نہ آیا، نہ امام کی نہ مقتدی کی، البتہ اگر امام قدر مایجوز بہ الصلوٰۃ پڑھ چکا ہو یا دوسری آیت شروع کردے تو بہتر ہے کہ نہ بتائے اور امام سے رکے

ی فرمانہ بتانا چاہے تھوڑا توقف کرے کہ شاید اس کو خود یاد آجائے، فتاوی عالمگیری میں ہے:

" والصحیح انه لا یفسد صلوة الفائح لکل حال ولا صلوة الامام لواخذ منه علی الصحیح هکذا فی الکافی ویکره لمقتدی ان یفتح علی امامه من ساعة فیصیر قارئا خلف الامام من غیر حاجة کذا فی المحیط السرخسی ، والله تعالی اعلم وعلمه اتم واحکم "

۲:- سنت فجر اگر تنہا رہ گئی اور فرض پڑھ لئے گئے تو اس کی قضا لازم نہیں، البتہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک بہتر ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد زوال سے پہلے پہلے پڑھ لے لازم نہیں اور آفتاب کے طلوع سے قبل اور زوال کے بعد بالاتفاق سنتوں کی قضا نہ پڑھی جائے گی۔ مراقی الفلاح میں ہے:

" ولم تقض سنة الفجر الا بفواتها مع الفرض الی الزوال وقال محمد رحمه الله تقضی منفردة بعد الشمس قبل الزوال فلا قضاء لما قبل الشمس ولا بعد الزوال اتفاقا " طحطاوی علی مراقی الفلاح میں هے " قیل لا خلاف بینهم فی الحقیقة لانهما یقولان لیس علیه القضاء وان فعل لا باس به و محمد رحمه الله یقول احب الی ان یقضی وان لم یفعل لا شیء علیه ، والله سبحنه تعالیٰ اعلم وعلمه عزاسمه اتقن واحکم "

العبد المعتصم بحبله المتین

کتبہ

محمد نعیم الدین عفا عنه المعین

﴿استفتاء﴾

سوال ۱:- جوامام حدِ شرع سے داڑھی کم رکھے اس کے پیچھے نماز کیسی ہے؟

۲:- جوامام سود خواروں کے گھر کھانا کھائے یا ان کی خوشامد کرے، اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

۳:- مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:- بسم الله الرحمن الرحیم ☆ نحمده ونصلی علی رسوله الکریم ☆

۱:- داڑھی رکھنا شعار اسلام اور اس کا کٹانا قدر قبضہ پہنچنے سے قبل حرام بخاری شریف و مسلم شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور اقدس علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

" خالفوا المشرکین احفوا الشوارب واوفروا اللحی "

یعنی مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ، ایک اور حدیث مسلم شریف میں بدیں الفاظ وارد ہے:

"ان رسول الله ﷺ امرنا حفاء الشوارب واعفاء اللحية"

یعنی حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مونچھیں پست کرنے اور داڑھی بڑھانے کا امر فرمایا۔ احیاء العلوم میں ہے:

"ردعمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه وابن ابی الیلیٰ قاضی المدینة شهادة من کان ینتف لحیة"

یعنی حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قاضی مدینہ ابن ابی لیلیٰ دونوں پیشوایان اسلام نے داڑھی چننے والے کی شہادت (گواہی) رد فرمادی، نیز اسی میں ہے:

"شهد رجل عند عمر بن عبدالعزیز بشهادة وکان ینتف لحیة فرد شهادته"

ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کوئی گواہی دی اور وہ داڑھی کچھ چنا کرتا تھا۔ حضرت خلیفہ نے اس کی شہادت رد فرمادی، درمختار میں ہے:

"یحرم علی الرجل قطع لحیة"

جب ثابت ہوگیا کہ داڑھی ایک مشت سے کم کترانا یا منڈوانا ممنوع ہے تو اس کا عامل اور مصر فاسق ہوا اور فاسق کی امامت مکروہ:

"لما فی عامة المتون والشروح والفتاویٰ من کراهة امامة الفاسق"

۲:- سودخوار کے گھر کا کھانا حرام نہیں، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کھانا مال حرام سے تیار کیا ہوا ہے یا اس کے پاس کوئی مال حلال موجود ہی نہ ہو اور خوشامد اگر ترغیب دین اور اصلاح حال کے لئے ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

۳:- بے عذر مسجد میں جنازہ لانا اور نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے:

"لحدیث ابی داؤد من صلیٰ علیٰ میت فی المسجد فلا صلوة له"

واللہ سبحنہ اعلم

کتبہ

العبد المعتصم بحبله المتین

محمد نعیم الدین عفا عنه المعین

تجوید کا سیکھنا ضروری ہے یا نہیں؟

منبع علم وفضل، چشمہ فیض وکرم عالی جناب قبلہ حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب دام ظلہم والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

قرآن شریف آیا تجوید سیکھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور جو شخص حروف کو صحیح ادا نہ کر سکتا ہو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

کمترین احمد دین

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قرآن کریم میں ترتیل یعنی حروف کا جدا جدا ان کی صفات پر ادا کرنا، اوقاف وحرکات کا لحاظ رکھنا، تغیر وتبدل سے بچانا اور تجوید کا بقدر ضرورت سیکھنا فرض ہے۔ اللہ سبحانہ نے ارشاد فرمایا ﴿ورتل القرآن ترتیلاً﴾

تفسیر مدارک میں ہے:

"وترتل القرآن بین وفصل من الشعر المرتل ای مفلج الاسنان وکلام بالتحریک ای رتل وتغیر رتل ایضا اذا کان مستری البنیان او اقراء علی تودہ بتبیین الحروف وحفظ الوقوف واشباع الحرکات ترتیلا ھو تاکید فی ایجاب الامر بہ وانہ لا بد منہ للقاری"

تفسیر خازن میں ہے:

" قال ابن عباس بینہ بیانا وایضاً اقراء ہ علی ھینتک ثلاث ایات او اربعاً او خمساً وقیل الترتیل ھو التوقف و الترسل والتمھل الافھام وتبیین القراء ۃ حرفاً حرفاً آثرہ فی الر بعض المد والاشباع والتحقیق و ترتیلاً تاکید فی الامر بہ وانہ لا بد للقاری منہ"

اب ثابت ہوا کہ قرآن پاک میں ترتیل فرض ہے۔ تفسیر اتقان میں ہے:

"لیس تحسین الصوت بالقراء ۃ وتزینھا لحدیث ابن حبان وغیرہ زینوا القران باصواتکم وفی لفظ الدارمی حسنوا القران باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القران حسناً واخرج البزاز وغیرہ حدیث حسن الصوت زینۃ القران وفیہ احادیث صحیحۃ کثیرۃ فان لم یکن حسن الصوت حسنہ فاستطاع یجب لا یخرج الی التمطیط"

اگر اس طرح کی تغییر ہو جس سے معنی بدل جائیں اور ایسے بدل جائیں کہ جن کا اعتقاد کفر ہو تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ان سے ایسے معنی نہ پیدا ہوں لیکن اس تغیر کا مثل قرآن پاک میں نہ ہو اور تغیر فاحش ہو تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی جیسے کسی نے "ھذا العراب" کی جگہ "ھذا الحمار" پڑھ دیا اور اگر قرآن پاک میں اس کا مثل نہ ہو اور اس کے کچھ معنی نہ ہوں جیسے سوالوں کی جگہ سوائل پڑھ دیا تو بھی نماز فاسد ہو گئی اور اگر قرآن پاک میں اس کا مثل ہو اور معنی بعید ہوں اور تغیر فاحش نہ ہو تو بھی امام صاحب کے نزدیک نماز فاسد ہو گی اور اس قول کے ساتھ اخذ کیا جائے گا۔

ردالمختار میں ہے:

" والقاعدة عند المقدمين ان ما غير المعنى تغيرا يكون اعتقاده كفراً مفسداً في جميع ذلك سواء كان في القران اولا الا ما كان من تبديل الجمل مفصولاً بوقت تام وان لم يكن التغير كذلك فان لم يكن مثله في القران ولا معنى له كالسرائل بلام مكان السرائر وان كان مثله في القران والمعنى بعيد ولم يكن متغيراً فاحشاً تفسد ايضاً عند ابى حنيفة و محمد وهوا لاهوط "

اور اسی میں ہے:

" فالاولى الاخذ بقول المتقدمين لانضباط قواعدهم وكون قولهم احوط والله سبحنه اعلم".

العبد المعتصم بحبله المتين

کتبہ

محمد نعیم الدین عفا عنه المعین

نماز جمعہ

وہابیہ کی مچلی نہ بیٹھنے والی طبیعت مسلمانوں میں اختلاف ڈالنے کے لئے آئے دن ایک نہ ایک شغوفہ چھوڑتی رہتی ہے۔ ان صاحبوں کو مزا ہی نہیں آتا جب تک نزاع و جدال کی گرم بازاری نہ ہو اس کا راز یہ ہے کہ خود ان کی گرمی بازار بھی اسی میں منحصر رہ گئی ہے۔ نئی نئی باتیں نکالنا اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی خدائی الگ سے علیحدہ چنانا ان کا شیوہ ہے، اطمینان سے بیٹھی ہوئی مخلوق کو اختلاف کی کشاکش میں مبتلا کرنا اور بیٹھے بٹھائے لوگوں کو بیکار بحث میں ڈال کر پریشان کرنا ان صاحبوں کے پسندیدہ مشاغل ہیں۔ کبھی کوا حلال کیا تو مدتوں کائیں کائیں رہیں، ملک بھر میں طوفان مچا۔ صدہا رسالے تصنیف ہوئے۔ سیکڑوں فتوے لکھے گئے۔ لوگوں نے یقین نہ کیا کہ وہابی مولوی کوا کھا سکیں گے اگرچہ ضد میں فتوے دے چکے

ہیں۔ مگر طبیعت کیسے گوارا کرے گی، اس بناء پر بہت سے صاحبوں نے کوّے پکایا کر وہابی مولویوں کی دعوتیں کیں، یقین رکھئے کہ مولوی صاحب کہنے کو تو کہہ گئے ہیں مگر ان سے کوّا کھایا نہ جائے گا کیا خبر تھی کہ جناب کا مزاج بھی بہت ہی نفیس واقع ہوا ہے۔ برغبت تمام کوّے کھا گئے اور کھلانے والوں کو نفرت آئی، انہوں نے جن برتنوں میں پکایا اور کھلایا تھا وہ مولوی جی کے سامنے لا کر توڑ ڈالے، مگر وہابی مولویوں کی جرأت اور ہمت بھی قابل تعریف ہے جھڑکے سے کوّے کھائے اور مسلمانوں کو چڑانے کے لئے کوّے مار کر اپنے دروازوں پر لٹکائے۔ علماء اہل سنت نے رد لکھے، شعراء نے ہجویں کہیں مضحکے اڑائے تب کہیں کوّا خوری کا سلسلہ مدت کے بعد موقوف ہوا۔

ایک زمانہ میں وہابی صاحبوں نے بکرے کے کپورے حلال کر دیے، فتاویٰ رشیدیہ میں اس کا فتویٰ بھی درج ہوا۔ علماء اہل سنت نے اس کے رد لکھے، ملامتیں فرمائیں تب اس کا شور کم ہوا۔ معلوم نہیں اندرون خانہ اب بھی کھا لیتے ہیں یا نہیں؟ اس طرح نئے نئے اختلاف پیدا کرنا ان کی خصلت ہے، آج کل (۱۳۵۰ھ) مراد آباد میں "جمعہ" کے خلاف علم بلند کر رکھے ہیں اور جا بجا مساجد میں کوششیں کرتے پھر رہے ہیں کہ جمعے بند ہو جائیں۔ صرف ایک جامع مسجد میں جمعہ ہوا کرے اور اس پر اتنا زور دیا جاتا ہے کہ اتنا زور انہوں نے کسی فرض کے لئے نہیں دیا، کسی حرام کے ترک کرانے کے لئے ایسی کوشش نہیں کی۔ ہاں گاندھی پرستی کے ذوق میں کچھ دنوں کے لئے شراب کی دوکانوں پر پکٹنگ لگائے جاتے تھے اور اس کو حکم شرع بتایا جاتا تھا مگر معلوم نہیں کہ ان کی وہ شریعت جس میں بحکم گاندھی پکٹنگ فرض تھا اب منسوخ ہو گئی یا مر گئی یا اب کوئی نیا حکم شراب کی حلت کا ان صاحبوں کو کہیں سے موصول ہو گیا کہ اب کہیں بھی کوئی وہابی صاحب پکٹنگ کرتے نظر نہیں آتے اور شراب کو روکنے کے لئے اب کوئی جماعت نہیں اٹھتی، گاندھی اردن سمجھوتہ ہوا اور وہابیوں کی شریعت بدل گئی۔

آج کل جمعہ بند کرنے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں، مطلب تو اتنا ہے کہ مسجد جامع مراد آباد میں وہابیہ کا عمل دخل ہے۔ سب مسجدوں کے جمعے بند کر دیئے جائیں تو یہاں مجمع خوب ہو اور یار لوگوں کو چندے کے شکار کھیلنے کے لئے ہر اجرا لہانا غزال آمود جنگل مل جائے اور دل کھول کر جیبوں کی خبر لینی شروع کریں۔ چندے مانگنے کی تو ان صاحبوں کو بہت مشق ہے۔ جامع مسجد کی توسیع کے لئے عام طور پر مسلمانوں سے چندہ کیا جا رہا ہے۔ اہل سنت کے سامنے ہاتھ پھیلائے جاتے ہیں۔ ان سے چندے لئے گئے اور حالت جامع مسجد کی یہ ہے کہ اس کو وہابی لوگ آبائی میراث کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ ہر مذہب وہاں آ کر تقریر کر سکتا ہے۔ ہر فرقہ کے لوگ آ کر وعظ کر جاتے ہیں، داڑھی منڈے جامع مسجد میں بے دریغ تقریریں کرتے ہیں، مگر علماء اہل سنت کو کبھی اس کا موقع نہیں دیا جاتا ہے، نہ ان کو نماز پڑھانے کی اجازت ملتی ہے نہ وعظ فرمانے کی، چندہ لیتے وقت تو مسجد عام مسلمانوں کی بتائی جاتی ہے، مگر عمل دخل اس میں وہابیوں کا، شہر میں کثیر تعداد کرنے

والا نہیں کہ ایک مہینہ کے چار جمعوں میں سے دو ہی جمعوں میں سنی امامت کیا کریں اور وہ عنقا فرمایا کریں، اس پر یہ غونہ ہے کہ شہر کی مسجدوں کے دھنے موقف کر دیے جائیں، اہل سنت کے نزدیک وہابی امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی تو کیوں اپنی نمازیں کھو میں گے ہاں اگر یہی منظور ہے کہ ایک ہی جگہ نماز ہوا کرے، تو کوئی خالص سنی امام کی اقتداء میں عذر نہ ہونا چاہئے مگر وہابیوں کا تعصب اور خود غرضی اس کو کب گوارہ کر سکتی ہے۔ علاوہ بریں شہر کی مساجد سے جمعہ بند کرنے میں مسلمانوں کو کیسی دقتوں اور مصیبتوں کا سامنا ہے۔ مزدور طبقہ جس کو ٹھیک دوپہر کو تھوڑی سی فرصت ملتی ہے، گھر آتا ہے، کھانا کھاتا ہے، غسل کرتا ہے، کپڑے بدلتا ہے اور اب اسے مزدوری پر حاضری کا وقت بہت ہی کم رہ جاتا ہے، تو وہ اپنے قریب کی مسجد یا جہاں اسے نماز تیار ملے، جمعہ ادا کر لیتا ہے۔ مریض اور ضعیف اور سن رسیدہ اشخاص جو زیادہ دور نہیں چل سکتے محلہ کی مسجدوں میں بآسانی نماز ادا کر لیتے ہیں۔ اگر محلہ کی مسجدوں میں نمازیں بند کر دی جائیں تو آدھے آدمی اپنی ضرورتوں اور کاموں کی وجہ سے جامع مسجد نہ پہنچ سکیں، باقی میں سے کچھ ضعیفی، بیماری کی وجہ سے نہ جا سکے اور بہت سے سستی کاہلی سے اس دور دراز مسافت کو طے کرنے سے ہمت ہار جائیں، بہت تھوڑے ایسے ہوں گے جو ہمت باندھ کر جامع مسجد پہنچیں گے۔ بلکہ تجربہ اس سے بھی زیادہ تلخ ہوا کہ جن مسجدوں سے بعد موقف کیا گیا۔ وہاں کے بہت سے آدمی صرف جمعہ ہی سے نہیں بلکہ نماز ظہر سے بھی محروم رہ گئے۔ دینی امور میں لوگ بہت سست اور کاہل ہو گئے ہیں۔ ایسے وقت میں یہ نیکی و نیک خواہی تو نہ ہوئی بلکہ بدی و بدخواہی ہو گئی مگر وہابی صاحبان اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں اس میں سے کسی بات پر نظر نہیں ڈالتے شہر کی کثیر مساجد میں ہمیشہ سے جمعہ کی نمازیں ہوتی ہیں، وہابی بھی جامع مسجد کے سوا بکثرت مسجدوں میں نمازیں پڑھتے ہیں، وہابی مولوی اپنے گروہ کی مسجدوں میں امامت کرتے ہیں، گاندھی اردن سمجھوتہ سے پہلے وہابی صاحبوں نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔ اس وقت تک یہ تمام نمازیں بے دریغ جائز و درست تھیں، مگر اب کی برسات میں رُت بدلی۔ گاندھی گول میز کانفرنس کی مخالفت سے باز آئے اور اپنے اصول کو خیر باد کہہ کر ولایت روانہ ہوئے اور وہابی مولوی صاحبوں کا مسئلہ بدلا مساجد شہر میں نماز جمعہ بند کرنے کے احکام صادر کئے گئے کوششیں شروع ہوئیں وہ نمازیں جو اب تک بے خدشہ جائز تھیں قابل ممانعت ٹھہریں، شہر میں ان کا چرچا ہوا عام لوگوں کو تشویش ہوئی کہ مسئلہ ایک دم کیوں بدل گیا؟ تو وہابی صاحان نے جلے کٹے اور اس کی معذرت یہ کی کہ ہم اب تک غلطی پر تھے۔ ہم کوئی فرشتے نہیں ہیں معصوم نہیں ہیں۔ اب ہمیں اپنی غلطی پر تنبہ ہوا تو ہم اس مسئلہ کا اجراء کرتے ہیں۔ کیا اگر کوئی شخص عمر بھر نماز نہ پڑھے پھر کسی وقت نماز پڑھنا چاہے تو اس کو روکو گے؟ ایسے ہی ہم اس مسئلہ میں غلطی پر تھے، ہمیں سب سے پہلے اس مسئلہ کو اٹھانا چاہئے تھا، لیکن اب ہم اس غلطی سے باز آتے ہیں تو اس میں ہم پر کیا اعتراض؟

وہابی مولوی صاحبان کے نزدیک تو ان کا یہ عذر کافی ہو گا لیکن سننے والے اس نتیجہ پر پہنچے کہ ایک شخص شامت نفس سے

کسی غلطی میں مبتلا ہوتا ہے تو دوسرے اسے آگاہ کر دیتے ہیں جس وقت بھی خدا توفیق دے وہ اپنی غلطی سے باز آجاتا ہے تو یہ باز آنا ہرگز قابلِ ملامت نہیں ہوتا، مگر پچھلی زندگی کی غلطی ضرور قابلِ توبہ و تلافی ہوتی ہے۔ بے نمازی کی مثال جو مولوی صاحب نے فرمائی اسے بھی توبہ کے بعد پچھلی نمازیں معاف نہ کی جائیں گی، بلکہ ان کی قضاء لازم رہے گی۔ پھر بھی یہ غلطی غلطی ہے اور دوسرے لوگ ہمیشہ اس کو ترک نماز پر ملامت کرتے رہے ہیں لیکن عالم کی غلطی اور ایک عالم نہیں وہابی گروہ کے سارے عالموں کی غلطی اور وہ بھی مدت ہائے دراز تک کہ اس درمیان میں بہت سے وہابی مولوی تو اسی غلطی میں اس جہان سے چل بسے مگر اس جماعت میں کوئی بھی نصف صدی تک جب سے مراد آباد میں وہابیوں کا تسلط ہوا ہے اس مسئلہ کے متعلق زبان نہ ہلا سکا اور پچاس برس کی طویل مدت میں انہیں اپنی ایسی فاحش غلطی کا شعور نہ ہوا اور اتنی مدت دراز کے بعد آج سمجھے تو ایسے مولویوں سے کیا تعجب ہے کہ وہ فاتحہ، تیجہ، میلاد شریف، مجالس شہادت گیارھویں شریف، عرس، کھچڑا، سہیل، علم غیب، استمداد وغیرہ مسائل کو بھی نہ سمجھے ہوں اور غلطی میں ہوں، دیکھئے کس سال انہیں اپنی غلطیوں کا شعور ہو اور وہ مجمع میں انہیں بلند آہنگیوں کے ساتھ اس کا اعتراف کر لیں تو شہر سے اس اختلاف کا خاتمہ ہو جائے جو ان صاحبوں نے ڈال رکھا ہے مگر ہیں بہت زود فہم! اپنے ایک مسئلہ کی غلطی پچاس برس میں سمجھے تو اس حساب سے اتنے بہت سے مسائل کی غلطیاں دیکھئے کتنی صدیوں میں سمجھیں؟ خدا کرے جلد کوئی زور کی برسات ہو اور ان صاحبوں کے دماغوں میں ایسی تری و تازگی آئے کہ ایک دم اپنی سب غلطیاں سمجھ لیں اور یہ زیادہ تعجب کی بات بھی نہیں ہے ہمیشہ اپنی غلطیوں کے سمجھنے میں اتنی ہی دیر نہیں لگاتے ہیں کبھی کبھی جلد بھی سمجھ جاتے ہیں۔

۱۹۲۰ء میں جب مراد آباد میں نمائش شروع ہوئی تھی یہ معاملہ تھا، وہابی مولوی صاحبان نے نمائش کے حرام ہونے کا فتویٰ دے دیا، یہ فتویٰ جا بجا دیواروں پر نالیوں کے کناروں پر نیا حرفوں سے لکھا ہوا تھا، شہر میں دھوم مچا رکھی تھی کہ "نمائش حرام ہے"۔ نمائش کے منتظم پریشان تھے کہ کس طرح نمائش کو کامیاب بنائیں، آخر تیز طبع لوگوں نے ایک تجویز سوچی کہ مراد آباد کے لوگوں نے ہوائی جہاز نہیں دیکھا ہے وہ عجیب چیز ہوگا ایک ہوائی جہاز منگایا وہ شہر میں اڑا اس کی پرواز سے ہوا میں جو تموج پیدا ہوا۔ اس نے بہت سے وہابی مولوی صاحبان کے دماغ درست کر دیئے۔ کئی مولوی صاحبان تو اسی سال بچ گئے اور شب کی تاریکی میں بند گاڑی کے اندر بیٹھ کر نمائش گاہ میں حاضری دے آئے اور اگلے سال تو کوئی وہابی مولوی نہ بچا جو نمائش کے بازاروں میں کھلے بندوں نہ پھرا ہو۔ پچھلے سال کی کوتاہی کی دل کھول کر تلافی کر ڈالی، ان ہی کے ہم خیال ایک شاعر صاحب نے اپنے علماء کے اس قدر جلد اپنی غلطی کو سمجھ جانے اور اعتراف کر لینے کی تعریف میں ایک غزل لکھ ڈالی جس کے چند شعر یہ ہیں:

وقار آپ نے خود اپنا پامال کیا ذرا نہ جبہ و دستار کا خیال کیا
بدل کے مسئلہ مفتی نے یہ کمال کیا حرام کر کے نمائش کو پھر حلال کیا

اس زود فہمی کو دیکھ کر یہ امید کرنا بھی کچھ بیجا نہیں ہے کہ مولوی صاحبان کو ان مسائل میں بھی جلد تنبہ ہو جائے، شہر والے انتظار کر رہے ہیں کہ کب کوئی فصل موافق آئے اور زمانہ پھر رت بدلے اور وہابی مولوی صاحبان اپنی ان دیرینہ غلطیوں سے باز آئیں۔ مگر اتنی بات ان مولوی صاحبان کے لئے اور بھی قابل غور ہے کہ ایک مسئلہ میں کم از کم پچاس برس غلطی میں رہے تو کیا اطمینان ہے کہ اب جو سمجھیں وہ غلط نہیں، انہیں تو سمجھنے کو برس چاہییں اپنی غلطی بھی پچاس پچاس برس بعد سمجھتے ہیں۔ ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں وہ کتنی مدت میں سمجھا کریں مگر سمجھ کا یہ حال ہے تو عام مسلمانوں کو احکام فتوے اور وعظ سے معاف رکھیں۔ مولوی صاحب تو پچاس برس بعد کہہ دیں گے کہ ہماری جماعت کی جماعت غلطی میں رہی مگر ان کے قول پر عمل کرنے والے غلطی کرتے کرتے مر جائیں گے۔ وہابی مولوی صاحب کو تو اب ہوش آیا اور انہوں نے اعلان کیا کہ ثواب جمعہ جامع مسجد ہی میں مل سکتا ہے اور فضیلت وہیں حاصل ہو سکتی ہے اور اب تک وہ غلطی میں تھے لیکن پچاس برس تک جتنے مسلمانوں نے نمازیں پڑھیں سب فضیلت سے خالی رہیں۔ مگر یہ عقل نہ آیا اور اب جو سمجھ میں آیا وہ بھی عجیب و غریب ہے اس گروہ کے سب سے بڑے مولویوں کی جماعت کی سمجھ میں نہ آیا اور اب جو سمجھ میں آیا وہ بھی عجیب و غریب ہے، اس گروہ کے سب سے بڑے مولوی جو مراد آباد میں ہیں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں فضائل جمعہ کے سلسلہ میں بیان کیا کہ جمعہ ہی کے دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنا خلیفہ بنایا، اس کی تمثیل اس طرح بیان کی کہ جس طرح کوئی بادشاہ اپنے لڑکے کو ولی عہد بناتا ہے اس کی تاجپوشی کی خوشی میں ایک بڑا دربار منعقد کرتا ہے اور تمام لوگ اچھے اچھے لباس پہن کر اس دربار میں شریک ہوتے ہیں۔ جب بادشاہ رسم تاجپوشی ادا کر چکتا ہے تو حسب مراتب تمام اہالیان دربار کو انعام تقسیم کرتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے بھی حضرت آدم کی خلافت کی تاجپوشی کا ایک بہت بڑا دربار منعقد کیا اور تمام ملائکہ مقربین کو جمع کر لیا، جب اس ولی عہد کی تاجپوشی کی رسم ادا ہو چکی تو تمام حاضرین پر انعام و اکرام تقسیم ہوا۔ اب جو لوگ اس دربار میں شامل نہ ہوئے وہ اس انعام و اکرام کے مستحق نہیں۔

وہابی مولوی صاحب کی یہ تقریر سن کر مجھے حیرت ہو گئی کیونکہ میں جانتا تھا۔ ولیعہد کسی بادشاہ یا فرمانروا کے اس نامزد کردہ شخص کو کہتے ہیں جس کو بادشاہ کی موت کے بعد سلطنت کرنے کے لئے معین کیا گیا ہو اور جب اس کا عہد سلطنت آتا ہے اور ولی عہد کی تاجپوشی ہو جاتی ہے تو پہلے بادشاہ کی حکومت و سلطنت کا نام و نشان باقی نہیں رہتا میں سوچتا ہی رہ گیا کہ مولوی صاحب کیا فرما رہے ہیں اور ان کا دماغ کہاں ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام کو خداوند عالم کا ولی عہد کیسے بنا دیا؟

خدائے قدوس کی سلطنت ازلی ابدی، اس کا حکم وحکومت لازوال، اس کے ولی عہد کی تاجپوشی کے کیا معنی؟ مولوی صاحب کا دماغ کہاں ہے کہ وہ حضرت قیوم لم یزل ولایزال کی تمثیل ایک فنا ہونے والے انسان سے دیتے ہیں اور اس کے لئے ولی عہد اور اس کی تاجپوشی مانتے ہیں، مگر میں نے مولوی صاحب کی طرف سے یہ عذر کر لیا کہ گھبراہٹ میں ان کی زبان سے یہ نکل گئے لیکن جمعہ کو ایک جگہ ادا کرنے کے لئے اس پریشان بیانی کو دلیل بنانا لکھے پڑھے آدمی کی شان سے بعید ہے۔ اول تو اس تمثیل سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نماز جمعہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کی یادگار ہے۔ اس بات کو شاید وہابی صاحبوں کا دماغ قبول کرلے اور اگر قبول کرلے تو پھر مولود شریف اور مجالس شہادت وعرس میں کیا کلام ہے وہ بھی تو بزرگوں کی یادگاریں ہیں۔ ان سب باتوں سے قطع نظر کیجئے تو اس دلیل سے شہر میں ایک جمعہ ہونا کیسے ثابت ہوا؟ اگر یہ مطلب ہے کہ حضرت آدم کی خلافت کا ایک دربار تھا اور سارے جہان کی مخلوق کو اسی میں شریک ہونا تھا اور خاص اسی دربار کی شرکت پر انعام واکرام ملتے تھے۔ دوسری جگہ کوئی دربار کرلیتا تو وہ انعام واکرام کا مستحق نہ ہوتا۔ جمعہ ہی اس جشن خلافت کی یادگار ہے لہٰذا ایک ہی جگہ ہونا چاہئے نہ کہ شہر شہر قصبے قصبے ہزاروں جمعے ہوں، چونکہ دربار جشن خلافت ایک ہی تھا اب ہر شہر کے جمعہ کی دلیل کہاں سے آئے گی اور مولوی صاحب ہر ہر شہر وقصبہ میں تقسیم انعام واکرام کی کیا سبیل نکالیں گے؟ جب کہ ان کے نزدیک فقط ایک ہی دربار ہوسکتا ہے اور جو اس خاص دربار میں شرکت نہ کرے انعام واکرام سے خالی رہے گا، یہ مدعا تو مولوی صاحب کو صاف کہ دینا چاہئے تھا کہ جمعہ کا ثواب اور اس کا انعام واکرام صرف کعبہ شریف میں حاصل ہوتا ہے اور کہیں نہیں، وہ اپنی اس دلیل پر نظر رکھتے ہوئے ہر شہر وقصبہ میں جمعہ کی فضیلت کس طرح ثابت کرسکتے ہیں؟ اور اگر یہ کہیے کہ اس دربار کی یادگار میں مسلمانوں کا جو مجمع ہو وہ انعام واکرام کا مستحق ہے تو ہر مسجد جس میں جمعہ ہوتا ہے وہاں وہی انعام واکرام ملے گا اور یہ کہا جائے گا کہ جس نے جماعت مسلمین کے ساتھ جمعہ نہیں پڑھا وہ انعام واکرام سے محروم رہا، لطف یہ ہے کہ یہ وہابی مولوی صاحبان یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ جمعہ کا ثواب اور اس کی فضیلت اسی صورت میں ہے کہ سب لوگ جامع مسجد جمعہ میں اور ایک ہی جگہ جمعہ ہو اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ شہر کی چار بڑی بڑی مسجدوں میں جمعہ ہونا چاہئے۔ اگر چار مسجدوں میں جمعہ کی فضیلت اور اس کا ثواب مل سکتا ہے تو پانچویں مسجد میں کیوں نہ ملے گا؟ اور اگر جامع مسجد کے سوا کہیں ثواب نہیں ملتا ہے تو چار مسجدوں کی تجویز کیوں ہے؟

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
آج اپنے دام میں صیاد پھنس گیا

غرض اس وقت تک وہابی صاحبان کی تقریریں بھی سنیں تحریریں بھی دیکھیں، لیکن شہر کے لوگوں کی تسلی بخشی نہ ہوسکی اور وہابی صاحبان کا بیان ان کی اس نئی تحریک کی معقولیت اہل شہر کے ذہن نشین نہ کرسکا۔ ان کے عالموں کو اپنے دعوے کی

دلیل میں اس قسم کی لایعنی اور بے حاصل باتیں کہنی پڑیں، مگر باوجود اس کے وہابیہ کو بہت اصرار ہے اور وہ مساجد سے بھی موقوف کرانے میں انتہائی کوشش سے کام لے رہے ہیں۔ اس نئی تحریک نے مسلمانوں میں تشویش اور پریشانی پیدا کردی ہے، اس کو دفع کرنے کے لئے مناسب سمجھا گیا کہ ہم اپنے پیشوایان دین اور رہنمایان ملت علمائے اہل سنت سے استفتاء کریں، چنانچہ میں نے بہت سے مسلمانوں کی استدعا پر ایک سوال لکھ کر حضرت صدر الافاضل، استاذ العلماء مولانا مولوی حکیم سید محمد نعیم الدین صاحب کی خدمت میں بھیج دیا، جس وقت یہ سوال حضرت مدظلہ کے پاس پہنچا وہ کاٹھیاوار کے دور دراز سفر کی تیاری میں تھے۔ انہوں نے چلتے چلتے ایک مختصر مگر نہایت جامع اور تسلی بخش جواب تحریر فرمادیا جس کو میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

(منشی) شوکت حسین رامپوری

﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز جمعہ مسجد جامع کے علاوہ جو لوگ اور مسجدوں میں پڑھتے ہیں ان کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ثواب نماز جمعہ کا ان کو ملتا ہے یا نہیں؟ عنداللہ اس کا جواب عنایت فرمایئے گا۔ فقط

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ' ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

ایک شہر میں چند جگہ بناء بر مذہب مفتی بہ جائز ہے لہذا جو لوگ علاوہ جامع مسجد کے اور مسجدوں میں جمعہ پڑھتے ہیں ان کی نماز درست اور جمعہ ادا ہوتا ہے اور اس کا ثواب ملتا ہے درمختار میں ہے:

" وتودی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقاً علی المذھب وعلیہ الفتویٰ شرح المجمع للعینی وامامۃ فتح القدیر دفعاً للحرج واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم "

کتبہ:

العبد المعتصم بحبلہ المتین

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

یہ فتویٰ مستفتی شاہی مسجد میں لے گیا جہاں وہابیہ کا مدرسہ ہے وہاں کے صدر مدرس نے اس کے نیچے ذیل کی عبارت لکھی:

"آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے تابعین کے زمانہ تک جو کہ بنص حدیث خیر القرون ہے۔ جمعہ صرف

ایک ہی مقام پر ادا ہوتا رہا ہے ۔ حضرات آئمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی یہی فرماتے ہیں ۔ البتہ امام محمد کی ایک روایت سے تعدد کا جواز بمعنی سقوط فرض ثابت ہوا ہے جس کو بعض مشائخ نے بعض شرعی وجوہ کی بناء پر اولیٰ قرار دیا ہے لیکن اس کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بلا قید جتنا تعدد چاہو اختیار کرلو ، بلکہ ان وجوہ پر نظر فائز ڈالنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جب ضرورت وحاجت تعدد جائز ہے ورنہ نہیں اور مشائخین کے کلام میں ضرورت کی قید بھی مذکور ہے اور یہ یقینی امر ہے کہ جامع مسجد میں مجمع عظیم کے ساتھ جمعہ کا ادا کرنا افضل واکمل ہے اور یقینی سبکدوشی فریضہ جمعہ کی اسی صورت میں ہے ۔ تعدد میں شائبہ عدم جواز ضرور موجود ہے پس حسب ارشاد "ما بریبک الی مالا یریبک" یہی مناسب ہے کہ جمعہ جامع مسجد میں ادا کیا جائے ہاں بدرجہ مجبوری ایک دو بڑی مسجد میں بھی اگر ادا ہوتو گنجائش ہے نہ کہ موجودہ کثرت اور تعدد ،

واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ فخر الدین احمد غفرلہ مدرس مدرسہ اسلامیہ شاہی مسجد

پھر یہ فتویٰ جناب مولانا مولوی محمد عمر صاحب نعیمی کے پاس لایا گیا جو حضرت صدر الافاضل مدظلہ کے شاگرد ہیں انہوں نے اس پر یہ تحریر فرمایا:

﴿۷۸۶﴾

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین واٰلہ واصحابہ اجمعین ☆

حضرت استاذی صدر الافاضل مدظلہ العالی کا فتویٰ حق وصحیح ہے ۔ اس مختصر فتوے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا ایک حرف جنبش نہیں کرسکتا اور کسی مخالف کو مجال نہیں ہے کہ وہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم کرسکے ۔ مولوی فخر الدین صاحب کا یہ دعویٰ کہ زمانہ اقدس سے زمانہ تابعین تک جمعہ صرف ایک ہی مقام پر ہوتا رہا ہے ۔ ایسا دعویٰ ہے جس پر وہ کوئی نقل یا حوالہ پیش نہیں کرسکے ، علاوہ بریں اگر فرض کرلیا جائے کہ زمانہ تابعین میں جمعہ متعدد جگہ نہ ہوا تو یہ تعدد کے عدم جواز کی دلیل کب ہوسکتا ہے؟ زمانہ تابعین تک مدارس بایں ہیئت کب تھے جن میں مدرسین نوکر ہوتے ، نصاب معین ہوتا اس نصاب معین کے تمام ہونے کے بعد سند دی جاتی ، دستار بندی کی جاتی اگر خیر القرون میں کسی چیز کا نہ ہونا اس کے عدم جواز کی دلیل ہوسکتا ہے تو یہ مدرسے اوران کے تعین اوقات ونصاب وتعین ایام تعطیل اور سند ودستار بندی اور خود مولوی صاحب کا نوکری کرنا یہ سب ناجائز ہوگا؟ ورنہ ثابت کریں کہ زمانہ تابعین میں دینیات کے نصاب معین پڑھانے پر نوکری کرنے اور تنخواہ لینے کا کچھ پتہ ملتا ہے؟ پھر کیا معنی ہے کہ آپ کی نوکری ، مدرسہ ، سند ودستار ناجائز نہ ہو اور تعدد جمعہ ناجائز ہوجائے؟ ایسی بات کو سند بنانا اہل علم کی شان کے خلاف ہے ۔ پھر یہ نہ دیکھا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا تھا "لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع" اس کے ساتھ "فی مواضع واحد" کی قید نہ تھی تو اب اس حدیث کو مقید کرنا اور کلام رسول ﷺ میں اپنی

طرف سے تخصیص لگانا کہاں سے جائز ہوسکتا ہے، اگر کتابوں پر نظر ہوتی تو معلوم ہوتا کہ جمعہ کے تعدد کے جواز کی دلیل فقہاء نے اسی حدیث کا اطلاق قرار دیا ہے جیسا کہ ہم آگے نقل کریں گے۔ دوسرے ائمہ کا ذکر تو حنفیوں کے لئے فضول ہے، ورنہ جس کے بدن سے خون بہتا ہو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا وضو نہیں جاتا، تو کیا آپ اس کے لئے تیار ہیں کہ حنفیوں کو اس پر عمل کرنے کا حکم دے دیں؟ اور جب ایسا نہیں ہے تو دوسرے ائمہ کے قول کا ذکر کرنا ہی بیکار ہے اب رہا مذہب حنفی، اس میں قول راجح وہی حضرت امام محمد اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے جس میں تعدد کو جائز بتایا گیا ہے، عالمگیری میں ہے:

"وتودی الجمعة فی مصر واحد فی مواضع کثیرة وقول ابی حنیفة و محمد رحمة الله و هو الاصح وذکر الامام السرخسی انه الصحیح من مذهب ابی حنیفة رحمه الله وبه ناخذ هکذا فی بحر الرائق"

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ایک شہر میں مواضع کثیرہ میں جمعہ ادا ہو جاتا ہے اور یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے اور یہی اصح ہے اور امام سرخسی نے ذکر کیا کہ یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب صحیح ہے اور اسی کو ہم اخذ کرتے ہیں۔

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے۔

"وتصح اقامة الجمعة فی مواضع کثیرة بالمصر وفنائه وهو قول ابی حنیفة و محمد فی الاصح ومن لازم جواز التعدد سقوط اعتبار السبق وعلی القول الضعیف المانع من جوز التعدد قیل بصلاة اربع بعد ها بنیة اخر ظهر علیه ولیس الاحتیاط فی فعلها لان الاحتیاط هو العمل بافوی الدلیلین وافوهما اطلاق جواز تعدد الجمعة"

اس سے معلوم ہوا کہ ایک شہر میں مواضع کثیرہ میں جمعہ کا قائم کرنا صحیح ہے اور یہی قول ہے حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کا، یہی اصح ہے اور یہی اقویٰ ہے اور جو قول کرنا صحیح جواز تعدد سے مانع ہے وہ ضعیف ہے، طحطاوی میں فرمایا:

"لاطلاق حدیث لاجمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع فالمصر شرط اقامتها وهو موجود فی کل شریق"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے مواضع کثیرہ میں صحیح ہونے کی دلیل حدیث "لاجمعۃ ولا تشریق" کا اطلاق ہے، کیونکہ حدیث شریف میں اقامت جمعہ کی شرط مصر یعنی شہر قرار دی گئی ہے اور وہ مسجد میں جمعہ پڑھنے والوں کے لئے حاصل ہے۔ درمختار کی جو عبارت حضرت صدر الافاضل مدظلہ العالی نے اپنے فتوے میں نقل کی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ ایک شہر میں

بہت سے مقامات پر مطلقاً جمعہ ادا ہوتا ہے۔ یہی مذہب ہے اسی پر فتویٰ ہے اور اس میں رفع حرج ہے۔ اس کی شرح میں علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

"سواء كان المصر كبيراً او لا وسواء فصل بين جانبيه نهر كبير كعداد اولا وسواء قطع الجسر او بقى متصلاً وسواء كانت تعدد فى مسجدين او اكثر هكذا يفاد من الفتح و مقتضاها انه يلزم ان يكون التعدد وبقدر الحاجة كما يدل عليه كلام السرخسى الاتى"

یعنی جمعہ کا متعدد مقامات پر ادا کرنا ایک شہر میں مطلقاً صحیح ہے خواہ شہر بڑا ہو یا نہ ہو اور خواہ کوئی نہر کبیر اس کو دو حصے کرتی ہو جیسے کہ بغداد یا نہ کرتی ہو اور خواہ پل اٹھا دیا گیا ہو یا بندھا ہوا ہو اور خواہ تعدد دو مسجدوں میں ہو یا زیادہ میں ہو۔ یہی مفاد ہے فتح القدیر کا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تعدد کا بقدر حاجت ہونا ہی لازم نہیں، چاہے جس قدر بھی ہو جائز ہے جیسا کہ اس پر امام سرخسی کا آنے والا کلام دلالت کرتا ہے، اس عبارت میں مولوی فخر الدین کے اس جملہ کا بھی رد ہو گیا کہ "اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ بلا قید جتنا تعدد چاہو اختیار کر لو۔" وہابی صاحبوں کی جو بات ہے کتب معتبرہ کے خلاف، اسی ردالمحتار میں دفعاً للحرج کی شرح میں فرماتے ہیں:

"لان فى الزام اتحاد الموضع حرجاً بيناً لامتداده تطويل المسافة على اكثر الحاضرين ولم يوجد دليل عدم جواز بل قضية الضرورة عدم اشتراطه لا سيما اذا كان مصراً كبيراً كمصرنا كما قاله كمال"

یعنی جمعہ کا ایک جگہ میں ہونا لازم کر دینے میں کھلا حرج ہے کیونکہ اکثر حاضرین پر دور دراز کی مسافت کا بار پڑے گا اور جمعہ کے چند مقامات میں جائز نہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں پائی گئی، بلکہ ضرورت اس کے مشروط نہ ہونے کا حکم کرتی ہے خاص کر شہر جب کہ بڑا ہو۔

ان تمام عبارات سے ظاہر کہ جمعہ مقامات کثیرہ میں بلا کسی قید کے بلا تردد جائز ہے یہی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا مذہب صحیح اور قول راجح ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے اور جمعہ کے جواز کو ایک جگہ خاص کرنے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور اس میں کھلا حرج بھی ہے۔ جب یہ قول راجح ہے تو اس کے خلاف پر اصرار کرنا اور فتویٰ دینا جہالت ہے۔ چنانچہ درمختار میں فرمایا:

"ان الحكم والفتيا القول المرجوح جهل وخرق الاجماع"

یعنی قول مرجوح پر حکم کرنا اور فتویٰ دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔

الحمد للہ کہ حق واضح ہو گیا اور موانع کثیرہ میں صحت و اقامت جمعہ کے جواز میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہا اور یہ بھی

جرت ہو گیا کہ قول مرجوح کو اخذ کرنا اور اس پر فتویٰ دینا جہالت ہے ، علاوہ بریں ہم یہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے قول مرجوح کو اخذ کیا اور شہر میں دو ایک بڑی مسجدوں میں نماز کی اجازت دی انہوں نے اس قول کی بناء پر بھی نمازوں کو ضائع کیا، کیونکہ عدم جواز تعدد کے قول پر جس کو وہابی اخذ کرتے ہیں شہر میں صرف وہی جمعہ صحیح ہو سکتا ہے جو سب سے پہلے ہو نواہ جامع مسجد میں ہو یا نہیں اور۔ اگر دو جگہ جمعہ ایک ہی وقت میں ہو تو اس قول پر دونوں کی نمازیں فاسد ہو گئیں۔ ایسے ہی اگر اشتباہ رہا کہ کون سا جمعہ پہلے ہوا تو بھی ہر ایک جگہ کا جمعہ فاسد ہو گیا اور نماز نہ ہوئی تو وہابیہ جو عدم جواز تعدد کا قول مرجوح اخذ کرتے ہیں۔ وہ علاوہ اس غلطی کے کہ قول مرجوح کا اخذ کرنا ناجائز ہے۔ ایک سے زیادہ جگہوں میں نماز کی اجازت دے کر اپنی نماز فاسد کرتے ہیں۔ طحطاوی میں ہے:

"فالجمعة عندة السابق وتفسد بالمعية والاشتباه"

مراد آباد میں بعض مساجد میں جمعہ ساڑھے بارہ بجے ہو جاتا ہے اور شاہی مسجد اور جامع مسجد میں اس کے بعد ہوتا ہے تو قول مرجوح کی بناء پر وہابیہ کے نزدیک جو نمازیں جامع مسجد اور شاہی مسجد میں ہوتی ہیں، وہ بالکل ناجائز و فاسد ہیں چہ جائیکہ افضل و اولیٰ، اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے اگر جمعہ شہر کی ایک مسجد میں پڑھ جائے اور قول معتمد صحیح چھوڑا جائے اور مسلمانوں کو حرج میں ڈالنے کا وبال بھی گوارا کیا جائے اور کتب دینیہ اور مذہب صحیح کی مخالفت بھی کی جائے تو اس مسجد کا امام سنی صحیح العقیدہ ہونا چاہئے، اگر وہابی بد مذہب ہوا تو اس کی بد مذہبی سے نماز فاسد ہو جائے گی، بہر حال مانعین تعدد کا کلام کسی پہلو سے صحیح نہیں ہو سکتا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتم واحکم ☆

کتبہ

العبد المعتصم بذیل النبی الامی عمر النعیمی

﴿جنت میں چند جانور بھی جائیں گے﴾

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جنت میں کوئی جانور بھی جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:- بسم اللہ الرحمن الرحیم ☆ نحمدہ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم ☆

جنت میں پانچ جانور داخل ہوں گے (۱) براق حضور سید عالم ﷺ کا (۲) دراز گوش حضرت عزیر علیہ السلام کا (۳) ناقہ حضرت صالح علیہ السلام کا (۴) مینڈھا حضرت اسماعیل علیہ السلام کا (۵) کتا اصحاب کہف کا، چنانچہ اشباہ و نظائر میں مسطور ہے

"ليس من الحيوان من يدخل الجنة الا خمسة كلب الكهف وكبش اسماعيل و ناقة الصالح و حمار عزير و براق النبی ﷺ" لیکن حموی نے شرح اشباہ میں شرعۃ الاسلام سے مقاتل کا قول نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک دس جانور جنت میں داخل ہوں گے۔

(۱) حضور سید عالم ﷺ کا ناقہ (۲) حضرت صالح علیہ السلام کا ناقہ (۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گئو سالہ (۴) حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مینڈھا (۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بقرہ (گائے) (۶) حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی (۷) حضرت عزیر علیہ السلام کا دراز گوش (۸) حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی (۹) بلقیس کا ہدہد (۱۰) اصحاب کہف کا کتا۔

"قال مقاتل رحمه الله عشرة من الحيوانات يدخل الجنة ، ناقة محمد عليه الصلوة والسلام ، وناقة صالح عليه الصلوة والسلام ، وعجل ابراهيم عليه الصلوة والسلام ، وكبش اسماعيل عليه الصلوة والسلام ، وبقرة موسىٰ عليه الصلوة والسلام ، وحوت يونس عليه الصلوة والسلام ، وحمار عزير عليه الصلوة والسلام و نملة سليمان عليه الصلوة والسلام ، وهدهد بلقيس و كلب اهل الكهف كلهم يحشرون ، كذا في مشكوة الانوار"

اسی کتاب میں شرعۃ الاسلام سے بھی نقل کیا ہے کہ یہ سب مینڈھے کی صورت کر دیئے جائیں گے۔ حموی میں ہے۔

"ذكر في مشكوة الانوار شرح شرعة الاسلام انها كلها تصير على صورة الكبش"

سبحان اللہ مقربین بارگاہ حق کا یہ رتبہ ہے کہ جانور بھی ان سے نسبت رکھنے کی بدولت جنتی ہو گئے۔ والحمد للہ رب العلمین۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو انبیاء کرام صلوات اللہ تعالیٰ علیہم وسلم کی کامل محبت اور ان کا پورا اتباع نصیب فرمائے آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ جمیع انبیائہ ورسلہ وسلم ☆

العبد المعتصم بحبله المتين

کتبہ

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

﴿مجموعہ مسائل متعلقات ختم قرآن ورمضان وعید﴾

ماہ مبارک رمضان میں مسلمان بالعموم عبادات کی طرف زیادہ راغب ومائل ہوتے ہیں، نمازوں میں زیادہ مزا لیتے ہیں، خیرات وحسنات کی کثرت کرتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت اور اس کے سننے سے روحانی لذتیں اٹھاتے ہیں، اس

زمانہ میں وعظ ونصیحت ان کے نرم قلوب پر اور زیادہ اثر کرتی ہے۔ مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوئی اور یاد الٰہی سے معمور رہتی ہیں۔ جا بجا حفاظ قرآن کریم سناتے ہیں۔ ایک ایک مسجد میں کئی کئی ختم ہو جاتے ہیں۔ اس پر بھی سننے والوں کی رغبت بڑھتی ہی رہتی ہے۔ قبیلے ہوتے ہیں، کیسے کیسے نفیس پڑھنے والے قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ شبینوں میں پڑھ کر سناتے ہیں۔ یہ ماہ مبارک اعمال حسنہ کے چمنستان کا عالم بہار ہوتا ہے۔ اللہ کے عاشق دن بھر روزہ دار رہ کر شب کو یاد الٰہی کے لطف اٹھاتے ہیں۔ جماعتوں کی جماعتیں مسجدوں کی طرف چلی جاتی ہیں، رستے نمازیوں سے بھرے نظر آتے ہیں، تراویح میں قرآن پاک سنائے اور سنے جاتے ہیں۔ ختم کے روز مساجد میں نرالی زیب وزینت ہوتی ہے برکات قرآن کے لئے مجمع اتنا کثیر ہوتا ہے کہ مساجد میں گنجائش نہیں رہتی، حفاظ اپنے احباب کو جمع کرتے ہیں، حافظوں کے گروہ کے گروہ چلے آتے ہیں جب حافظ صاحب سورۂ اخلاص پر پہنچتے ہیں تو بسم اللہ الرحمن الرحیم جہر سے پڑھتے ہیں اور سورۂ قل ھو اللہ احد کی تین مرتبہ تکرار کرتے ہیں۔ ختم قرآن ہونے کے بعد آخر رکعت میں سورۂ بقر مفلحون تک پڑھتے۔ ختم ہونے پر مسلمان حافظ صاحب سے اپنے اوپر دم کراتے ہیں۔ کوئی پانی لاتا ہے کوئی الائچی، اجوائن، زیرہ، نمک، کھجور، سرمہ پر دم کراتا ہے۔ پھر یہ چیزیں ایک دوسرے کو تبرک کے لئے دیتے ہیں۔ بعد ختم خشوع وزاری کے ساتھ اسلام ومسلمین کے لئے دارین کی دعائیں کی جاتی ہیں۔ بندے اخلاص کے ساتھ اپنے مالک کے حضور سوال کے ہاتھ پھیلا پھیلا کر مانگتے ہیں۔ آخر میں کہیں سے آیت پڑھ کر کہیں بغیر اس کے شیرینی تقسیم کرتے ہیں۔ رمضان مبارک کے اخیر جمعہ کو خطبۂ الوداع پڑھا جاتا ہے جس میں رمضان مبارک کے فضائل وبرکات کا بیان ہوتا ہے اور اس ماہ مبارک کے رخصت ہونے اور ایسے بابرکت مہینہ میں حسنات وخیرات کے ذخیرے جمع نہ کرنے پر حسرت وافسوس اور آئندہ کے لئے لوگوں کو عمل خیر کی ترغیب اور باقی ایام رمضان میں کثرت عبادت کا شوق دلایا جاتا ہے۔ مسلمان اس خطبہ کو سن کر خوب روتے اور گناہوں سے توبہ واستغفار کرتے اور آئندہ کے لئے نیکی کا عزم کرتے ہیں، عید کے روز عموماً سویاں پکتی ہیں اور عید کی نماز کے بعد مسلمان باہم ملنے اور معانقہ ومصافحہ کرتے ہیں۔ اس سے آپس میں محبت واتحاد کے روابط مضبوط ہوتے ہیں اور ہر مسلمان کشادہ دلی کے ساتھ اپنے دینی بھائی سے بغلگیر ہوتا ہے۔ مدتہائے دراز سے مسلمانوں کے یہ معمول ہیں اور بالعموم علماء وصلحاء کا یہی طریقہ سب اسی پر کاربند ہیں۔

بعضوں نے ان میں سے بہت سے امور کو ممنوع وناجائز قرار دیا اور مسلمانوں کو ان سے روکنے کی بڑی کوشش کی، اپنی مساجد میں بعد ختم تراویح وعظ کہے۔ ان واعظوں میں نہ کور ۲۴ امور میں سے بھی بہت سی باتوں کو منع کیا، مثلاً ختم قرآن کے بعد پانی یا کسی اور چیز پر دم کرنا بدعت وبے اصل بتایا، خطبہ الوداع کی سخت مخالفت کی اس کو بدعت وناجائز کہا، بعد عید مصافحہ ومعانقہ کو بھی منع کیا اور بدعت وناروا کہا، اس کے ساتھ ہی حسب عادت زیارت قبور کے لئے سفر اور فاتحہ گیارہویں،

ایصال ثواب کے اور دوسرے طریقوں میں اعتراض کئے، جس سے بعض ناواقف اور ضعیف الخیال لوگوں کو کچھ تردد ہوتا ہے وہ دریافت کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا امور جائز ہیں یا نہیں ایسا کرنے میں شریعت کا مواخذہ اور گناہ تو نہیں ہے؟ اس لئے براہ کرم ان امور کے متعلق شرعی حکم صادر فرما کر مسلمانوں کو مطمئن فرمائیں۔

والسلام مع الاکرام

المستفتی محمد شوکت حسین شوکت مراد آبادی

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی حبیبہ الکریم

سائل نے مسطورۂ ذیل امور کو دریافت کیا ہے:

(۱) ختم قرآن پاک کی خوشی اور اہتمام (۲) ختم کے لئے مسلمانوں کا اجتماع اور احباب کو جمع کرنا

(۳) تراویح میں ایک مرتبہ بسم اللہ کا جہر (۴) سورۂ اخلاص کی تکرار

(۵) بعد ختم قرآن سورۂ فاتحہ و بقرہ تا مفلحون پڑھنا

(۶) دعا بعد ختم قرآن پاک (۷) بیع آیت (۸) تقسیم شرینی

(۹) خطبۃ الوداع (۱۰) عید کی سویاں

(۱۱) معانقہ و مصافحہ بعد عید، اب ان میں سے جدا جدا ہر ایک کے متعلق ہم حکم شرعی بیان کرتے ہیں۔

(۱،۲) ختم قرآن پاک خوشی اور اس کے لئے احباب کا اجتماع:

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم و جلیل نعمت ہے۔ امام بخاری و مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث روایت کی اس میں ہے:

" لا حسد الا علی اثنین رجل اتاہ اللہ القران فھو یقوم بہ اناء اللیل و اناء النھار و رجل اتاہ اللہ مالاً فھو ینفق منہ اناء اللیل و اناء النھار "

یعنی رشک دو شخصوں پر محمود ہے ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک سے سرفراز فرمایا اور وہ اوقات لیل و نہار میں یعنی شب و روز قرآن پاک کے ساتھ مشغول رہتا ہے۔ دوسرا وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ رات دن اس کی راہ میں

ترجیح کرتا ہے۔ یہ دونوں قابل رشک ہیں۔ یعنی انسان کو ان کی ایسی نعمت کے حاصل ہونے کی آرزو کرنا چاہئے۔

امام مسلم نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

"اقرؤا القرآن فانه یاتی یوم القیامة شفیعاً لاصحابه"

یعنی قرآن پاک پڑھو کہ وہ روز قیامت اپنے اصحاب کے لئے شفیع ہو کر آئے گا۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث روایت کی کہ حضور اقدس نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"ان الذی لیس فی جوفه شیء من القرآن کالبیت الخرب"

جس کے دل میں قرآن بالکل نہ ہو وہ ویرانہ گھر کی مثل ہے۔

امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی کہ حضور پرنور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

"من قرأ حرفاً من کتاب الله فله به حسنة والحسنة بعشر امثالها"

جس شخص نے قرآن پاک کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے ایک نیکی ہے اور نیکی برابر دس نیکیوں کے، سبحان اللہ! جب ایک ایک حرف کا اتنا عظیم ثواب ہے تو تمام قرآن پاک کے ثواب کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

امام احمد و ابوداؤد نے حضرت معاذ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"من قرأ القرآن وعمل بما فیه البس والداه تاجاً یوم القیامة ضوء احسن من ضوء الشمس فی بیوت الدنیا لو کانت فیکم فما ظنکم بالذی عمل بهذا"

یعنی جس شخص نے قرآن پاک پڑھا اور اس کے مطابق عمل کیا روز قیامت اس کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی بہت بہتر ہوگی آفتاب کی روشنی سے دنیا کے گھروں میں اگر ہو آفتاب تمہارے گھروں میں تو تمہارا کیا گمان ہے اس کے حق میں جس نے اس پر عمل کیا۔

امام بیہقی نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث روایت کی:

"البیت الذی یقرء فیه القرآن یتزیا لاهل السماء کما یتزیا النجوم لاهل الارض"

جس مکان میں قرآن پاک پڑھا جاتا ہے۔ وہ آسمان والوں کے لئے ایسا مزین کیا جاتا ہے جیسے زمین والوں کے لئے ستارے مزین کئے جاتے ہیں۔

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث روایت کی "نوروا منازلکم بالصلوٰة وقراءة القرآن" یعنی اپنے مکانوں کو نماز اور قرآن پاک کی قرأت سے منور کرو۔

اور حضرت نعمان بن بشیر سے حدیث روایت کی "افضل عبادة امتی قراة القران" میری امت کی بہترین عبادت قرآن پاک کی قرأت ہے۔

یہ چند احادیث ذکر کی گئیں اور فضائل قرآن میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ فی الواقع مصطفیٰ حبیب خدا ﷺ کا صدقہ ہے کہ ہم کو یہ نعمت عظمیٰ اور دولت کبریٰ عطا ہوئی، ورنہ کیا ہم اور کیا ہمارا صحیفہ۔ سوائے حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ملائکہ کی مقدس جماعتیں اس دولت سے بہرہ مند نہیں، اتقان میں ہے۔

"قال ابن الصلاح فی فتاواہ قراة القران کرامة اکرم الله بها البشر فقد ورد ان الملائکة لم یعطوا ذلک وانها حریصة علیٰ اسماعه من الانس"

یعنی ابن صلاح نے اپنے فتاویٰ میں کہا کہ قرآن پاک کی قرأت ایک کرامت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مشرف فرمایا۔ حدیث میں وارد ہوا کہ ملائکہ کو یہ نعمت نہیں دی گئی اور وہ انسان سے قرآن پاک سننے کے آرزومند رہتے ہیں، سبحان اللہ کیا نعمت ہے، کیا کرم ہے اس پر جتنی خوشی کی جائے جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اس لئے ختم کے روز روزہ رکھنا، اعزہ و احباب کو جمع کرنا مسنون و مستحب ہے۔ اتقان میں ہے:

"لیس صوم یوم الختم اخرجه ابن ابی داؤد عن جماعة من التابعین وان یحضره اهله واصدقاء ه اخرج الطبرانی عن انس رضی الله تعالیٰ عنه انه کان اذاختم القران جمع اهل ودعاء اخرج ابو داؤد وعن الحکم بن عیینة قال ارسل الی مجاهد وعنده ابی امامة وقال انا ارسلنا الیک لانا اردنا ان نختم القران والدعاء یستجاب عند ختم القران واخرج مجاهد قال کانوا یجتمعون عند ختم القران ویقول عند تنزل الرحمة"

یعنی ختم قرآن کے دن روزہ رکھنا سنت ہے۔ اس کو ابی داؤد نے ایک جماعت تابعین سے نقل کیا اور اہل و احباب کا جمع ہونا بھی مسنون ہے۔ طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ وہ جب قرآن پاک ختم فرماتے تھے اپنے اہل کو جمع فرما کر دعا کرتے تھے، ابوداؤد نے حکم بن عیینہ سے روایت کی انہوں نے کہا میرے پاس مجاہد نے کسی کو بلانے کے لئے بھیجا اور اس وقت ان کے پاس ابن ابی امامہ تھے، دونوں صاحبوں نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے پاس اس لئے بلانے والے کو بھیجا کہ ہمارا ارادہ قرآن پاک کے ختم کرنے کا ہے اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ مجاہد نے نقل کیا کہ اسلاف ختم قرآن کے وقت جمع ہوتے تھے اور وہ کہتے ہیں کہ ختم کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ختم قرآن کی خوشی و اہتمام اور اہل و احباب کو جمع کرنا اور دعا مسنون و مستحب ہے، بزرگان دین صحابہ و تابعین سب کا معمول رہا ہے۔ یہ وقت قبول دعا کا ہے مگر بدقسمت اس سے چوکتا ہے۔ اس کو یہ عبارتیں دکھاؤ، مگر

امید ہے کہ وہ اپنی ضد سے باز آئے، اللہ تعالیٰ آنکھ عطا فرمائے اور ہدایت کرے آمین۔

(۳) تراویح میں ایک مرتبہ بسم اللہ کا جہر:-

تراویح میں ایک مرتبہ بسم اللہ کا جہر کسی ایک مقام پر جائز ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک اگرچہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سورۂ فاتحہ یا اور کسی سورۃ کا جزو نہیں لیکن آیت ہے، تو تکمیل ختم کے لئے اس کو جہر سے پڑھنا چاہئے ورنہ ایک آیت رہ جائے گی اور ختم ناتمام ہوگا، خواہ بسم اللہ کو سورۂ اخلاص کے ساتھ پڑھا جائے یا اور کسی موقع پر، تفسیر مدارک میں ہے:

"ان التسمیة اٰیة من القران انزلت للفصل بین السور عندنا ذکرہ فخر الاسلام فی المبسوط"

تفسیر علامہ ابی السعود میں ہے:

"قیل انها اٰیة فذة من القران انزلت للفصل والتبرک بها وهو الصحیح من مذهب الحنفیة"

(غنیۃ المستملی)

شرح منیہ میں ہے:

"واجماع الصحابة علی اثباتها فی المصحف لا یلزم منه انها اٰیة من کل سورة بل اللازم منه مع الامر بالتجرید عن غیر القران وبه نقول انها اٰیة منه نزل للفصل بین السور کذا فی عامة کتب الفقه"

واللہ سبحانہ اعلم۔

(۴) سورۂ اخلاص تین بار پڑھنا:-

سورۂ اخلاص کا تین مرتبہ پڑھنا درست ہے، حدیث شریف میں وارد ہوا:

"قل هو الله احد یعدل ثلث القران رواہ البخاری والمسلم"

یعنی سورۂ قل هو الله احد ثواب میں تہائی قرآن کے برابر ہے چونکہ ختم کے روز اجتماع اور احباب کا جمع کرنا مقصود ہوتا ہے اور کثرت سے ایسے لوگ آتے ہیں جو روزانہ حاضر نہ ہوتے۔ اس لئے اس روز سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھی جاتی ہے تاکہ یہ لوگ بھی ایک قرآن کا ثواب پالیں اور یہ بھی فائدہ ہے کہ اگر قرآن پاک کی تکمیل وادا میں کوئی کوتاہی ہوگئی ہو تو سورۂ اخلاص کی تکرار سے وہ بھی پوری ہوجائے۔

اتقان فی علوم القرآن میں ہے:

"عن الامام احمد انه منع من تکریر سورة الاخلاص عند الختم لکن عمل الناس علی خلافه

قال بعضهم والحكمة فيه ماورد انها تعدل ثلث القران فيحصل بذلك ختمه فان قيل فكان ينبغي ان يقرأ اربعاً ليحصل ختمان قلنا المقصود ان يكون على يقين من حصول ختمه اما التي قرأها واما التي حصل ثوابها بتكرير السورة"

یعنی امام احمد نے ختم کے وقت سورۂ اخلاص کی تکرار کو منع فرمایا لیکن عمل لوگوں کا اس کے خلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا اس میں حکمت یہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ سورۂ اخلاص کا ثواب تہائی قرآن کے برابر ہے تو اس سے ایک ختم حاصل ہوگا اگر کہا جائے کہ اس صورت میں مناسب تھا کہ سورۂ اخلاص چار مرتبہ پڑھی جائے تا کہ وہ ختم حاصل ہو جائیں، ہم کہتے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ ایک ختم بیقین کامل ہو جائے، خواہ وہ جو پڑھا یا وہ جس کا ثواب تکرار اخلاص سے حاصل ہوا اب ایسی برکت کو چھوڑ دینا اور اس میں بے فائدہ ضد کرنا محض نفسانیت و نادانی ہے،

واللہ سبحانہ اعلم

(۵) بعد ختم سورۂ بقرہ مفلحون پڑھنا:-

بعد ختم قرآن سورۂ بقرہ تا مفلحون پڑھنا مسنون ہے۔ اتقان میں ہے:

" ليس اذا فرغ من الختمة ان يشرع في اخرى عقيب الختم لحديث الترمذي وغيره احب الاعمال الى الله تعالىٰ الحال المرتحل الذي يضرب من اول القران الى اخره كلما حال ارتحل واخرج الدارمي بسند حسن عن ابن عباس عن ابي ابن كعب ان النبي ﷺ كان اذا فرأقل اعوذ برب الناس افتح من الحمد ثم قرء الى اولئك هم المفلحون"

اس سے معلوم ہوا کہ ترمذی و دارمی کی حدیثوں سے ختم قرآن پاک کے بعد سورۂ فاتحہ و اول سورۂ بقرہ کا تا مفلحون پڑھنا ثابت اور مسنون ہے اور حضور اقدس ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔

واللہ سبحانہ اعلم

(۶) دعا بعد ختم قرآن:-

دعا بعد ختم قرآن بھی مسنون اور مستجاب ہے اور یہ وقت قبولیت دعا کا ہے، ابھی جو ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جواب نمبر ۵ میں نقل کر آئے ہیں اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"ثم دعا بدعاء الختمة جس سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ بعد ختم قرآن دعا فرماتے تھے اور نمبر ۱ میں حدیث ابی رضی اللہ عنہ میں بھی گذرا:

" انه كان اذا ختم القران جمع اهله ودعا "

کہ وہ حضرت جب قرآن پاک ختم فرماتے اپنے اہل کو جمع کرتے اور دعا کرتے۔

اسی اتقان میں بروایت ابن ابی داؤد حکم بن عیینہ سے مروی ہے کہ مجاہد وابن ابی امامہ نے فرمایا:

الدعاء يستجاب عند ختم القران "

کہ دعا ختم قرآن کے وقت مقبول ومستجاب ہوتی ہے۔

اسی اتقان میں ہے:

" ليس الدعاء عقب الختم لحديث الطبرانی عن العرباض بن سارية مرفوعاً من ختم القران فله دعوة مستجابة وفی الشعب من حديث انس مرفوعاً مع كل ختمة دعوة مستجابة "

یعنی بعد ختم قرآن دعا مسنون ہے اس لئے کہ طبرانی وغیرہ کی حدیث میں عرباض بن ساریہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے قرآن پاک ختم کیا اس کی دعا مستجاب ہے اور شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث مرفوع مروی ہے جس میں فرمایا ہر ختم کے بعد ایک دعا مستجاب ہے اس لئے بعد ختم قرآن دعا کی جاتی ہے اس سے سنت بھی ادا ہوتی ہے اور مقاصد بھی حاصل ہوتے ہیں اور اسی لئے مسلمان اپنے اموات کے ایصال ثواب کے لئے جب تیجہ یا عرس کراتے ہیں تو قرآن پاک ختم کراتے ہیں تاکہ دعائے مغفرت بعد ختم قرآن مستجاب ہو اور میت اس عالم میں راحت وآرام پائے، وہابیہ اپنی بدعقلی سے ان چیزوں کو بدعت کہتے ہیں جو مسنون ہیں اور جن کی حدیثوں میں ترغیبیں دلائی گئی ہیں۔ یا تو بندگان حرص وہوائے کتب دیدہ دیکھی ہی نہیں اور احادیث تک ان کی نظر نہیں پہنچتی، محض اپنے تخیل سے جس چیز کو چاہا بدعت کہہ ڈالا یا دیدہ دانستہ پیر کی طرفداری میں حق پوشی کی۔ یہ ہے پیر پرستی اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

(۷) پنج آیت پڑھنا اور دم کرانا:-

پنج آیت پڑھنا اس طرح سے کہ ایک جماعت نوبت بنوبت قرآن کریم کی آیات وسور پڑھیں جائز ہے۔

اتقان میں ہے:

" لا باس باجتماع الجماعة فی القراة ولا باداراتها وهی ان يقرأ بعض الجماعة قطعة ثم البعض قطعة بعدها "

اس سے صاف ظاہر ہے کہ پنج آیت پڑھنا جیسا کہ معمول ہے جائز ہے اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

دم کرنا قرآن پاک پڑھ کر جائز ہے۔ اس کو منع کرنا اور ناجائز بتانا جہل ونادانی ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں حضرت

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

" ان النبی ﷺ کان اذا اوی الی فراشه کل لیلة جمع کفیه ثم نفث فیهما فقرء فیهما قل هو الله احد وقل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس ثم یمسح بهما ما استطاع من جسده یبدء بهما علی راسه ووجهه وما اقبل من جسده یفعل ذلک ثلث مرات "

یعنی حضور اقدس نبی اکرم ﷺ جب وقت خواب بستر مبارک پر تشریف لاتے ہر دو کف دست مبارک کو جمع کر کے ان میں دم کرتے اور سورۂ قل هو الله اور سورۂ فلق وسورۂ ناس پڑھتے ، پھر دونوں مبارک ہاتھوں کو جہاں تک وہ ہاتھ پہنچ سکتے اپنے جسم مبارک پر پھیرتے ۔ سر مبارک ، چہرۂ مبارک اور بدن اقدس کے سامنے کی جانب سے ابتداء فرماتے اور یہ عمل مبارک تین مرتبہ کرتے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم پڑھ کر دم کرنا حضور اقدس ﷺ کا فعل ہے ، اس کو منع کرنا اور ناجائز بتانا جہل و نادانی ہے ۔

اس حدیث کے حاشیہ میں لمعات سے منقول ہے:

" قد روی انه ﷺ فی مرضه اخذ بیدی عائشة فقرأ ونفث فیهما وامرها مرارهما علی جسده الشریف "

یعنی حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنے مرض کی حالت میں حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہر دو دست مبارک میں پڑھ کر دم فرماتے اور ان مبارک ہاتھوں کو اپنے جسم پر پھیرنے کا حکم دیتے ۔

دیکھئے دم کرنا اور ہاتھوں کا بدن پر پھیرنا حدیث شریف سے ثابت اور اللہ کے حبیب ﷺ کا فعل مبارک ہے ، اس کو ناجائز اور بدعت کہنا کیسا اندھا پن اور نابینائی ہے ، کیا ان بدنصیبوں کے نزدیک رسول کریم ﷺ کے افعال بھی بدعت ہوئے ؟ انف ہزار انف اس باطل پر جس کی ضد اس درجہ کو پہنچ گئی کہ اس نے امور مسنونہ افعال نبی کریم ﷺ کو بھی بدعت کہہ دیا ، مگر اپنی اس بدعت میں وہ خود کہاں بچے گا ، اس سے کہو کہ گھر کی خبر تو لے اور اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ اپنے استاذ الاساتذہ اور پیر پیراں مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی کتاب "قول جمیل" پڑھ جس کی آٹھویں فصل میں لکھا ہے:

"سمعته یقول اذا ظهر مرض الحصبة فخذ خیطا ازرق واقرأ سورة الرحمن وکلما مررت علی قوله تعالیٰ فبای الآء ربکما تکذبان فعقد عقدة ونفث فیها وعلق الخیط فی عنق الصبی بعاله الله تعالیٰ من ذلک المرض "

اس کا ترجمہ پیشوائے آں طائفہ مولوی محرم علی نے ان لفظوں میں کیا:

"اور میں نے حضرت والا سے سنا فرماتے تھے جب چیچک کی بیماری ظاہر ہو تو دھاگا لے اور اس پر سورۂ رحمن پڑھ اور جتنی بار کہ فبای الآء ربکما تکذبان پر پہنچے تو ایک گرہ دے اور اس پر پھونک

ڈال اور دھاگے کو لڑکے کی گردن میں باندھ دے حق تعالیٰ اس کو اس بیماری سے آرام دے گا"۔

اب دیکھیے یہ لوگ اپنے شیخ المشائخ پر کیا حکم لگاتے ہیں۔ انہوں نے پھونکنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ نیلہ دھاگا اور گرہ لگانا اور اضافہ فرمایا، ان کے نزدیک تو یہ ذیل بدعتیں ہوئیں، ان کے متعلق بھی کچھ حکم صادر کریں۔

انہی شاہ صاحب نے اسی فصل میں یہ بھی فرمایا:

" والتی تملس جنبها یاخذ خیطاً معصفراً علیٰ مقدار طولها ویعقد علیه تسع عقد ینفث فی کل منها واصبر وما صبرک الا باللہ الیٰ محسنون وقل یا ایها الکافرون الیٰ اخرها "

اس کا ترجمہ مولوی خرم علی نے یہ لکھا:

"اور جو عورت بچہ اسقاط کر دیتی ہو تو ایک دھاگا کسم کا رنگا اس کے قد کے برابر لے اور اس پر نو گرہ لگا دے اور ہر گرہ پر آیہ:

﴿واصبر وما صبرک ... تا ... مُحْسِنُوْنَ﴾ اور ﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ﴾

پڑھے اور پھونکے۔

کہیے یہ ڈورا اور کسم کا رنگ اور عورت کے قد کا ناپ اور نو گرہیں اور پھر پھونکنا بدعت ہوا یا نہیں؟ اور ان کی اصل نسل بدعی ٹھہریں یا نہیں؟ اور اس پھونکنے سے یہ لوگ نہ جلے نہ پھکے اور نہ انہوں نے اپنے پیر کے حکموں کو بدعت بتایا۔ بچے تو ہیں افعال نبی ﷺ سے۔ آپ کے افعال کو جرأت کے ساتھ بدعت بتا بیٹھتے ہیں۔ پیر سے عداوت نہیں جو ان کے افعال پر حکم لگائیں، شاہ صاحب نے اس قسم کی بدعات کا انبار لگا دیا ہے۔ اسی فصل میں لکھتے ہیں:

" ولمن به الحنازیر یعقد علی سبر من الادیم علی مقدار طول المریض احدی واربعین عقدة ینفث فی کل عقدة بسم اللہ الرحمن الرحیم اعوذ بعزة اللہ ..... الخ "

اس کا ترجمہ مولوی خرم علی نے یہ لکھا:

"اور جس کی گردن میں کٹھ مالا ہو تو چمڑے کے تسمے پر جو مریض کے قد کے برابر ہو اکتالیس گرہ دے اور ہر گرہ پر یہ دعا پھونکے"

کہیے اب بھی اس پھونکنے سے تم بھی کچھ پھکے یا وہی ضد ہے؟ شاید یہ کہو کہ وہ پیر پرانے ہو گئے اب تو نئی گلی نیا محل آج تو مولوی اشرف علی کی چلتی ہے ان کے سامنے پرانوں کو کون پوچھے، تو مولوی اشرف علی کا ترجمہ قرآن اٹھا لائیے اور سورۂ فاتحہ کے خواص دیکھیے جہاں وہ لکھتے ہیں کہ:

"امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ الحمد شریف چالیس بار پانی پر دم کر کے بخار والوں کے منہ پر چھینٹا

دے تو انشاء اللہ تعالیٰ بخار دفع ہو (در المنظیم) آنکھ کے درد کے لئے فجر کی سنت وفرض کے درمیان اکتالیس بار دم کرنے سے درد جاتا ہے۔"

اب دیکھئے ان کے دین کے اس نئے مجتہد نے پانی پر دم کرنے کا بھی حکم دیا اور مریض پر دم کرنے کا بھی اور اسی ترجمہ میں ہیں، بحوالہ تفسیر عزیزی لکھا ہے کہ "ہر قسم کے درد کے لئے سات بار پڑھ کر دم کرنا بھی مجرب ہے"۔

دیکھنا ہے کہ اب یہ کیا کہتے ہیں اپنے اس حکم کو غلط مانتے ہیں، یا اپنے نئے پرانے پیروں کو بدعتی گردانتے ہیں، یہ حقیقت ہوتی ہے، ان کی بدعتوں کی:

" لا حول ولا قوة الا بالله "

(۸) تقسیم شیرینی:-

ختم قرآن کریم کے بعد تقسیم شیرینی کا طریقہ مسلمانوں میں صدیوں سے بلا نکیر رائج، معمول ہے اور علماء وصلحاء کا اس پر عمل رہا ہے اور صالحین کا طریقہ اللہ تعالیٰ کو محبوب وپسندیدہ ہے۔ اسی راستہ پر چلنے کی دعا سورۂ فاتحہ میں تلقین فرمائی گئی:

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾

ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت فرما، ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے نعمت فرمائی اور وہ حضرات جو منعم علیہم ہیں اور نعمت الٰہی کے ساتھ امتیاز رکھتے ہیں وہ چار گروہ ہیں جن میں اخیر صالحین ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

﴿ أولئك الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين ﴾

وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، انبیاء، صدیقین، شہداء وصالحین، ان آیات سے معلوم ہوا کہ صالحین منعم علیہم میں ان پر انعام الٰہی ہے اور مسلمانوں کو ان کی راہ ہدایت چاہنے کی سورۂ فاتحہ میں تلقین فرمائی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ صالحین کی راہ صراط مستقیم ہے۔ تو جب تقسیم شیرینی کا عمل صالحین کا طریقہ ہے تو یقیناً صراط مستقیم میں داخل ہے، اس کا انکار وہ کرے گا جو صراط مستقیم سے منحرف ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسوں کے شر سے بچائے اور صراط مستقیم پر قائم رکھے۔

حدیث شریف میں بھی اس مضمون کو صاف کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

" ماراه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن "

جس چیز کو مسلمانوں نے اچھا جانا وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہے۔

جواب نمبر۱:- میں جو احادیث گذری ہیں ان سے ثابت ہے کہ ختم قرآن پاک کے لئے اہتمام اور خوشی اور احباب کا جمع کرنا طریقہ صحابہ کرام ہے۔ شیرینی کی تقسیم بھی ختم کی خوشی کا ایک طریقہ ہے لہٰذا بے شبہ مستحسن ہے۔ بعض جاہل جو اپنی نمود پر

مرتے ہیں ختم سے ایک یا دو روز پہلے شیرینی تقسیم کر دیتے ہیں گویا ان کے نزدیک تقسیم شیرینی تو ضرور ہے مگر وقت ختم ہونا اس کا قابل اعتراض ہے یہ عمل ان کا جہالت اور طریق صحابہ سے ناواقفی ہے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ختم کے لئے اہتمام فرماتے تھے۔ حتی کہ غیر رمضان میں بھی ختم کے لئے روزہ رکھتے تھے اسی دن اہل واحباب کو جمع کرتے تھے، لوگوں کو بلاتے تھے۔ پھر ختم کے دن میں یہ بھی فائدہ ہے کہ اس شیرینی پر اگر دم کر دیا جائے تو وہ تبرک ہو اور اس سے مسلمان مستفیض ہو سکیں، وہ اگر قرآن کریم کی برکت کے دل سے قائل ہوتے تو وہ اس تبرک کی دل سے قدر کرتے لیکن ان کے نزدیک تو حلال کھانا اور لذیذ وطیب غذائیں بھی قرآن پاک پڑھنے سے معاذ اللہ خراب ہو جاتی ہیں اس لئے وہ فاتحہ کو منع کرتے ہیں اور فاتحہ کے کھانے کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں اگر انہیں قرآن پاک کی برکت کا اعتقاد ہوتا تو ہرگز طعام فاتحہ کو برا نہ سمجھتے اور ختم قرآن پاک کے منکر نہ ہوتے۔

" واللہ یھدی من یشآء الی سواء السبیل "

(۹) خطبۃ الوداع:-

خطبۃ الوداع میں ان وہابیہ نے نہایت شور وغل مچایا اور اس خطبہ کو ناجائز وممنوع بتایا، باوجودیکہ ان کے پاس ممانعت کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے اور نہ وہ کوئی ایک حدیث یا ایک فقہی عبارت اس کے عدم جواز میں پیش کر سکتے ہیں، مگر ان کا دستور ہی یہ ہے کہ وہ اپنی رائے کو دین میں دخل دیتے ہیں اور اپنے خیال باطل سے جس چیز کو چاہتے ہیں ناجائز کر ڈالتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ منصب رسالت پر حملہ کرتے اور اس لئے بعد نبی ﷺ کے اور نیا نبی پیدا ہونا ممکن ٹھہرایا، اسی لئے انبیاء کو بڑا بھائی بتایا (علیہم الصلوۃ والسلام)، اسی لئے بعد نبی ﷺ کے نیا نبی پیدا ہونا ممکن ٹھہرایا اور اس کو منافی خاتمیت نہ جانا، اسی لئے اپنے بڑوں کو انبیاء کا استاد بھائی کہا اور ان کی طرف وحی باطنی آنے کا دعویٰ کیا، چونکہ انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیمات کے ارشاد واجب العمل اور دلیل شرعی ہیں اور ان کا اتباع سب پر لازم ہے کسی کو حق نہیں کہ ان سے کسی حکم کی دلیل مانگے احکام ان کی طرف مفوض ہوتے ہیں۔ ان کو بھی حرص ہوئی کہ وہ بھی شارع بنیں اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ برابری کا دعویٰ کر کے دنیا پر اپنے حکم چلائیں اس لیے انہوں نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا کہ جس چیز کو چاہا بے دلیل ممنوع وناجائز کہہ دیا، خطبۃ الوداع کس طرح ناجائز ہو گیا، خطبہ میں جو چیزیں شرعاً مطلوب ہیں ان میں سے کون سی ان میں نہیں پائی جاتی، یا کون سا امر ممنوع اس میں داخل ہے؟ تذکیر خطبہ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے، رمضان مبارک کے گزرے ہوئے ایام میں عمل خیر پر حسرت افسوس اور بابرکت ایام کو غفلت میں گزارنے پر قلق وندامت اور مہینہ کی رخصتی کے وقت اپنی گذشتہ کوتاہیوں کو نظر میں لا کر آئندہ کے لئے تیقظ وبیداری اور مسلمانوں کو عمل خیر کی تحریص وتشویق:

طریقہ تذکیر ہے اور اس میں نہایت نافع و سودمند نصیحت و پند ہے، اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ روتے روتے لوگوں کی بڑی بندھ جاتی ہیں اور انہیں سچی توبہ نصیب ہوتی ہے۔ بارگاہ الٰہی میں استغفار کرتے ہیں، آئندہ کے لئے نیک کے مصمم ارادہ کر لیتے ہیں، اس تذکیر کو فقہاء نے سنت فرمایا، عالمگیری میں ہے: "عاشرها العظة والتذكير" یعنی خطبہ کی دسویں سنت پند و نصیحت ہے۔ وہابیہ نے اس سنت کو بدعت و ناجائز کہہ دیا، اس جرأت نے کیا انتہا اور اس بیباکی کی کیا حد کہ شریعت طاہرہ میں جو چیز سنت ہو، یہ ظالم اس کو بدعت و ناروا بتائیں، یا یہ مطلب ہے کہ بعینہ یہ الفاظ حضور سید عالم ﷺ سے منقول نہیں۔ تو بھی باطل ہے کیونکہ سنت فقط پند و نصیحت ہے خواہ وہ کسی عبارت سے بھی حاصل ہو، نہ کہ خاص الفاظ اور خود جو خطبے پڑھتے ہیں ان کے الفاظ و عبارتیں کب حضور سے منقول ہیں اور کیوں یہ خاص حضور ہی کے خطبے نہیں پڑھتے نئے خطبے کیوں اپنی طرف سے گھڑتے ہیں، ان کے گرو گھنٹال اسمٰعیل دہلوی مصنف "تقویۃ الایمان" کا خطبہ چھپا ہوا موجود ہے۔ یہ خطبہ لکھ کر وہ بدعتی ہو گیا اور جو وہابی اس خطبہ کو پڑھتا ہے وہ اپنے ہی حکم سے بدعتی ہے، ورنہ کیا معنی کہ تمہارا بنایا ہوا خطبہ بدعت نہ ہو؟ اور اکابر علماء دین کے خطبے بدعت ہو جائیں۔ بات یہ ہے کہ وہابی کا عمل اس کے قول پر لعنت کیا کرتا ہے۔ ان کے لکھنے کی باتیں اور ہوتی ہیں اور کرنے کی اور۔ وہابیہ کا یہ بھی اعتراض ہے کہ اس جمعہ کو جمعۃ الوداع کیوں کہتے ہیں؟ مگر یہ ایسی لایعنی بات ہے کہ کوئی سمجھ دار انسان اس طرح کی بات زبان پر لانا گوارا نہیں کرے گا۔ کون نہیں جانتا کہ رمضان مبارک کا سب سے پچھلا جمعہ، جمعہ اخیرہ اور وقت وداع کا جمعہ ہے۔ اس کو جمعۃ الوداع کہہ دیا تو کیا بیجا، کبھی وہابی یہ نہیں سوچتا کہ اس کو عبدالحق کیوں کہتے ہیں، سارے ہی مسلمان عبدالحق ہیں اسی کی کیا تخصیص ہے۔ اسی طرح رشید احمد، خلیل احمد وغیرہ نام کیوں رکھے جاتے ہیں۔ جمعۃ الوداع کو تو مناسبت بھی ہے۔ ان ناموں کو تو ان اشخاص کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں۔ پھر مسجدوں کے نام رکھ لئے ہیں۔ کسی مسجد کا نام موتی مسجد، نہ اس میں موتی لگے ہیں نہ موتی نام کوئی مردیا عورت اس کا بانی تھا، پھر یہ نام کیوں رکھا گیا؟ اور مسجدوں کے ایسے نام رکھنے کہیں قرون ثلثہ میں پائے گئے تھے؟ مدرسہ کا نام رکھ لیا مدرسۃ الغربا، اس نام کی کیا سند ہے؟ پس وداع نام سے چڑ ہے اور ہر چیز کا نام رکھتے پھرتے ہیں۔

(۱۰) عید کی سویاں:-

سویاں اگرچہ نہایت نفیس طیب اور لذیذ غذا ہے مگر حلوہ خوردن روئے باید وہابیوں کی چڑ ہے۔ اس سے بہت کھسیاتے ہیں لطافت طبع کا یہ عالم کہ کوا ہضم۔ اس کا کھانا سو شہیدوں کا ثواب، وہابیوں کو پورے بہت مرغوب، فتاوی رشیدیہ میں اس کو جائز لکھا ہے، ہندوؤں کے یہاں کی ہولی، دیوالی کی پوری کچوری شوق سے کھا جاتے ہیں، مگر شب برات کو مسلمان حلال مال سے جو پاکیزہ حلوہ تیار کرے اس سے بہت نفرت ہے۔ عید کے روز سویاں جو کمال نفاست کے ساتھ

پکائی جاتی ہیں، اس کی مخالفت میں وہابی بہت سرگرم رہتے ہیں۔ پوچھئے یہ کیوں؟ کیا میدہ ناجائز ہے؟ یا سویوں میں کون ناجائز چیز پڑی ہے؟ یہ کہہ نہیں سکتے تو پھر ناجائز کیسے ہوگئیں؟ مگر وہابیہ نے قرآن پاک کے احکام نہیں دیکھے، یا دیدہ دانستہ قرآن پاک کی مخالفت پر کمر باندھی، اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾

اے ایمان والو! نہ حرام ٹھہراؤ ان پاک چیزوں کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال فرمایا اور حد سے نہ گزرو بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا حد سے گزرنے والوں کو۔ مگر وہابیہ نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ شب برات کے حلال طیب حلوے کو اور عید کی حلال طیب سویوں کو بے دھڑک ناجائز کر دیا، اس میں قرآن کریم کی مخالفت ہے، حکم الٰہی کی نافرمانی ہے۔ رہا یہ عذر کہ عید کے روز خاص کر سویاں پکانے کو منع کیا جاتا ہے، تو اس میں دو غلطیاں ہیں اول تو سویاں عید کے ساتھ خاص نہیں۔ بکثرت لوگ دوسرے ایام میں بھی سویاں پکاتے ہیں، رمضان مبارک میں بھی پکتی ہیں اس کے بعد بھی پکتی ہیں۔ ایسا کوئی بھی نہیں ہے جو یہ سمجھتا ہو کہ عید کے سوا کسی دن سویاں کھانا جائز ہی نہیں ہے۔ دوسری غلطی یہ کہ اگر سویاں خاص عید کو ہی پکتی ہوتیں اور کسی دن نہ پکتیں مگر لوگ جانتے یہ کہ دوسرے ایام میں بھی ان کا پکانا جائز ہے تو بھی اس کی ممانعت کی کیا وجہ ہے؟ کیا عید کے روز حلال چیز پکانے سے حرام ہو جاتی ہے؟ شرع مطہرہ میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ عیدین کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضیافت کے ایام ہیں۔ وہابیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے یہاں ضیافت ہو تو حلال چیز بھی حرام ہو جائے، مگر لطف یہ کہ جس طرح سویاں عید کو پکائی جاتی ہیں اسی طرح افطار میں سارے مہینہ دال سیو استعمال میں رہتے ہیں اور وہابی خوب ان کے چٹکے اڑاتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کے گھر کی پکی ہوئی سویاں تو ناجائز ہوگئیں اور ہندو دال کے بنائے ہوئے دال سے جائز ہی رہے۔ یہ شاید کانگرس کی محبت میں موردِ عنایت ٹھہرے۔ سیو اور سویوں میں فرق کیا ہے صنعت دونوں کی ایک طرح کی ہے سویاں میدہ کی ہوتی ہیں اور سیو بیسن کے، مگر انہیں ناجائز کرنے میں ہندو دوستوں کی تجارت کو نقصان پہنچتا تھا، تو آج تک کسی وہابی مولوی نے بھی دال سیو سے افطار ممنوع و بدعت نہیں ٹھہرایا، اس کے علاوہ ایک فرق اور بھی ہے اور وہ یہ کہ افطار میں کھجور افضل ہے، سیو اور دال کو کوئی فضیلت نہیں، مگر عید کے روز سویوں سے ایک مستحب ادا ہوتا ہے، عالمگیری میں ہے:

"واستحب فی عید الفطر ان یاکل قبل الخروج الی المصلی تمیرات ثلاثاً او خمساً او سبعاً او اقل او اکثر بعد ان یکون وتراً والا ما شاء من ای حلو کان کذا فی العینی شرح الکنز"

یعنی عید الفطر کے دن نماز عید کو جانے سے قبل مستحب ہے کہ مسلمان کھجوریں تین یا پانچ یا سات یا کم یا زیادہ کھائے جبکہ وتر ہوں، ورنہ اگر کھجوریں نہ کھائے تو جو شیرینی چاہے، فقہ کی کتابوں کا تو یہ حکم کہ جو شیرینی چاہے کھائے۔ اس کا کم

منع اور وہابی مولوی کا یہ حکم کہ اگر مسلمان شیریں سویاں کھانا چاہے تو ناجائز، یہ حکم قرآن کے بھی خلاف، عقل کے بھی خلاف ہے۔ دینوں نے شریعت کی مخالفت کو دین سمجھا ہے اور پھر اس پر وہ شدت ہے وہ سرگرمی ہے وہ کوششیں ہیں جو کسی امر حرام کے روکنے کے لئے وہابیوں کو کبھی میسر نہ آئیں۔

(۱۱) مصافحہ و معانقہ:-

عید کے روز مصافحہ و معانقہ کی ممانعت میں وہابیہ کو نہایت اصرار ہے اور اس کو روکنے کے لئے وہ انتہائی کوششیں کرتے ہیں، بدعت سیہ، ناجائز بتاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مصافحہ و معانقہ سنت ہے، رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے ان دونوں کے باب میں احادیث وارد ہوئیں۔

حدیث نمبر ۱: بخاری شریف میں حضرت قتادہ سے مروی ہے:

"قلت لانس اکانت المصافحة فی اصحاب النبی ﷺ قال نعم"

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا اصحاب رسول ﷺ میں مصافحہ تھا؟ فرمایا کہ ہاں۔

حدیث نمبر ۲: امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت براء بن عازب سے حدیث مرفوع روایت کی:

"قال النبی ﷺ ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لهما قبل ان یفترقا"

کوئی دو مسلمان ایسے نہیں ہیں کہ باہم مل کر مصافحہ کریں مگر ان کے جدا ہونے سے پیشتر ان کی مغفرت فرما دی جاتی ہے۔

حدیث نمبر ۳: امام مالک نے مسرسلا عطاء خراسانی سے روایت کی:

"ان رسول الله ﷺ قال تصافحوا یذهب الغل"

رسول کریم ﷺ نے فرمایا مصافحہ کرو تا کہ کینہ دور ہو۔

حدیث نمبر ۴: بیہقی نے براء بن عازب سے روایت کی کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

"المسلمان اذا تصافحا لم یبق بینهما ذنب الا سقط"

دو مسلمان جب باہم مصافحہ کرتے ہیں ان کے درمیان کوئی گناہ نہیں رہتا مگر ساقط ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۵: ابوداؤد نے ایوب ابن بشیر سے روایت کی کہ وہ قبیلہ عنزہ کے ایک مرد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا:

"هل کان رسول الله ﷺ یصافحکم اذا لقیتموه قال مالقیته قط الا صافحنی وبعث الی ذات

یوم ولم اکن فی اھلی فلما جئت اخبرت فاتیتہ فالتزمنی و کانت تلک اجود اجود "

یعنی کیا رسول اللہ ﷺ مصافحہ فرماتے تھے جب تم حضور سے ملتے؟ حضرت ابوذر نے فرمایا کہ میں حضور سے کبھی نہ ملا مگر جب ملا حضور نے مجھ سے مصافحہ فرمایا اور ایک روز میری طرف آدمی بھیجا اور میں اپنی اہل میں نہ تھا پس جب میں آیا تو مجھے خبر دی گئی میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا حضور تخت پر جلوہ افروز تھے، حضور نے مجھ سے معانقہ فرمایا تو یہ معانقہ نہایت ہی خوب تر اور خوب تر ہوا۔

حدیث نمبر ۶: امام احمد نے یعلی سے روایت کی:

" ان حسناً و حسیناً استقا الی رسول اللہ ﷺ فضمھما الیہ"

امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور سید عالم ﷺ کے پاس دوڑ کر آئے حضور علیہ و آلہ و اصحابہ والصلوٰۃ والسلام نے انہیں سینے سے لگا لیا۔ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ و معانقہ سنت رسول ہے۔ ﷺ اب رہا کہ کسی خاص وقت میں سنت ہے یا مطلقاً؟ احادیث مذکورۂ بالا پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنت کسی مخصوص وقت کے ساتھ خاص نہیں جس وقت جس زمانہ جس دن بھی مصافحہ یا معانقہ علیٰ وجہ محمود کیا جائے گا سنت ہی ہوگا اور ادائے سنت کی نیت رکھنے والے کو سنت کا ثواب ملے گا۔ مجمع البحار میں ہے:

" ھی سنۃ مستحبۃ عند کل لقاء وما اعتادوہ بعد صلوۃ الصبح والعصر لا اصل لہ فی الشرع ولکن لا باس بہ وکونھم حافظین علیھا فی بعض الاحوال مفرطین فیھا فی کثیر منھا لا یخرج ذلک البعض عن کونہ مما ورد الشرع باصلھا و ھی من البدع المباحۃ "

یعنی مصافحہ ہر ملاقات کے وقت سنت مستحبہ ہے اور یہ جو لوگوں نے نماز فجر و عصر کے بعد عادت ڈال لی ہے اس عادت کی شرع میں کوئی اصل نہیں، لیکن اس میں کچھ مضائقہ بھی نہیں اور بعض اوقات میں لوگوں کا مصافحہ کی پابندی کرنا اور بہت حالات میں کوتاہی کر جانا ان بعض اوقات کو اس سے خارج نہیں کر دیتا جن کی اصل کے ساتھ شرع وارد ہوئی (یعنی بعد عصر و فجر کی پابندی مصافحہ کو سنیت سے خارج نہیں کرتی) اور یہ عادت (یعنی فجر و عصر کے بعد پابندی مصافحہ) بدعات مباحہ میں سے ہے۔

اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ مصافحہ ہر ایک ملاقات کے وقت سنت مستحبہ ہے خواہ وہ ملاقات عید کو ہو یا رمضان میں یا ذی الحجہ میں یا جمعہ کو یا اور کسی روز اور خواہ صبح کو ہو یا دوپہر کو یا شام یا شب میں جب کبھی ملاقات ہوگی اور مصافحہ کیا جائے گا سنت ہی رہے گا۔ کوئی وقت اور کوئی دن اس کو سنت سے خارج نہ کر سکے گا۔ یہی احادیث مذکورۂ بالا سے ثابت ہوتا ہے، چنانچہ حدیث نمبر ۲ و حدیث نمبر ۵ سے یہ مضمون صراحتاً ظاہر ہو رہا ہے، اب عید کے روز مصافحہ کا منع کرنا

حدیث شریف کی مخالفت ہے۔

دوسری بات عبارت مجمع البحار سے یہ معلوم ہوئی کہ مصافحہ بعد نماز فجر وعصر جو معمول ہے جائز ہے اور ان وقتوں کی پابندی اس کو ثابت الاصل فی الشرع ہونے سے خارج نہیں کرتی اور ایسی عادت ڈال لینا بدعت مباحہ میں سے ہے، یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ مصافحہ بعد عصر و فجر کو سنت میں داخل کرنا اور بدعت مباحہ بتانا دو متضاد اور مخالف باتیں ہیں، کیونکہ بدعت حسنہ خود وہابیہ کے اقرار سے مخالف سنت نہیں، بلکہ داخل سنت ہوتی ہے، چنانچہ پیشوائے وہابیہ نے "براہین قاطعہ" صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے کہ:

"قسم اول کو بدعت حسنہ نام رکھتے ہیں اور ملحق بالسنہ جانتے ہیں" اور اس سے چند سطر بعد پھر لکھا کہ "قسم محمود سنت میں داخل ہے۔"

جب بدعت حسنہ سنت میں داخل ہوئی تو مجمع البحار کی عبارت میں کوئی شبہ نہ رہا اور صاف ثابت ہو گیا کہ فجر وعصر کے بعد مصافحہ کی عادت داخل سنت ہے اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

"ومصافحه سنت است نزد ملاقات و باید که بهر دو دست بود و آنکه بعضے مرد مصافحه بعد از نماز میکنند یا بعد نماز جمعه کنند چیزے نیست و بدعت است از جهت تخصیص وقت امانیت مصافحه کے علی الاطلاق است باقی ست پس بوجهے سنت است وبوجهے دیگر بدعت"

اس سے معلوم ہوا کہ مصافحہ تو سنت ہی ہے خواہ بعد فجر وعصر ہو یا بعد جمع، البتہ تخصیص اس طرح کہ دوسرے اوقات میں نہ کیا جائے بدعت مباحہ ہے۔

تیسری بات مجمع البحار سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ کلام ایسی عادت میں ہے کہ بعد فجر وعصر تو مصافحہ کی پابندی کی جائے اور دوسے اوقات میں بکثرت کوتاہی ہو اور اگر اور اوقات میں بھی مصافحہ کیا جائے تو اس میں کچھ کلام ہی نہیں۔

چوتھی بات اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ کسی عمل کا کسی خاص وقت میں عادی ہو جانا اس عمل کے حکم کو نہیں بدلتا اور جائز کو ناجائز نہیں کر ڈالتا۔

اب عید کے مصافحہ پر غور کیجئے تو آج کل مسلمانوں کا یہ معمول ہے کہ عید کو بھی مصافحہ کرتے ہیں اور بغیر عید کے بھی مصافحہ کرنے والے کوئی تخصیص نہیں کرتے۔ البتہ مانعین منکرین یعنی وہابیہ عیدین کے مصافحہ کو اطلاق احادیث کے خلاف

بجائز کہتے اور مصافحہ کو باقی ایام کے ساتھ عمل و اعتقاد میں خاص کرتے ہیں یہ تغیر سنت اور تبدیل حکم پیغمبر ہے، یہ اسلام و اسلام اور یہی بدعت مذمومہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

" قال رسول الله ﷺ ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة رواه احمد "

یعنی جو کوئی قوم کوئی بدعت نکالتی ہے اس کی مثل سنت اٹھالی جاتی ہے۔ دوسری حدیث دارمی کی ہے اس کے یہ الفاظ ہیں:

" ما ابتدع قوم بدعة فی دینهم الا نزع الله من سنتهم مثلها ثم لا یعیدها الیهم الی یوم القیمة "

یعنی کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت نہیں نکالتی مگر (جب نکالتی ہے) تو اللہ تعالیٰ ان کی سنتوں میں اس کی مثل اٹھا لیتا ہے پھر اس کی طرف قیامت تک واپس نہیں فرماتا ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ایک بدعت سیہ، کی شامت و نحوست سے بدعتی قوم ایک سنت سے محروم کر دی جاتی ہے۔

اب دیکھئے کہ احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ مصافحہ جمیع اوقات و ازمان میں مسنون و مستحب ہے۔ وہابیہ نے مصافحہ عیدین کو ناجائز بتایا، اس سے وہ اس سنت سے محروم ہو گئے اور مصافحہ و معانقہ جو جمیع ازمان میں مسنون تھا اس کو انہوں نے خلاف شرع غیر ایام عیدین کے ساتھ خاص کر دیا اور ایام عیدین کو عموم اوقات سے محض اپنی رائے سے خارج کر دیا، یہ ابتداع فی الدین ہوا اور اس سے رفع سنت لازم آیا، یہ وہابیہ کی بدعت سیہ، ہے۔

معانقہ کی نسبت وہابیہ نے یہ مشہور کیا ہے کہ معانقہ صرف وقت قدوم یعنی سفر سے آنے کے بعد جائز ہے، یہ غلط ہے کیونکہ احادیث مذکورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ معانقہ قدوم کے ساتھ مشروط نہیں، کیونکہ حدیث نمبر ۵، و ۶، سے صاف ظاہر ہے کہ معانقہ کے لئے سفر سے آنا شرط نہیں اور ان دونوں حدیثوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو معانقہ ثابت ہے وہ بعد سفر نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث نمبر ۵، کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" از ینجا معلوم گردد که معانقه در غیر حال قدوم از سفر نیز آمده از برائے اظہار محبت و عنایت "

یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معانقہ سفر سے آنے کے سوا اور حالات میں بھی اظہار محبت و عنایت کے لئے ثابت ہے۔ جب حدیث شریف سے یہ معلوم ہو گیا کہ معانقہ اظہار محبت کے لئے بھی ہوتا ہے۔ تو اب معانقہ عیدین میں کیا کلام رہا جو یقیناً اظہار محبت ہی کے لئے کیا جاتا ہے، اس کا سنت ہونا حدیث سے ثابت ہوا۔ وہابیہ نے مستحب کہا سنت کو بدعت بتا دیا!

" ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم "

یہ بھی وہابیہ کے معلومات کی کمی ہے کہ وہ معانقہ کو وقت قدوم سفر کے ساتھ خاص کرتے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ معانقہ

کن کن اوقات میں اور کن کن حالات میں مشروع ہے اگر اشعۃ اللمعات بھی دیکھی ہوتی تو اتنا جانتے کہ قدوم کے علاوہ تو رفع اور طویل عہد ملاقات اور حب فی اللہ بھی اس کے محل ہیں۔ حضرت شیخ محقق قدس سرہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

" وجائز آنکہ ترد تودیع و قدوم سفر باشد یا بجہت طول عہد ملاقات یا غلبہ و شدت حب فی اللہ بود"

اور ظاہر ہے کہ عیدین میں دور دور سے لوگ اپنے وطن آتے ہیں اور مدتوں کے بچھڑے باہم ملتے ہیں تو یہاں معانقہ کے تین وجوہ پائے گئے، ایک اظہار محبت ومودت، دوسرے قدوم سفر اور تیسرے طول عہد ملاقات، پھر ان سب سے اندھا بن جانا اور عید کے روز معانقہ ومصافحہ کو ناجائز کہے جانا کس قدر جہالت وحق فراموشی وباطل کوشی ہے۔ جاہلوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ معانقہ کس حال میں ممنوع ومکروہ ہے؟ حضرت شیخ محقق قدس سرہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

" واز شیخ ابو منصور ماتریدی درتطبیق احادیث نقل کردہ شدہ است کہ آنچہ بروجہ شہوت بود مکروہ است وآنچہ برو کرامت باشد مشروع و گفتہ اند کہ خلاف درجا تیست کہ برہنہ تن باشد اما باقمیص و جبہ لا باس بہ است باجماع و ہو الصحیح کذا فی الکافی"

اس سے معلوم ہوا کہ جو معانقہ شہوت کے ساتھ ہو وہ مکروہ ہے اور جو برو کرامت کے طور پر ہو جیسا کہ عیدین میں ہوتا ہے وہ جائز ومشروع ہے۔ علماء نے یہ بھی فرمایا کہ خلاف اس میں ہے کہ معانقہ برہنہ تن ہو کر کیا جائے، کرتہ قمیص وغیرہ کوئی کپڑا بدن پر نہ ہو، ننگے سینہ سے ننگا سینہ ملایا جائے۔ لیکن جب قمیص یا جبہ اور کوئی کپڑا حائل ہو تو معانقہ باجماع جائز ہے، یہی صحیح ہے فقہاء تو یہ فرماتے ہیں، مگر وہابیہ کی یہ ضد کسی طرح مانتی ہی نہیں۔ حدیث وفقہ کی تو وہابیہ کو کیا پروا ہوگی، اور وہ کیا مانیں گے۔ اب ہم انہیں انہی کے امام ومقتداء بزرگ وپیشوا کا قول دکھائیں شاید اسی سے کچھ شرمائیں۔

"زبدۃ النصائح" میں مولوی اسمٰعیل دہلوی پیشوائے وہابیہ کی تقریر میں ہے:

" ہمہ اوضاع از قرآن خوانی و فاتحہ خوانی و طعام خوراینڈن سوائے کندن چاہ و مثالہ و دعاء واستغفار واضحیہ بدعت است گو بدعت حسنہ بالخصوص است مثل معانقہ روز عید و مصافحہ بعد نماز صبح و یا عصر"

یعنی کنواں کھودنے اور اس کی مثل اور کام اور دعاء واستغفار قرآن کے سوا تمام اوضاع قرآنی خوانی وفاتحہ خوانی اور کھانا کھلانا سب بدعت ہیں گو خاص بدعت حسنہ ہیں، جیسے کہ عید کے دن کا معانقہ اور نماز صبح وعصر کے بعد مصافحہ بدعت

حسنہ ہے۔

وہابیوں کے اس پیشوا نے عید کے معانقہ کو تو بدعت حسنہ بتایا ہی تھا اس کے ساتھ فجر وعصر کے بعد کا مصافحہ اور قرآن خوانی وفاتحہ خوانی اور کھانا کھلانا یعنی فاتحہ گیارہویں، تیجہ، چالیسواں، عرس وغیرہ سب کو بدعت حسنہ بتایا اور وہابیوں کے سارے گھر ہی کو ڈھا دیا کیونکہ وہابیہ کے نزدیک بدعت حسنہ داخل سنت ہوتی ہے، جیسا کہ ہم اوپر بحوالہ "براہین قاطعہ" نقل کر چکے ہیں، تو وہابیہ کے طور پر یہ تمام امور سنت ہوئے۔ کس قدر ڈھٹائی ہے کہ معانقہ عیدین جو حدیث وفقہ کے علاوہ خود امام الوہابیہ کے قول سے سنت ثابت ہوائے وہابی اس کو تشبیہ بالہنود بتائیں تو گویا تشبیہ بالہنود کو ان کا امام سنت کہتا ہے، شرم۔

یہ تو ان کو کیا معلوم ہوگا کہ تشبیہ میں کیا کیا شرطیں ہیں اور تشبہ کن حالات میں ممنوع ہوتا ہے، مگر شاہی مسجد مراد آباد میں تھنی بجاتے ہوئے ہنود کا تشبہ یاد نہ آیا؟ اور اب تشبہ کی وہابیہ کو کیا پروا ہے، قشقے لگا چکے، تلکلیاں اٹھا چکے، جے بول چکے، انجو بھے ڈال چکے، مسجدوں میں ہندوؤں کو اعزاز واکرام کے ساتھ بلند مقاموں پر بٹھا چکے۔ ہندو لیڈر کو اپنا رہنما وپیشوا بنا چکے، مسلمانوں سے لڑے اور ہندوؤں سے ملے۔ مسلمانوں پر تبرا کیا اور ہندوؤں کی تعریفیں کیں، ہندوؤں کی اتباع میں بیل تک کاٹی، سب ہندوؤں کے تشبہ کے کاتا گوار ہونا ایک بہانہ ہے حیلہ ہے۔

"ولا حول ولا قوۃ الا باللہ"۔

مسائل بحمد اللہ تعالیٰ قرآن کریم اور احادیث نبویہ وعبارات کتب معتبرہ فقہیہ اور خود تصریحات اکابر وہابیہ سے ثابت کر دیئے گئے۔ اس وضوح تام کے بعد بھی اگر وہابیہ کو انکار ہے تو یہ ایک بے مثال ضد اور بے نظیر ہٹ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ آنکھوں سے پردے اٹھائے اور دلوں کو قبول حق کی توفیق مرحمت فرمائے، اور مسلمانوں میں آئے دن کی تفرقہ اندازی سے بچائے، آمین۔

والحمدللہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و خاتم رسولہ وعلیٰ جمیع انبیائہ و من تبعھم اجمعین آمین۔

العبد المعتصم بحبلہ المتین

کتبہٗ

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

☆☆☆☆☆

عُرس کا حکم

استفتاء از منونا تھ بھنجن قاسم پورہ ضلع اعظم گڑھ بمرسلہ مولانا مولوی ابوالحامد احمد علی صاحب زید لطفہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان متین اس مسئلہ میں کہ بزرگان دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبروں پر عرس کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب باسند کتاب اور یہ کہ لفظ عرس کے کیا معنی ہیں عبارت عربیہ یا فارسیہ وترجمہ مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں فقط۔

الجواب:- "نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم" بزرگان دین کے مزارات پر ان کی وفات کے دن جو لوگ زیارت وایصال ثواب وحصول برکات کے لئے سالانہ حاضر ہوتے ہیں اس کو عرس کہتے ہیں "غیاث اللغات" میں ہے مجازاً بمعنی مجلس فاتحہ بزرگان کہ بروز وفات بعد از سالے کنند چرا کہ رحلت از محمکدۂ بمنزلہ شادی عروسی است بحق عاشقان حق چنانکہ سعدی فرماید۔

عروسی بود نوبتے ماتمت　　اگر نیک روزی بود خاتمت

لفظ عرس اس معنی کے لئے حدیث شریف سے ماخوذ ہے کہ نکیرین قبر میں جواب شافی کے بعد بندۂ مرحوم سے کہتے ہیں: "نم کنومۃ العروس الذی لا یوقظہ الا احب اھلہ الیٰ اخرہ رواہ الترمذی" یعنی سوجا مثل سونے عروس کے جس کو اس کے اہل میں اس کے سب سے پیارے کے سوا کوئی نہ جگائے۔" فی الواقع جب منزل اول کے امتحان کا وصدق واخلاص میں بندہ کامیاب ہوا اور رحمت وکرم سے نوازا گیا، تو وہ دن اس کے لئے دنیا کے تمام ایام سے زیادہ شادی وخوشی کا دن ہے، اور حقیقت میں وہ آج ہی دولھا بنا ہے کہ ملائکہ رحمت اس کی تاز برداری کرتے ہیں اور جنتی سامانوں سے اس کی قبر کو روضہ پر بہار بنا کر اس سے آرام کی نیند سونے کی درخواست کرتے ہیں جس کا بیان حدیث شریف میں ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے:

"ان صدق عبدی فافرشوہ من الجنۃ وفتحوا لہ بابا الی الجنۃ　　الیٰ اخرہ رواہ احمد"

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۲)

بندہ صادق کے سوال نکیرین کے جواب شافی دینے کے بعد آسمان سے ندا کرنے والا ندا کرتا ہے کہ میرے بندہ نے سچ کہا پس اس کے لئے جنتی فرش بچھاؤ اس کو جنتی لباس پہناؤ اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔

جن کے لئے قبر میں یہ عزت وتکریم ہو ان کے لئے موت کا دن یقیناً شادی کا دن ہے۔ اس لئے اولیاء حق کے روز وفات کو روز عرس کہنا بالکل بجا اور حدیث شریف سے ماخوذ ہے۔

یہ تو لفظ عرس کے معنی کا ایک مختصر بیان ہوا اب مسئلہ عرس کے متعلق عرض کیا جاتا ہے۔

عرس کا جواز ریب و اشتباہ کا محل نہیں ہے اکثر شریعت میں اس کی کوئی سند بھی نہ پائی جائے تو بھی بسبب عدم ورود ممانعت کے جائز ہوتا، کیونکہ عدم ممانعت ہی کا نام اباحت و جواز ہے۔

" قال اللہ تعالی ﴿ یاایھا الذین امنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم وان تسئلوا عنھا حین ینزل القرآن تبد لکم عفا اللہ عنھا ﴾ "

یعنی اے ایمان والو! تم بہت چیزوں کو دریافت نہ کرو، اگر کوئی حکم ظاہر فرما دیا جائے گا تو تمہیں گراں گزرے گا، اور اگر تم زمانہ نزول قرآن میں دریافت کرو گے تو ظاہر کر دیا جائے گا اللہ نے وہ معاف فرما دیا ہے۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ جس امر پر شریعت طاہرہ نے کوئی حکم نہ دیا ہو وہ معاف ہے اس پر مواخذہ نہیں اور مباح اسی کو کہتے ہیں کہ اس کے کرنے پر کوئی عذاب نہ ہو۔ حدیث شریف میں وارد ہوا:

" ما سکت عنہ فھو مما عفی عنہ "

یعنی جس چیز کے بیان سے سکوت فرمایا وہ معاف ہے یعنی اس کے کرنے پر کوئی عذاب نہیں، دوسری حدیث شریف میں ہے:

" وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا "

اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں سے بغیر نسیان کے سکوت فرمایا ہے تم ان میں بحث نہ کرو۔ یعنی نسیان سے تو اللہ تعالیٰ پاک ہے تو جن چیزوں کا حکم بیان نہ فرمایا ہو، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ وہ فراموش ہو گئیں ہوں تو علم میں حاضر ہوتے ہوئے جس چیز کی نسبت کوئی حکم ظاہر نہ فرمایا اس سے صاف مرضی معلوم ہوتی ہے کہ اس کے کرنے پر کوئی مواخذہ و عذاب نہیں۔ ان آیات و احادیث سے فقہاء نے یہ قاعدہ حاصل کیا کہ:

" الاصل فی الاشیاء الاباحۃ "

یعنی اصل چیزوں میں جانب شرع سے اباحت ہے تو جس پر ممانعت وارد نہ ہو وہ اباحت اصلی شرعی پر ہے:

" اما الاباحۃ الاصلیۃ التی نالت بھا المعتزلۃ فھی مالا مدخلیۃ فیھا للشرع وھی غیر ذلک "

اس قاعدہ نافعہ اور اس اصل عظیم سے ہزارہا مسائل حل ہوتے ہیں اور کوئی مدعی اسلام ایسا نہیں ہے جس کے کثیر معمولات اس اصل کی شہادت نہ دیتے ہوں، جب یہ اصل آیت و حدیث و فقہ سے ثابت ہو گئی تو عاقل کے لئے یہ جان لینا کافی ہے کہ عرس پر ممانعت کا وارد ہونا اس کے جواز کی مضبوط دلیل ہے۔ منکرین عرس کو کچھ بھی جائے چون و چرا نہیں ہے

اب تک کہ وہ ممانعت عرس کو کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ کریں۔ اور ممانعت پر اصلاً کوئی دلیل نہیں تو جواز یقینی ہوا، یہ تو اس تحریر پر ہے جب کہ فرض کرلیا جائے کہ عرس کا کوئی ثبوت موجود نہیں اور اتنا تو ہر شخص جانتا ہے کہ علماء صلحاء مشائخ کے یہاں بتائے دراز سے ہر ہر ملک میں عرس معمول ہے مسلمان اس میں عام طور پر شرکت کرتے ہیں اور اس کو موجب خیر و برکت جانتے ہیں، مستحسن سمجھتے ہیں تو کافہ اہل اسلام کا عمل اور صالحین کا تعامل کسی چیز کے استحباب کے لئے خود ایک دلیل ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہوا:

"ماراہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسنٌ"

جو امر مسلمانوں کے نزدیک بہتر ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی بہتر ہے اگر منکرین کو عرس کی کوئی دلیل معلوم نہ تھی تو انہیں اتنا ہی سمجھ کر استحسان کا قائل ہو جانا چاہئے تھا۔ اب میں آپ کو عرس کے ثبوت دکھاؤں غور کیا جائے کہ عرس میں زیارت قبور ہوتی ہے تلاوت قرآن پاک ہوتی ہے۔ ذکر خیر اور ایصال ثواب ہوتا ہے یہ سب چیزیں احادیث سے ثابت ہیں۔ زیارت قبور کے لئے حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا"

یعنی میں نے تمہیں زیارت قبور سے پہلے منع کیا تھا پس اب ان کی زیارت کیا کرو، اور بہت حدیثیں زیارت قبور کی ترغیب میں وارد ہوئی ہیں، اسی طرح تلاوت قرآن پاک اور ایصال ثواب، سب امور خیر ہیں اور شرع میں ان کے ثبوت کثرت سے موجود ہیں کہ جن کا انکار، کمال ہٹ دھرمی اور انتہائی نفسانیت ہے، رہی یہ بات کہ عرس میں ہیئت کذائی کہاں تھی؟ یہ سوال خود لایعنی اور نا قابل التفات ہے کیونکہ کسی چیز کے جائز یا مستحب ہونے کے لئے اس کی اصل کا ثابت ہونا کافی ہوتا ہے ورنہ تمام مدارس بدعت و گناہ ہو جائیں گے اور ان میں چندے دینا ان کی تائید کرنا اعانت علی المعصیت ہو کیونکہ مدرسہ کی ہیئت کذائی زمانہ اقدس میں نہیں پائی گئی، طلباء کی جماعتیں کی جماعتیں صف بندیوں کے ساتھ کب مرتب تھیں؟ امتحانوں کی یہ شان کب تھی؟ لیکن اگر آپ اپنے اس فعل کو بے اصل نہیں مانتے ہیں اور ہیئت کذائی اس کو ثابت الاصل ہونے سے خارج نہیں کر سکتی ہے تو عرس کو بھی غیر ثابت الاصل نہیں کہا جا سکتا، خاص کر ایسی حالت میں جب کہ وہ احادیث سے ثابت ہو، جیسا کہ تفسیر درمنثور میں مروی ہے کہ حضور پرنور سید عالم ﷺ شہدائے احد کے مزاروں پر سال کی پہلی تاریخ تشریف لے جایا کرتے تھے، اس حدیث سے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ صفحہ ۴۰ میں ذکر فرمایا، اب رہا یہ عذر کہ حضور ﷺ اگر تشریف لے جاتے ہوں گے تو دو ایک کا خادم ہمراہ ہوتے ہوں گے اجتماع کثیر

کہاں سے ثابت ؟ یہ نہایت ہی باریک اور بہت ہی کمزور بات ہے کیونکہ اول تو یہ قیاس کہ حضور سید الانبیاء ﷺ کی خدمت میں اس موقع پر صرف دو ایک صاحب ہی ہوتے ہوں گے، بے اصل اور بے دلیل ہے اس کے لئے کوئی نقل درکار ہے۔ ملاوہ بریں فرض کیجئے دو ایک خادم بھی ہمراہ نہ ہوتے ہوں تو بھی کیا حضور سید الانبیاء ﷺ کا تاریخ معین پر تشریف لے جانا مسلمانوں کے لئے اس عمل کو سنت نہ کرے گا؟ اور جب باتباع حضور ﷺ تاریخ معین پر اہل اللہ کے مزارات پر جانا سنت ثابت ہوا تو کون سا امتی ہے جس کو کوئی شخص بھی اس سنت کی ادا سے روک سکے تو اگر کسی مزار پر اتباع سنت کی نیت سے بکثرت جانے والے جائیں، تو ان میں ہر ایک سنت کا عامل ہوگا، اور ان کے بیک وقت مجتمع ہونے سے وہ سنت اٹھ نہ جائے گی؛ اس لئے اس اجتماع کو عدم جواز کی دلیل بنانا غلط و باطل ہے، اور اس میں اپنی رائے سے سنت کی تقلید لازم آتی ہے۔ حقیقت عرس اسی قدر ہے جو بحمد اللہ احادیث سے ثابت ہے جب بقصد زیارت واتباع سنت بکثرت مسلمان کسی مزار پر پہنچے اور وہاں اجتماع مومنین حاصل ہو گیا تو اب وعظ و ذکر، تلاوت قرآن، صدقہ بہتر ین مشاغل میں سے ہیں، یہی کام عرس میں ہوتے ہیں، علماء صلحاء اولیاء اہل اللہ ہر طبقہ کے لوگ اس ادائے سنت کے لئے آتے ہیں۔ ان حضرات کی زیارتیں ان کی ملاقات ان کا فیض صحبت یہ ایک نعمت ہے جس سے مومن دنیوی واخروی منافع حاصل کرتا ہے۔ جب اس مبارک مقصد کی بدولت اجتماع ہو تو اس کے فرش وغیرہ کا انتظام زائرین کی آسائش کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اور حدیث شریف میں وارد ہوا کہ بندگان خدا کے آرام کے لئے رستہ سے کانٹے وغیرہ کسی ایذا دینے والی چیز کا ہٹا دینا بھی ثواب اور ایمان کی نشانی ہے

" قال النبی ﷺ الایمان بضع وسبعون شعبة افضلها لا اله الا الله وادناها اماطة الاذی عن الطریق "

جب راہ گذر سے کانٹا پتھر ٹھوکر لگنے والی چیز ہٹانا بھی ثواب اور ایمان کی نشانی ہے اس لئے کہ اس سے بندگان خدا کو ایک طرح کا آرام پہنچتا ہے تو ادائے سنت کے لئے سفر کرنے والوں کے واسطے روشنی فرش، لنگر یعنی کھانے کا انتظام کرنا بطریق اولی موجب برکت وثواب ہوگا۔ اب ثابت ہو گیا کہ عرس شرع سے ثابت اور رسول کریم ﷺ کی سنت ہے اس کی مخالفت میں تشدد نہ کرنا چاہئے کہ اس سے مخالفت سنت کی لازم آئے گی۔

واللہ تعالی اعلم وعلمه احکم

العبد المعتصم بحبله المتین

کتبه

محمد نعیم الدین عفا عنه المعین

تمت بالخیر

﴿حصہ چہارم﴾

از فتاویٰ:

مناظر اسلام علامہ مولانا نظام الدین صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

﴿بسم اللہ رحمن الرحیم﴾

الحمد للہ رب العلمین ☆ والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین ☆

عرض بخدمت: خاکسار فقیر حقیر نظام الدین ملتانی حنفی قادری سروری عفی عنہ ناظرین باتمکین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ آج کل میں اس ملک ہند میں بعض نام کے اہل اسلام جو اسلامی جامہ پہن کر اپنے آپ کو ناجی اور " ما انا علیہ و اصحابی " کے مصداق بتا رہے ہیں۔ خاص کر فرقہ اہل حدیث غیر مقلدین، میرزائی و چکڑالوی صاحبان اور اسی طرح اہل شیعہ صاحبان بھی اپنی نسبت کہہ رہے ہیں۔ غرض ہر ایک طرف سے یہی صدائیں سنی جارہی ہیں۔ طرفہ یہ کہ ہر ایک فرقہ اپنے دعاوئی کے متعلق دلائل بھی دیتا ہے جو کہ قرآن شریف اور حدیث کی رو سے نرے بودے اور غیر مدلل ثابت ہورہے ہیں بعض تو اس میں ہمارے امام ہمام جناب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں حد درجہ کے لغو اعتراضات سے کام لے رہے ہیں کہ لاامان بعض رسولوں اور ملائکہ اور نبوت محمدیہ پر بعض علم حدیث و علم فقہ پر بعض اصحاب ثلاثہ پر جن سے کئی ہزار اوراق سیاہ کردیئے گئے ہیں، ہم نے خدا کے فضل و کرم سے حسب ایمائے استاذ صاحب مولانا مولوی محمد ابراہیم صاحب و مولوی جان محمد صاحب ساکنان علاقہ ملتان رسالہ ہذا تالیف کیا ہے جس میں تمام مسائل مختلف فیہ کا بدلائل قاطعہ جواب دیا ہے اور مخالفین کے دلائل کا نہایت ہی جانفشانی و عرق ریزی سے قلع قمع کردیا ہے جو ناظرین کے دیکھنے سے متعلق ہے۔ ناظرین اس کتاب کو مدنظر کر مؤلف کی داد دیں، اور اگر کوئی سہو و خطا پائیں تو معاف فرمادیں۔

مسئلہ: توحید و موحّد

سوال: موحد (۱) کس کو بولتے ہیں اور اس کے معنی کیا ہیں؟

جواب: موحد وہ انسان ہے جو خداوند کریم کی ذات لایزال کو وحدہ لاشریک اور قدیم دل سے یقین کرے اور زبان سے بھی اقرار کرے اور اس کے احکام ادا کرنے میں رائی بھر آنکھ اور دل ادھر اُدھر نہ ہو، اور ہر ایک امر میں اسی پر بھروسہ کرے اور سب چھوٹے بڑے گناہوں سے اجتناب کرے، اور پاک و صاف ہو یہ کمال توحید کا درجہ ہے چنانچہ کتاب

حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

"وليس المراد بالموحد من يقول بلسانه لا اله الا الله فقط وكمال التوحيد الاستقامة على فعل المامورات وترك المنهيات الخ . ويترك الذنوب والسيئات ويجتنب صغيرها وكبيرها وقليلها وكثيرها وهذا هو الايمان الحقيقي"

یعنی موحد اس کو نہیں کہتے جو صرف زبان سے "لا الہ الا اللہ" کہہ دے بلکہ کمال توحید یہ ہے کہ احکام شریعت کی پابندی اور ممنوعات سے بچنے میں استقامت اختیار کرے اور چھوٹے بڑے گناہوں سے اجتناب کرے۔ اسی کا نام توحید یقینی اور ایمان حقیقی ہے۔

سوال : لفظ "حنفی" (۱) اصل میں کیا ہے اور اس کے کیا معنی ہیں اور حنیفہ وخلیفہ میں تائے تانیث ہے یا مبالغہ؟

جواب : لفظ حنفی اصل میں "حنیفی" ہے اور حنفی اس لئے پڑھا جاتا ہے کہ قانون عرب میں ثقالت کلمہ نامنظور ہے اور لفت کلمہ میں منظور۔ اس لئے باسقاط یاء اول حنفی پڑھنا بہتر وانسب ہے اور ہر دو کلمہ حنفی یا حنیفی کہہ لیا جائے تو کوئی عیب نہیں، چنانچہ شرح شافیہ صفحہ ۵۳ ورسالہ حافظ عبدالمجید صفحہ ۳۶ اور حنفی کے معنی استقامت ودین سچا اور صحیح تر معنی حنیف کے

۱۔ مسمی جان محمد بن غلام محمد نمبردار چک نمبر ۳۵ تحصیل نو بہ نیک سنگھ کی ایک بڑ کا جواب : ناظرین یاد رکھیں کہ بناوٹی فاضل دیوبندی گلابی وہابی اپنی پوتھی احکام الحق میں لکھتا ہے کہ ملتانی کے نزدیک معلوم ہوتا ہے کہ سوائے جماعت انبیاء علیہم السلام کے کوئی موحد نہیں، نہ غوث نہ قطب نہ صحابی اور پھر لکھتا ہے کہ ملتانی میرے ساتھ مناظرہ کرے۔ میں اعلان دیتا ہوں کہ ناظرین! واقعی انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ گناہ صغیرہ وکبیرہ سے پاک وصاف ہوتے ہیں اور حقیقت توحید یقینی کے مصداق ہو کر پکے پکے موحد ہوتے ہیں اور باقی غوث قطب جب انوار تجلیات الٰہیہ حاصل کرتے ہیں۔ اور مقام بیت الارواح میں پہنچتے ہیں تو وہ بھی توحید یقینی کے مصداق بن جاتے ہیں اور یہ ایک خاص حال اور مقام ہے اور باقی تمام مسلمان اصطلاحاً وشرعاً موحد ہیں اور کافر ومنافق ویہودی، عیسائی وآریہ وغیرہ مذاہب باطلہ موحد ذاتی ہیں نہ شرعی اور فرقہ غیر مقلدین وہابیہ نجدیہ وغیرہ سب کے سب ضل اور مضل گمراہ ہیں توحید ذاتی کے تحت میں ہیں، نہ شرعی کے فقط اور خادم شریعت مناظرہ کے لئے تیار ہے لیکن تم جان محمد بن غلام محمد نمبردار میدان مناظرہ میں ہمارے مقابلہ میں کھڑے نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ قبل ازیں بمقام لسوڑی تم ہمارے مقابلہ میں ذلیل وخوار اور شکست فاش اٹھا چکے ہو اور اس پر تمام موضع لسوڑی کے مسلمان شاہد ہیں فقط خادم شریعت۔

---

۱ حنیف اور حنفی کہلانا جائز ہے۔ لقولہ تعالیٰ "اتبع ملة ابراهيم حنيفا" اور تمام کائنات کی آفرینش بھی طریق حنیف پر ہے چنانچہ حدیث قدسی میں ہے۔ "انی خلقت عبادی حنفاء کلهم" (مشکوٰۃ باب تغیر الناس) احناف جمع حنفی کی اور حنفاء جمع حنیف کی لہٰذا حنیف کو حنیفی اور حنفی پڑھ لینا جائز ہے جیسا کہ مدنی کو مدنی کہا جاتا ہے۔ خادم شریعت ۱۲

پاک اوصاف از کفر و شرک و کذب و عقائد باطلہ۔ پس اس تقریر سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء دین حنیف پر تھے اور دین بمعنی ملت اور ملت بمعنی مذہب و طریقہ ہے حنیف دین بمعنی پاک دین و اوصاف دین اور حنیف و حنیفہ میں تاء مبالغہ ہے، نہ تانیث۔ چنانچہ شرح رضی جلد ثانی صفحہ ۱۳۱ میں مذکور ہے:

"قول تاء حنیفة و حلیفة للمبالغة و لیس للتانیث الخ"

اور لفظ خلیفہ قرآن مجید میں کئی جگہ وارد ہے چنانچہ:

﴿انی جاعل فی الارض خلیفة﴾ و ﴿انا جعلنک خلیفة فی الارض﴾ علی هذ القیاس

واللہ اعلم بالصواب

سوال: امام صاحب کا نام تو نعمان بن ثابت تھا، ابوحنیفہ کس لئے کہا جاتا ہے؟

جواب: بے شک امام صاحب کا نام تو نعمان بن ثابت ہے لیکن آپ کی کنیت ابوحنیفہ تھی، اور کنیت دو قسم پر ہوتی ہے۔ ابن یا اب سے، چنانچہ ابن عباس یا ابو یوسف اور دوسری وصف کے سبب سے ہوتی ہے جیسا کہ ابوالسنات و ابوتراب و ابوحنیفہ، چونکہ امام صاحب نے ملت حنیف پر پورا پورا قبضہ کیا اس لئے صفت کے ساتھ موصوف ہوئے۔ کنیت ان کی خود بخود ابوحنیفہ ہوگئی اور اصل مذہب وہ ہے کہ جو ابرہیم علیہ السلام سے شروع ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿قل بل ملة ابراهیم حنیفا﴾

پس یہ مذہب حنیف قیامت تک قائم رہے گا، اس لئے ہر ایک مسلمان کو لازم ہے کہ اس مذہب کی تقلید کرے فقط۔

تعریف و اقسام بدعت

مسئلہ:

سوال: بدعت کس کو کہتے ہیں اور کتنی قسم پر ہے؟

جواب: بدعت وہ چیز ہے جس کی اصل شرع شریف میں نہ لفظاً معلوم ہو نہ اس کے ظاہر و باطن میں پائی جائے چنانچہ کتاب مجالس الابرار صفحہ ۱۴۳ میں بایں لفظ مذکور ہے:

"البدعة السیئة التی لیس لها من الکتاب والسنة اصل وسند ظاهر او خفی ملفوظا او مستنبط لا البدعة الغیر السیئة التی تکون علی اصل وسند ظاهر و خفی فانها لا تکون ضلالة بل هی قد تکون مباحة"

یعنی بدعت سیہ وہ ہے جس کی اصل و سند کتاب و حدیث سے نہ لفظوں میں، نہ خفی مضمون میں ملتی ہو، اور بدعت حسنہ وہ ہے جس کی اصل و سند ظاہر ہو یا خفی ملتی ہو۔ اور ایسی بدعت گمراہی نہیں بلکہ یہ کبھی مباح و مستحب ہوتی ہے اور اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت حسنہ، بدعت سیہ، بدعت حسنہ مستحب کا حکم رکھتی ہے اور بدعت سیہ حکم حرام کا رکھتی ہے اور بدعت حسنہ کی پانچ قسمیں ہیں، واجب و مندوب و مباح و حرام و مکروہ، اور واجب مثل

گمراہ فرقوں کا دلائل عقلیہ سے رد کرنا، اور مندوب مثل بنانا مسافر خانوں اور مدرسوں کا اور مثل گوناں گوں کھانا پکا کر کھانا، اور حرام مثل مذہب جدید باطلہ ایجاد کرنا اور مکروہ مثل مسجد میں نقش ونگار نکالنا، اور کتاب نہایہ شرح ہدایہ وفتح القدیر میں لکھا ہے کہ قرآن مجید ومساجد کو زینت دار کرنا مکروہ نہیں وہو ہذا:

" مباحة كالمصافحة و زينة المساجد والمصاحف "

اور روایت ابی سلمہ ہے کہ حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ اگر کتاب اللہ وسنت سے کوئی امر نہ ملے تو پھر کیا کیا جاوے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عابدین مومنین کی طرف دیکھیں جو وہ کریں اس کو قائم کریں کیونکہ ان کے افعال خلاف شرع نہ ہوں گے۔

" عن ابی سلمة ان النبی ﷺ مسئل عن امرٍ تحدث ليس فی كتاب و سنةٍ فقال ينظر فيه العابدون "

اور علامہ عابدین یعنی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں یوں لکھتے ہیں:

" المراد به ما حدث وليس له اصل يدل عليه الشرع و ما كان له اصل فليس ببدعةٍ "

اور علامہ جذری نے نہایہ میں یوں لکھا ہے:

" البدعة بدعتان بدعة هدى و بدعة ضلالة "

اگر کوئی غیر مقلد اعتراض کرے کہ تم نے بدعت کی اقسام کی تعریف کس حدیث سے نکالی ہے تو اس کا جواب چند حدیثوں سے دیں گے، وہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کام کو مسلمانوں کی جماعت پسند کرے اس کام کو اللہ بھی پسند کرتا ہے اور جس کام کو برا سمجھا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی وہ کام اچھا نہیں ہوتا۔

" وهو هذا ما راٰه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن و ماراٰه المؤمنون قبيحا فهو عند الله قبيح "

نقل از موطا امام محمد بروایت ابن مسعود و مشارق الانوار صفحہ

اور جو شخص دین میں اچھا کام آغاز کرے اور اس پر لوگ بڑی محبت سے عمل کرنا شروع کریں، تو اس شخص کو اجر اس سے پورا ملتا رہے گا، اور اگر کسی نے برے کام کی بنیاد ڈالی، اور اس پر لوگ قائم ہو گئے تو ان کا بوجھ اس کے ذمہ ہوگا، کہ جس نے بنیاد بری باندھی تھی۔

" وهو هذا ومن سن فی الاسلام سنة حسنة له اجرا واجر من عمل بها من بعده من غير ان ينقص من اجورهم شئ ومن سن فی الاسلام سنة سيئة كان عليها وزرها ووزر من عمل بها من بعده الخ "

اور مشکوٰۃ و ترمذی میں بروایت بلال بن حارث مزنی سے یوں مذکور ہے:

"من ابتدع بدعة ضلالة لا یرضاها الله تعالیٰ ورسوله ..... الخ"

اور کتاب بخاری و مسلم میں بروایت عائشہ بایں الفاظ مذکور ہے:

"من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد"

اور اگر بدعت کے معنی نئی بات کے لئے جاویں اور یہ کہا جائے کہ جو حکم آپ کی زبان درفشاں اور قرآن مجید سے ظاہر نہ ہوا ہو تو وہ بدعت ہے تو یہ کہنے سے معاذ اللہ تمام سلف و خلف و اولیاء اللہ بدعتی ٹھہریں گے کیونکہ اس بلا میں مبتلا رہے اور نہ کوئی اس بلا سے بچ سکتا ہے۔ مثلاً آپ ﷺ کے زمانہ میں اول و آخر تک اس طرح قرآن مجید کے اوراق نہ تھے، اور نہ قرآن مجید پر زیر و زبر شد مد و جزم ایجاد ہوئی تھیں، اور نہ کوئی کتاب علم حدیث و اصول و فقہ و تفسیر وغیرہ تصنیف ہوئی تھی اور نہ اشغال صحابہ رضی اللہ عنہم کا بایں طور تھا جیسا کہ آج کل صوفیاء کرام سے معمول ہے فقط۔

معنی شرک

مسئلہ:

سوال: شرک کے کیا معنی ہیں، اور مشرک کے لئے نجات ہے یا نہیں؟

جواب: شرک بمعنی ساجھا اور خدا کے سوا دوسرے کو بھی اس کا ہمسر سمجھ کر پوجنا، یعنی الوہیت باری میں کسی دوسرے کو بھی اس کے ساتھ شریک کرنا، جیسا کہ بت پرست لوگ بتوں کو قرار دیتے ہیں، یا جیسا کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے کہ اس کی عبادت میں غیر کو مستحق عبادت قرار دیتے ہیں، چنانچہ شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے:

"الاشراک هو اثبات الشریک فی الالوهیة بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس او بمعنی استحقاق العبادة کما لعبدة الاصنام"

اور مشرک جنت میں نہیں جائے گا سورۂ نساء میں مذکور ہے:

"ان الله لا یغفر ان یشرک به ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء ومن یشرک بالله فقد ضل ضلالاً بعیداً"

مسئلہ: اہل قبلہ کس کو کہتے ہیں؟ اور انسان کون سے الفاظ کہنے سے اسلام سے خارج ہو جاتا ہے؟

سوال: اہل قبلہ کی کیا تعریف ہے اور مبتدع کس کو کہتے ہیں اور مبتدع کتنی قسم پر ہے اور ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اہل قبلہ وہ گروہ ہے جس میں ایمان ہو اور ایمان کی تعریف فقہائے کرام نے یہ فرمائی ہے:

"الایمان تصدیق بالقلب واقرار باللسان"

اور ایمان کی حقیقت کا دارومدار ان چھ اصولوں پر ہے، چنانچہ ایمان مفصل میں ہے:

" امنت باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ "

یعنی صمدیت عز شانہ کی معرفت فرشتوں کا وجود اور ان کے اقسام اور ان کے مقامات کی معرفت اور کتب منزلہ کی واقفیت اور انبیاء کرام اور رسل عظام کی معرفت، حشر ونشر کی معرفت اور نیکی بدی جو کچھ ہو رہا ہے سب اس کی تقدیر میں ہے اور فتاویٰ معیار الحق ص ۳ میں لکھا ہے کہ:

" التصدیق بما جاء بہ النبی من عند اللہ "

اور جس میں صرف اقرار زبان کا ہو وہ منافق ہے لقولہ تعالیٰ:

" اذا جاءک المنفقون قالوا (بالسنتھم علیٰ خلاف ما فی قلوبھم) نشھد انک لرسول اللہ "

(حلالین)

ولقولہ تعالیٰ:

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾

اور یہودی بیت المقدس یعنی مغرب کی طرف اور نصاریٰ مشرق کی طرف نماز پڑھتے تھے اور اسی کو نیکی سمجھ کر اپنے آپ کو اہل قبلہ کہلاتے تھے، تو ان کے وہم وخیال باطلہ کو خداوند کریم نے بایں طور رد فرمایا:

﴿ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ "

یعنی فرمایا کہ یہی صرف نیکی کی بات نہیں کہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرو بلکہ نیکی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ، اور تمام کتب سماویہ حشر ونشر وفرشتوں ونبیوں پر یقین رکھو، اور ان کے ضمن میں بہت چیزیں ہیں جن کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے اور علامہ فخر الدین رازی صاحب اپنی تفسیر کبیر میں تحت آیہ کریمہ اہل قبلہ کی تعریف یوں لکھتے ہیں:

" ان استقبال القبلۃ لا یکون برا اذا لم یکن عارفۃ معرفۃ اللہ وانما یکون برا اذا اتیٰ بہ مع الایمان وسائر الشرائط "

یعنی صرف استقبال قبلہ ساتھ ایمان اور اس کی تمام شرائط کے نہ ہو کیونکہ دارومدار اعمال صالحہ کا ایمان پر ہے اور اہل قبلہ کی تعریف کیا ہے حضرت ملا علی قاری یوں فرماتے ہیں:

" ان المراد باھل القبلۃ الذین اتفقوا الخ "

تحقیق اہل قبلہ وہ ہیں جنہوں نے اتفاق کیا ہے ان چیزوں پر جو ضروریات دین سے ہیں جیسے حادث ہونا عالم کا اور حشر اجساد اور علم الٰہی کا محیط ہونا جزئیات وکلیات کو اور جو مثل اس کے ہے اور اگر کوئی شخص ہمیشہ عبادت کرتا رہے، اور ضروریات دین سے انکار کرے تو وہ شخص اہل قبلہ نہیں ہوگا اور کتاب رد المختار صفحہ ۵۸۹ پر ذیل میں اس عبارت کے لکھا ہے:

" کل من کان من اهل قبلتنا لا یکفر بها ای بالبدعة المذکورة البینة علی شبهة اذ لا خلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام "

یعنی جو شخص ضروریات دین کا منکر ہو اس کے کفر میں کسی کا اختلاف نہیں، اگرچہ وہ تمام عمر بندگی میں مصروف رہے۔

هکذا فی معیار الحق اور فتاوی معیار صفحہ ۶ میں لکھا ہے کہ درمختار میں ہے:

" مبتدع ای صاحب بدعة وهی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة "

یہ تعریف اہل بدعت کی ہے یعنی بدعت یہ ہے کہ معتقد ہونا خلاف اس کے جو معروف رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم، قال الشامی جیسے پیروں پر مسح کرنا اور اور مسح خفین سے شیعوں کا انکار کرنا (ردالمحتار) مگر یہ خلاف بسبب عناد کے نہ ہو بلکہ بسبب شبہ کے ہو۔ قول:

" لا بمعاندة اما لو کان معانداً للادلة القطعیة التی لا شبهة له فیها اصلا کانکار الحشر او حدوث العالم و نحو ذلک فهو کافر قطعاً "

(ردالمحتار)

الغرض انکار حشر اور قدم عالم کا قائل کافر ہے کیونکہ نصوص قطعیہ کا انکار ہے۔ اس میں تاویل اور شبہ کی گنجائش نہیں اور درمختار میں ہے:

" وان انکر بعض ما علم من الدین ضرورة کفر بها کقوله ان لله تعالیٰ جسم کالاجسام وانکاره صحبة الصدیق "

اور صاحب شامی وخلاصہ نے یوں لکھا ہے:

"وان انکر خلافة الصدیق او عمر فهو کافر "

یعنی اگر کوئی شخص حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت سے انکار کرے تو بے شک کافر ہے، اور صاحب قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ جو شخص حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شان اور علم وذات واحکام میں نکتہ چینی کرے یا عیب لگائے یا حقیر جانے یا کسی کو مانے اور کسی سے انکار کرے یا آپ کے لباس مبارک کو برا جانے یا آپ کے رتبہ کو گھٹائے تو بے شک ان صورتوں میں کافر ہو جاتا ہے اور کتب عقائد وکتب فقہ میں لکھا ہے کہ جو شخص گناہ کبیرہ یا صغیرہ کو حلال سمجھے یا ہلکا جانے یا کسی حکم شریعت پر استہزاء اور تخول کرے یا جو حکم ثابت اجماع امت سے ظاہر ہو بے کا اس سے انکار کرے یا کسی نبی کی شان کو اپنے سے نیچی جانے یا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اسم مبارک کو بے ادبی سے پکارے یا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور علماء عظام کی اہانت کرے یا کسی کافر ومبتدع کے افعال واقوال بد کو اچھا سمجھے یا شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیق،

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت سے انکار کرے یا ان پر طعن وتبرے بکے یا حضرت عثمان ذوالنورین پر طعن کرے اور کہے کہ اس نے قرآن مجید سے چند سورتیں نکال دی ہیں اور قرآن مجید کو موجودہ صورت میں ناقص تصور کرے یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کو خاتم النبیین تصور نہ کرے یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی اور کو بھی نبی تصور کرے اور انکار معجزات انبیاء علیہم السلام وانکار معراج جسمی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کرامات اولیاء کرام کرے یا خداوند کریم کی ذات کے لئے کوئی جہت مقرر کرے، یا اس کی ذات کے اوصاف حادث جانے یا قرآن کریم میں لفظی یا معنوی تحریف کرے، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انبیاء سے بہتر تصور کرے، تو ان تمام صورتوں میں بھی انسان بے دین ہو جاتا ہے۔ چنانچہ تصانیف حضرت احمد رضا خان صاحب مجددہ مائۃ حاضرہ وفتاوی عالمگیری وجوہر نیرہ شرح قدوری اشباہ والنظائر وبحر الرائق وتبیین الحقائق وخزانۃ المفتین وعقود الدریہ مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۹۲، ۹۳ حکم المرتدین میں ملاحظہ فرمائیں:

"الروافض کفرۃ جمعوا بین اصناف الکفر منها انهم ینکرون الشیخین و منها انهم یسبون الشیخین سود الله وجوههم فی الدارین فمن اتصف بواحد من هذه الامور فهو کافر الخ ملتقطاً"

اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی کافر کسی مسلمان کا ترکہ نہیں پا سکتا، چنانچہ درمختار صفحہ ۲۸۳ میں مذکور ہے:

"موانعة الرق والقتل واختلاف الملتین اسلاما و کفرا"

اور فتاوی عالمگیر جلد ۶ صفحہ ۳۵۸ میں اس طرح پر ہے:

"المرتد لا یرث من مسلم ولا من مرتد مثله کذا فی المحیط"

اور برجندی شرح وقایہ وظہیریہ میں ہے کہ یہ لوگ رافضی ہیں بوجہ عقائد کفریہ کے اسلام سے خارج ہیں:

"وهولاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین کما فی الظهیریة"

اور مجمع الانہر جلد اول صفحہ ۶۱۸:

"من شک فی کفره وعذابه فقد کفر"

یعنی جس میں کفر ہے، اس کے کفر میں شک کرنا بھی کفر ہے، اور اسی طرح شفا شریف میں ہے اور بحر الرائق میں لکھا ہے کہ جو مبتدع کی بات پر راضی ہو جائے وہ بھی منہم شمار کیا جائے گا:

"من احسن کلام اهل الهوآء وقال معنوی او کلام به معنی صحیح ان کان ذلک کفراً من القائل کفر المحسن"

اور بعض لوگ جو بے ساختہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ:

"من صلی صلوتنا او استقبل قبلتنا او اکل ذبیحتنا فذلک المسلم"

جو ہماری سی نماز پڑھے اور قبلے کا استقبال کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے۔ پس وہ مسلمان ہے تو یہ کہنا ان کا کہاں تک صحیح ہوسکے گا جب کہ کتب عقائد اسلامیہ و کتاب وسنت سے یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ نہ نجد و استقبال قبلہ کے مسلمان ہو سکتا ہے اور نہ ہونا ان کا ضروریات دین کے کلمہ پڑھنا مسلمان ہونے کو کفایت کر سکتا ہے اگر ایسا ہی ہوتا تو مرتکبین خارج اسلام سے جن کے جاتے باوجودیکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نماز ادا کرتے اور آپ کی معیت میں جہاد کرتے تھے، خوفِ کفر لازم آتا ہے۔

نقل از معیار

سوال: "ما انا علیه واصحابی" سے کون فرقہ اسلامیہ مراد ہے۔ وہابی میں یا نیچری یا مرزائی یا چکڑالوی یا اہل سنت والجماعت؟

جواب: "ما انا علیه واصحابی" سے مراد فرقہ ناجیہ اہل سنت وجماعت ہے اور ناجی فرقہ ہونے کے لئے اکثر علماء پر دلائل اور ہر ایک مذہب کے عقائد لکھے جاتے ہیں تاکہ ناظرین خود انصاف کر لیں اور سمجھ لیں کہ نجات کا کونسا فرقہ ہے اور کون ناجی ہے:

قال الله تعالی ﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾

یعنی اے ایمان والو تم اللہ سے ڈرو جیسا کہ حق ڈرنے کا ہے اور نہ مرو تم مگر اس حالت میں کہ فرمانبردار مسلمان ہو۔ یعنی ایسی روش اختیار کرو کہ جب مرو۔ تو باایمان ہو کر مرو یہ تب ہو سکتا ہے کہ تمام احکام خداوند کریم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل وجان سے مان کر ان پر عمل بھی ہو لقولہ تعالیٰ:

﴿ واعتصمُوا بحبلِ اللّٰهِ جمیعًا وَّلا تفرَّقُوا ﴾

اور یقین ہے کہ جو شخص اس رسی کو مضبوط پکڑے گا وہ ضرور ایمان سے مرے گا اور حبل سے مراد باختلاف دین اللہ و آن مجید واتباع اہل سنت ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ مراد ہیں "نحن حبل الله الذی قال الله تعالیٰ:

﴿ واعتصمُوا بحبلِ الخ ﴾

(صواعق محرقہ) اور ترمذی میں بروایت جابر رضی اللہ عنہ ہے کہ آپ نے بروز جمعہ الوداع ناقہ پر بایں طور خطبہ فرمایا:

"یا ایها الناس"

یعنی اے لوگو! میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑنے والا ہوں اگر تم اس کو پکڑو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے:

"کتاب الله وعترتی اهل بیتی"

یعنی کتاب اللہ اور میری عترت اہلبیت اور مسلم و مشکوٰۃ میں بھی اسی مضمون کی حدیث وارد ہے اور خداوند کریم نے فرمایا ہے کہ تم لوگ اتفاق جماعت میں قائم رہو، اور غیر راہوں کی طرف مت جاؤ:

"ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ"

اس سے معلوم ہوا کہ اجماعی طور سے جس نے اس رسی کو پکڑا وہی ایمان پر مرے گا، کیونکہ یہی سواد اعظم جماعت ہے۔ چنانچہ اور حدیث میں ہے:

"اتبعوا سواد الاعظم"

یعنی بڑی جماعت کی پیروی کرو کیونکہ "لا یجتمع امتی علی الضلالۃ" اسی کی تائید پر ہے اور قرآن مجید میں بھی صاف صاف اسی طرح ذکر ہے ناجی فرقہ وہ ہے جو ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ کے لوگوں کی اتباع کا خواہشمند ہے وہ لوگ مقدس و برگزیدہ ہیں اور ان کی پیروی کرنے سے نجات حاصل ہوتی ہے اور وہ لوگ یہ ہیں:

﴿مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾

اور انہی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آجاتے ہیں اور ان کی اتباع کرنے کا نام "ما انا علیہ واصحابی" ہوا اور جو سبیل المومنین کی پیروی سے منحرف ہوا وہ یقیناً ناری ہوا کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾

اور یہ بھی جان لینا چاہئے کہ بہتر فرقے کس لئے ناری ہیں کیا وہ خدا کو نہیں مانتے اور رسول و خدا کو پیشوا نہیں جانتے اور قبلہ و کعبہ کی طرف نماز نہیں پڑھتے سب کچھ کرتے ہیں لیکن خلاف "ما انا علیہ و اصحابی" کے ہو کر طرح طرح کے راستے مطابق نفس و ہوا کے نکالتے ہیں۔ اور تقلید شخصی کو حرام و شرک و بدعت قرار دے رکھا ہے حالانکہ صحابہ کرام ایک دوسرے کی تقلید کرتے چلے آئے ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عثمان ذی النورین کو کہا کہ قرآن مجید میں ذکر آچکا ہے

"فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس"

یعنی میت کے کم از کم تین بھائی بہنیں ہوں تو ان کی ماں کو چھٹا حصہ ملنا چاہئے، چونکہ اخوۃ جمع کا صیغہ ہے جو زبان عرب میں تین سے کم پر نہیں بولا جا سکتا اور آپ دو بہن بھائی پر بھی بطور رواج ماں کو چھٹا حصہ دلا دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے میں ان کی پیروی نہ چھوڑوں گا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایک روز عوام الناس کو اس طرح کہا کہ میں ابوبکر صدیق کی رائے کو کبھی نہ چھوڑوں گا کیونکہ وہ ہم سے بہتر ہیں (اور ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک روز عوام الناس کو اس طرح کہا کہ میں ابوبکر صدیق کی رائے کو کبھی نہ چھوڑوں گا کیونکہ وہ ہم سے بہتر ہیں) اور ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعبہ کے خزانے کو بیت المال کی طرح تقسیم کر دینے کا خیال ظاہر کیا،

نبی صحابی نے کہا کہ آپ کے دونوں رفیقوں نے یہ کام نہیں کیا ہے تو فرمایا کہ میں ان کی پیروی کو نہ چھوڑوں گا۔ پس ان دلائل مختصرہ سے یہ معلوم ہوا کہ بدون تقلید شخصی ائمہ مجتہدین کے کسی فرد کا چارہ نہیں اور اس لئے ہمارے بزرگان دین نے لکھا ہے کہ جو شخص ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا پیرو ہو کر نہ چلے وہ ناری اور اہل بدعت ہے۔ چنانچہ طحطاوی حاشیہ درمختار سے نقل کیا ہے:

"من کان خارجاً من هذا المذهب الاربعة فی ذلک الزمان فهو من اهل البدعة والنار"

اور صاحب مجالس الابرار نے صفحہ ۱۳۰ پر لکھا ہے کہ اہل بدعت گناہگار سے بدتر ہے کیونکہ گناہگار اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہے اور شرمندہ ہوتا ہے اور مبتدع اپنی بدعت سے توبہ واستغفار نہیں کرتا، بلکہ وہ اس کام کو طاعت سمجھ کر ادا کرتا ہے۔

"لان المعاصی یتاب عنها والبدعة لا یتاب عنها و صاحب المعاصی یعلم یکون مرتکب المعاصی فیوجی له التوبة والاستغفار واما صاحب البدعة یعتقد انه فی طاعة و عبادة ولا یتوب ولا یستغفر"

اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے کہ مبتدع کے ساتھ موانست ومجالست نہ کی جائے اور ان کے ساتھ نماز نہ پڑھی جائے اور گنہگار کے ساتھ نماز کا ادا کرنا مکروہ تحریمہ ہے چنانچہ حاشیہ طحطاوی میں لکھا ہے:

"اما الفاسق العالم فلا یقدم لان فی تقدیمه تعظیم وقد وجب علیهم اهانة شرعاً و مفاد هذا کراهة التحریمة"

اور برادران اسلام کو واضح ہو کہ ذرا انصاف سے عقائد فرقہ غیر مقلدین مسمی باہلحدیث ونیچری ومرزائی وغیرہ کے ملاحظہ فرما کر خود انصاف اور وزن کرلیں وھو ھذا۔

عقائد غیر مقلدین:

خدا پاک کا جھوٹ بولنا ممکن ہے اور اس کا عرش پر مکان کرنا کرسی پر پاؤں رکھنا اور یارسول اللہ کہنے سے منع کرنا اور ذکر میلاد مبارک کو جہنم گھنیا سے مشابہت دینا اور گیارہویں وعرس بزرگان دین کو بدعت کہنا اور آپ کی ذات کا علم شیطان سے کم سمجھنا اور علم غیب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مطلقاً انکار کرنا اور آپ کے علم غیب کو تشبیہ مجنون وبہائم وجمیع حیوانات سے دینا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم چھوٹے بڑے بھائی جیسی سمجھنی اور تمام انبیاء واولیاء کرام کو خدا کے سامنے چمار سے ذلیل بیان کرنا اور آپ کے تصور کو نماز میں گاؤ خر سے بدتر سمجھنا اور ائمہ اربعہ اور خاص کر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو ہر مسئلہ میں مخالف احادیث سمجھ کر مرجیہ اور رائی اور اپنے سے کم فہم اور لاعلم تصور کرنا اور تمام کتب حنفیہ کو بری نظر سے دیکھنا اور حقارت سے کہنا کہ ان تمام کتب متداولہ حنفیہ کو جلا دینا چاہئے، کیونکہ ان کے پڑھنے سے انسان ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور

تمام مقلدین احناف بزرگان خدا کو رافضی پلید اور گدھے اور نالائق اور مشرک و بدعتی و منکر احادیث و مثل منافق و قبر پرست بدعتی کہنا اور سلسلہ نبوت کا حضور کے بعد جاری سمجھنا اور تقلید شخصی کو شرک و بدعت کہنا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلہ وقوع طلاق ثلاثہ سے صاف انکار کرنا (از رسالہ اہل حدیث ثناء اللہ) اور استمداد اولیائے کرام سے بصاف انکار بعض معجزات سے انکار اور بعض کا قائل ہونا وغیرہ اگر کسی صاحب کو شک ہو تو رسالہ اہل حدیث ثناء اللہ و معیار تقلید و تنقید الایمان و بوئے مسلمین و شعار الحق و براہین قاطع و تحذیر الناس و حفظ الایمان و اشتہار تفہیم اللہ در حق ثناء اللہ و تفسیر ثنائی و سیر زندگی و فتاویٰ رشیدیہ و نظر المبین وغیرہ وغیرہ کا مطالعہ کرے۔

عقائد مذہب شیعہ:

خلافت حقہ اصحاب ثلاثہ سے صاف انکار اور ان پر لعن طعن کرنا اور گالیوں سے ان کو یاد کرنا اور قرآن مجید کو محرف سمجھنا:

"لیس من کلام اللہ بل ھو محرف عن موضعہ"

اور آدم علیہ السلام پر اصول کفریہ ثابت کرنا (تفسیر صافی و کلینی) اور حضور علیہ السلام و انبیاء کو تبلیغ احکام میں قاصر (روضہ) اور صحابہ پر لعن طعن کرنے کو ثواب سمجھنا (مصائب النواصب) اور خلیفہ اول کو غاصب و خائن اور تمام صحابہ کو بغیر پانچ کے مرتد سمجھنا اور مائی صاحبہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت سے انکار کرنا (حق الیقین) اور بعض حضرت علی کو خدا بھی کہتے ہیں، انبیاء تقیہ ساز اور خداوند کریم کے لئے جسم بھی مقرر کر لیتے ہیں، باقی عقائد اور مسائل ان کے حقیقت (۱) مذہب شیعہ میں مطالعہ کریں۔

عقائد نیچری: اور نیچری صاحب تو ضروریات دین کے صاف صاف منکر ہیں، دوزخ، جنت، بعث و حشر عذاب قبر، خیر و شر من اللہ و معجزات کے منکر اور قرآن مجید ان کے ہاں قابل ترمیم ہے۔ وحی، معجزہ انہ کلام، تاثیر اسماء اور دعا آسمان کوئی چیز نہیں (کمالی تفسیر سید احمد) اور ندوہ تمام کا مجموعہ ہے۔

(۱) حقیقت مذہب شیعہ ۲ جلدوں میں ہے

عقائد قادیانی:

"انا انزلناہ قریبا من القادیان"

قرآن میں ہونا اور مرزا صاحب کا زمین و آسمان نے سے بنانا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معراج جسمی سے انکار کرنا اور قرآن مجید کو اپنے منہ کی باتیں کہنا (اشتہار لکھرام ۱۸۹۷ء) اور فرشتے کو اک کا نام تصور کرنا فرشتوں کا اپنے پر نازل ہونا اور انبیاء کو کاذب سمجھنا۔

اور آپ کی وحی کو غلط کہنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف نجار کا فرزند سمجھنا اور اپنے والد کی بنائی ہوئی مسجد کو مسجد حرام سمجھنا اور معجزات کو مسمریزم کہنا اور اپنی کتاب براہین کو خدا کا کلام تصور کرنا (ازالہ صفحہ ۳۳۳) اور اپنے آپ کو سچا نبی اور رسول سمجھنا۔

اور خداوند کریم کے لئے اولاد کا ثبوت کرنا "انت منی بمنزلہ ولدی وانت منی وانا منک اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے سے حقیر سمجھنا وہ یہ ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو　　اس سے بہتر غلام احمد ہے

علیٰ ہذا القیاس مشتے نمونہ از خروارے چند عقائد (۱) لکھ دیئے گئے۔

مسئلہ اسقاط:

سوال: اسقاط کے کیا معنی اور کیوں کی جاتی ہے اور میت کو اس سے کیا فائدہ؟ اور اس کا ثبوت کیا ہے؟

جواب: اسقاط بمعنی گرداینا چنانچہ کتب لغات کتاب وجیز الصراط میں بایں الفاظ عبارت تحریر ہے کہ

"اسقاط آں چیز است کہ رد کردہ شود از ذمہ میت بایں قدر کہ میسر شود"

اور اسقاط اس لئے کی جاتی ہے کہ انسان سے اکثر بعینہ نسیان احکام شرعیہ عمداً یا سہواً رہ جاتے ہیں۔ مثل نماز و روزہ و کفارہ یمین و ظہار و حج و قتال وغیرہ پس وہ امور اس کے ولی کے ادا کرنے پر میت سے گر جاتے ہیں اس لئے ولی کو لازم ہے کہ جس طرح ہو سکے ان کو ادا کرے، جیسا کہ کتاب نسائی فی سنہ الکبریٰ اور عبدالرزاق فی کتاب الوصایا و نصرۃ الحق و شرح برزخ میں مذکور ہے:

(۱) باقی عقائد و جوابات مرزا کتاب قہر یزدانی بر قلمہ قادیانی میں ملاحظہ کریں قیمت صرف ۸۔

" عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد ولکن یطعم عنہ مکان کل یوم مدین من حنطۃ "

(رواہ النسائی فی السنن الکبریٰ و البیہقی)

یعنی ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھے اور نہ روزہ رکھے کوئی کسی کی طرف سے مگر یہ کہ طعام دیوے اس کے ہر دن کے عوض دو مد گندم اور مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۷۰ باب القضاء میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما بایں الفاظ حدیث مذکور ہے:

" عن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ومن مات وعلیہ صیام شہر رمضان فلیطعم عنہ مکان کل یوم مسکینا رواہ الترمذی وقال الصحیح انہ موقوف علی ابن عمر "

یعنی جس کے ذمہ نماز روزہ اگر رہ جائے تو اس کا ولی ان کے بدلے کسی مسکین کو کھانا کھلاوے اور سرخوان کو ادا نہ کرے اور اس کی تائید پر یہ حدیث بھی مشکوٰۃ و مؤطا باب مذکور میں بایں الفاظ موجود ہے:

" ان ابن عمر کان یسئل ھل یصوم احد عن احد او یصلی احد عن احد فیقول لا یصوم احد ولا یصلی احد عن احد "

(رواہ فی الموطا)

اور کتاب شرح برزخ میں بروایت ابن عباس مذکور ہے:

" عن ابن عباس قال لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد ولکن یطعم عنہ "

اور اگر کوئی غیر مقلد اعتراض کرے کہ بخاری و مسلم میں بروایت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

" من مات و علیہ صوم صام عنہ ولیہ "

یعنی جس کے ذمہ روزہ رہ جائے تو اس کے عوض میں ولی روزہ رکھے پس ہم اس کا جواب چند وجہ پر دیں گے اور تو یہ حدیث منسوخ ہے چنانچہ کتاب وجیز الصراط میں لکھا ہے:

" وما ورد من قولہ ﷺ فصومی عن امک وقولہ ﷺ من مات ولیہ صوم صام عنہ ولیہ فمنسوخ کذا فی البرھان وغیرہ ھکذا قال الطحطاوی وغیرہ "

اور وہ سرایہ ہے کہ اس میں نماز کا ذکر نہیں ہے صرف روزہ کا ذکر ہے جو کہ دوسرا بھی رکھ سکتا ہے، علاوہ اس کے غیر مقلد فرنگی امرتسری صاحب نے ترجمہ مشکوٰۃ کے حاشیہ میں یوں لکھا ہے کہ ہر دو صورت جائز ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہے کہ نزدیک مذہب حنفیہ و جمہور علماء و بقول شافعی رضوان اللہ علیہم اجمعین بعوض ان کے

طعام مسکینوں کو دیا جائے وہو ہذا:

" وذهب الجمهور الى انه لا يصوم عنه وبه قال ابو حنيفة و مالک و شافعی فی اصح قوليه عند اصحابه وقول الحديث بان المراد اطعام الولی عنه وتكفيره عنه فعندنا ان اوصى فيؤخذ من ثلث وعندنا الشافعی اوصى اولم يوص فيؤخذ من كل ماله "

(نقل از حاشیہ مشکوٰۃ)

اور قرآن مجید میں مطلقاً فدیہ ادا کرنے کا ذکر ہے۔ قولہ تعالیٰ:

﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ﴾

یعنی اور پر ان لوگوں کے جو طاقت رکھتے ہیں کھانا ہے ایک مسکین کا اور شرح وقایہ میں ہے کہ جو شخص رمضان مبارک میں بیمار ہو جائے اور پھر چند روز صحت پا کر مر جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزوں کے قضاء کے بدلے مسکینوں کو کھانا کھلائے اور اسی طرح مسافر کی طرف سے۔

" وان مات فی سفرٍ من مرض فان صح او قام ثم مات فدی عنه وليه بقدر ما فات عنه "

اور یہ بھی لکھا ہے کہ ثلث مال سے نماز و روزہ کا فدیہ ادا کریں اور فدیہ نماز کا مثل روزوں کا ہے۔

" وتصح من ثلث و فدية كل صلوة كصوم يوم وهو الصحيح "

اور شرح الیاس میں یوں لکھا ہے:

" ويعتبر فدية كل صلوةٍ فاتت كصوم يوم اى كفدية صومٍ "

اور صاحب فتح القدیر نے لکھا ہے کہ اگر میت نے وصیت کی تو ولی کو لازم ہے کہ نصف نو پیمانہ گندم سے اور دو نو پیمانہ جو اور کھجوروں کے بدلے ہر نماز روزہ کے ادا کرے، وہ عبارت یہ ہے:

" من مات وعليه قضاء رمضان فاوصى به اطعم عنه وليه لكل يوم مسكينا نصف صاع من برٍ او صاع من تمر او شعيرٍ لانه عجز من الاداء وكذلك اذا اوصى بالاطعام عن الصلوة "

پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ اپنے بھائی غریب مسلمان پر رحم کریں اور خاص کر اس وقت تو نہایت درجہ پر میت عاجز ہوا کرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے میت کے ولی پر یہ حکم لگا دیا ہے کہ بعوض نماز و روزہ کے کھانا مسکینوں کو کھلائے تا کہ اس سے عذاب کی تخفیف ہو جائے چنانچہ اس حدیث میں ہے:

" عن ابن عمر قال لا يصلى احد عن احد ولا يصوم احد عن احدٍ ولكن ان كنت فاعلاً تصدقت عنه او اهديت "

(رواہ عبدالرزاق فی کتاب الوصایا و بیہقی فی الصغریٰ)

اور صاحب درمختار جلد اول باب القضاء الفوائیت وغایۃ الاوطار نے لکھا ہے:

" ولو مات وعليه صلوات فائتة و اوصى بالكفارة يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتر و الصوم وانما يعطى من ثلث ماله ولو لم يترك مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلا يدفعه للفقير ثم يدفعه الفقير للوارث ثم وثم حتى يتم فقط "

یعنی اگر شخص مرا اور اس کے ذمہ نمازیں فوت شدہ ہیں اور وصیت کی کفارہ دینے کی تو دیا جائے ہر نماز کے لئے آدھا صاع گیہوں مانند صدقہ فطر کے اور ایسا ہی حکم ہے وتر اور روزہ کا یعنی ان میں سے ہر ایک کے عوض صدقہ فطر کی مانند دینا چاہئے اور یہ کفارہ میت کے تہائی مال سے دیا جائے اگر میت نے کچھ مال نہ چھوڑا یا اتنا ہو کہ سب نمازوں کے کفارہ کو کافی نہ ہو تو میت کا وارث یہ تدبیر کرے کہ نصف صاع یا مول قرض لے اور اس کو فقیر کے حوالے کرے پھر وہ فقیر ہبہ کرے اور وارث پھر فقیر کو دے اسی طرح بار بار کرے یہاں تک کہ پورا تمام ہو جائے۔

(درمختار)

اور اگر کوئی غیر مقلد اس مقام میں اعتراض کرے کہ نماز قضا کے عوض صدقہ دینا کس حدیث میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بروایت سمرہ بن جندب بایں طور مذکور ہے کہ کہا جندب نے فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ جس نے جمعہ کو بے عذر چھوڑا وہ صدقہ دے ایک دینار اور جس کو جمعہ نہ ملا وہ نصف دینار صدقہ دے اور ایک روایت میں ہے آدھا درہم اور دو درہم اور ایک مد اور نصف مد بھی آیا ہے اور دینار بڑھتے چار ماشہ ہونے کا ہوتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ایک درہم یا ایک صاع یا ایک مد گندم سے دیا جائے اور مد سیر کا ہوتا ہے اور صاع میں چار مد آتے ہیں ہو بہو:

" عن سمرة ابن جندب قال قال رسول الله ﷺ من ترك الجمعة من غير عذر فليتصدق بدينار فان لم يجد فنصف دينار "

(رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ مشکوٰۃ باب الجمعہ صفحہ ۱۲۳)

اور علاوہ اس کے دو مد گندم دینے کا ذکر حدیث نمبر اول میں گذر چکا ہے۔ اب غیر مقلد صاحب کی خدمت میں بڑے ادب سے عرض ہے کہ ذرا انصاف اور ایمان سے ایک سال نماز روزوں کا حساب لگا کر بیان کریں کہ کتنا غلہ و نقد فدیہ فی سال کا دینا پڑتا ہے فتدبر۔

سوال: مریض کو پہلے مرنے کے یعنی عند الموت کیا کیا وصیت کرنی چاہئے اور استقاط قبل از دفن کی جائے یا اس کے بعد؟

جواب: آدمی کو چاہئے کہ قبل از موت اپنے عزیزوں اور ہمسایوں سے اور جن لوگوں کے حق ہیں ان سے بخشا لے اور جن کا ادا ہونا بہت مشکل ہو جیسا کہ حقوق اللہ تعالیٰ مثل نماز روزہ وحج اور ان کے لئے مٹ

مال سے وصیت کرے، چنانچہ کتاب مجالس الابرار صفحہ ۳۳۸ میں مذکور ہے وہو ہذا:

" ویوصی بما لم یتمکن من ادائه فی الحال حتی لو کان علیه حق من حقوق الله تعالیٰ کالصلوٰة والزکوٰة والصوم والحج وغیر هایجب علیه ان یوصی لهذا الحقوق بثلث ماله ان یحتج والیه وان لم یکن علیه الیه حق من هذه الحقوق لایجب علیه الوصیة بل یسعی له ان ینظر الی حال الورثة فانهم ان کانوا صغاراً فافضل له ترک الوصیة "

یعنی متوفی قبل از انتقال اقرباء و ماں باپ و ہمسایہ وغیرہ سے معافی طلب کرے اور جن کا ادا کرنا مشکل ہو جیسا کہ حقوق اللہ تعالیٰ مثل نماز و روزہ و زکوٰۃ و حج وغیرہ تو ان کے ادا کرنے کے لئے وصیت کرے اور یہ واجب ہے کہ ثلث مال سے وصیت کرے اگر اس کے ذمہ کوئی حق اللہ تعالیٰ کا باقی نہیں رہا تو پھر وصیت کرنا واجب نہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ اگر متوفی نے موافق حکم شریعت کے جس کام کی وصیت کی ہے اس کو ضرور ادا کریں۔ اگر اس نے وصیت نہیں کی تو ان کے لئے صدقہ دے کر ان کے لئے ثواب بخشیں چنانچہ نسائی میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سے پوچھا کہ یا حضرت والدہ میری مرگئی ہے اور اس نے وصیت نہیں کی، کیا اس کے لئے صدقہ کریں، اس کو پہنچے گا، فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہاں بے شک پہنچے گا اور وہ حدیث یہ ہے:

" عن ابن عباس ان سعداً سال النبی ﷺ ان امی مالت ولم توص افا تصدق عنها قال نعم ایضا رجلاً قال یا رسول الله ان امته توفیت انفعها ان تصدقت عنها قال نعم "

اور صدقہ میت کے لئے بخشنا اس صورت میں مستحب ہے اور علامہ کرمانی شارح بخاری اور کتاب شرح برزخ میں یوں لکھتے ہیں:

اگر کوئی تم سے مرجائے تو اس کے لئے ضرور صدقہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ اس دن میں نہایت درجہ پر عاجز ہوا کرتا ہے وہو ہذا

" قال ما یتصدق به الرجل اخر یوم من الدنیا اول یوم من الاخرة "

اور اس کے آگے یوں لکھا ہے:

" ای احق زمان تصدق فیه الرجال فی احواله اخر عمره "

اور حدیث شریف میں ہے:

" فارحموا موتاکم " یعنی تم اپنے مردوں پر رحم کرو اور اسقاط قبل از دفن کرنی چاہئے، چنانچہ شرح الصدور شرح برزخ صفحہ ۱۲۳ بروایت ابی ابن کعب حدیث تحریر ہے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ موت مقام خوف ہے پس صدقہ کرو پہلے دفن کرنے سے وہ حدیث یہ ہے:

"اخرج ابی بن کعب ان النبی ﷺ قال الموت فزع فتصدقوا له قبل الدفن فافرؤا ما تیسر من القرآن احملوا له"

اور حدیث معلق واجب العمل ہے مانند حدیث متصل کے اوصاحب شرح برزخ وغیرہ نے لکھا ہے کہ پہلے یہ کام کرنا سنت ہے جیسا کہ حدیث مذکور کے تحت میں لکھا ہے:

"فادالحدیث ان التصدق لروح المیت قبل الدفن سنة لو ختم له القرآن لکان جائزاً یرجی فیه نجاة المیت و کان السلف علیٰ ذلک"

یعنی صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسا ہی کیا کرتے تھے اور اغر مزنی سے روایت ہے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ تم صدقہ کا ثواب دفن کرنے سے پہلے کر دیا کرو اور وہ یہ حدیث بایں الفاظ معلق ہے:

"اخرج اغر المزنی ان النبی ﷺ قال تصدقوا موتاکم قبل الدفن لعل الله تعالی ینجیه بذلک"

(نقل از شرح برزخ)

اور کتاب طحطاوی اور شرح الصدور میں بایں الفاظ حدیث مذکور ہے:

"قال علیه السلام تصدقوا لموتاکم قبل الدفن لیکون ذلک فدیةً من ایدی ملئکة العذاب"

یعنی فرمایا اپنے مردوں کے لئے صدقہ کرو پہلے دفن کرنے سے پس ہوگا یہ فدیہ سامنے فرشتوں کے عذاب سے اور بخاری کتاب بلوغ المرام میں بایں الفاظ حدیث وارد ہے کہ ایک عورت نے قوم جہینہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ میری ماں مرگئی ہے اور اس نے نذر مانی تھی کہ میں حج کروں گی، کیا میں اب اس کی طرف سے حج کروں، آپ نے فرمایا بے شک تیری ماں کے ذمہ کسی کا قرضہ رہ جاتا تو تو ادا کرتی یا نہ اس نے کہا ہاں یارسول اللہ ضرور ادا کرتی آپ نے فرمایا یہ تو خداوند کریم کا اس کے ذمہ قرضہ ہے، اس کو ضرور ادا کر، پس اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا کہ حقوق اللہ اگر میت کے ذمہ ہے تو ولی اس کو ضرور ادا کرے تا کہ میت عذاب الٰہی سے نجات پا جائے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اگر کسی کے ذمہ کچھ قرضہ رہ جاتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کا جنازہ نہ پڑھتے تھے، تاوقت یہ کہ اس کو ادا نہ کر لیتے اور مشکوٰۃ باب النذر میں ہے کہ ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ یا حضرت میری ماں مرگئی ہے اور اس کے ذمہ نذر ہے اب میں کیا کروں، آپ نے فرمایا کہ تو اس کو ادا کر، ایک روایت میں ہے کہ اگر کسی نے نذر ادا نہ کی ہو تو کفارہ قسم کا ادا کرے، اگر کوئی غیر مقلد کہے کہ ہم صدقہ دینے سے منع نہیں کرتے بلکہ ہم تو اسقاط کو بدعت کہتے ہیں کیونکہ یہ کسی صحابی سے ثابت نہیں ہوئی تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے احکام شرعیہ کے ادا کرنے میں سستی و غفلت نہیں کی، بلکہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے کوئی حکم صادر ہوتا تو فی الفور بلا دریغ اسی وقت اس کو مان کر ادا کر لیتے، اگر کسی

صحابی سے کسی عذر کے سبب سے کوئی حکم رہ جاتا تو پھر اس کو ادا کرتے، ورنہ اس کے عوض میں ان کے وارث فدیہ ادا کرتے۔ اگر کوئی حکم فی نفسہ کرنے کے قابل ہوتا تو اس کو سر خود ادا کرتے، اگر میت کے ذمہ کوئی حکم مثل نماز و روزہ و حج و کفارہ یمین و ظہار و نذر کا نہ رہ جاتا، تو پھر بھی میت کے لئے قرآن مجید و صدقہ کا ثواب پڑھ کر بخشتے، چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتقال کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قربانی کیا کرتے اور مائی خاتون جنت اور امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے روٹی پکا کر بخشتیں اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے فرزند ابراہیم کے لئے شیر و طعام و کلام کا ثواب پڑھ کر بخشا اور الفاظ اس حدیث شریف کے آگے تحریر کئے جائیں گے اور علاوہ اس کے آثار صحابہ و احادیث صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جس کے ذمہ نماز و روزہ و حج زکوٰۃ و کفارہ نذر و کفارہ یمین کا رہ جاتا تو آپ ان کے ولیوں پر ان کے ادا کرنے کا حکم لگا دیتے اور وہ جو حکم قابل سر خود کرنے کا ہوتا تو اس کو خود ادا کرتے ورنہ ان کے عوض میں فدیہ دیتے کیونکہ قبل از دفن ایسا فدیہ ادا کرنے سے میت پر عذاب کی تخفیف ہو جاتی اور اس لئے اس فدیہ کا نام اسقاط رکھا گیا ہے کہ بایں طور ادا کرنے سے وہ امور جو اس کے ذمہ رہ جاتے ہیں وہ گر جاتے ہیں اور زبان عرب میں اس کا نام اسقاط رکھا گیا ہے اور تمام کتب فقہ حنفیہ شافعیہ میں لکھا ہے کہ قبل تقسیم و انصاف ثلث مال سے ادا کریں اور پھر باقی ماندہ ورثہ موافق شریعت کے آپس میں تقسیم کر لیں۔

مسئلہ: اسقاط کرنا واجب کس حالت میں ہے

سوال: اگر متوفی نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد ضرور اسقاط کریں اور وہ شخص مر گیا اور اس کا ورثہ کچھ نہ نکلا یا کچھ نکلا تو اسکے مال کے مالک یتیم ہیں تو اس وقت کس طرح کیا جائے۔ اگر کچھ بھی نہیں نکلا تو کس قدر قرضہ لے کر اسقاط کرنا جائز ہے اور اسکا مال بہت نکلا اور اس کا وارث کوئی نہیں تو پھر کس طرح کیا جائے۔

جواب: اگر اس صورت میں متوفی کا مال کچھ نکلے یا نہ نکلے تو ہر دو صورت میں ولی پر اسقاط کرنا واجب ہے اگر میت قرضدار ہوا تو قریبی رشتہ دار اپنی طرف سے ادا کریں کیونکہ میت کے ذمہ احکام شریعت مثل نماز و روزہ و ظہار کے رہ چکے ہیں اگر ورثہ نکلے تو ثلث مال سے ادا کریں، چنانچہ اس عبارت سے ظاہر ہے:

" قال فی الطحطاوی وینفذ الوصیة من الثلث بشرط ان لا یکون فی الترکة دین من دیون العباد حتی لو کان ینفذ ذلک من ثلث الباقی الا اذ لم یکن له وارث فحینئذ ینفذ من جمیع ما بقی "

اگر کچھ مال کے مالک یتیم ہوں اور اگر اس وقت بدوں تقسیم ترکہ کر کے ان کے حق سے اسقاط نہ کی جائے اور ان کے

ا یہ عبارت فتاویٰ جلد اول فصل فی مسجد اور دوسری عبارت عالمگیری جلد ۵ باب الہدایا والضیافات میں ملاحظہ کریں فقط۔

مال سے ایک درہم نہ پکڑا جائے چنانچہ عالمگیری میں (۱) ہے:

"وان اتخذ طعاماً للفقراء كان حسنا اذا كانت الورثة بالغين ان كانت فى الورثة صغيرا لم يتخذوا ذلك من التركة كذا فى التاتارخانية وان اتخذوا ولى الميت طعاماً للفقراء كان حسنا الا ان يكون فى الورثة صغير فلا يتخذوا ذلك من التركة"

اور اگر اس صورت میں ولی قرضہ لے کر اسقاط کرے تو بھی جائز ہے جیسا کہ درمختار میں بھی مذکور ہے۔

مسئلہ: علمائے دین کا حق لوگوں پر واجب ہے۔ ثبوت حیلہ وطریقہ اسقاط ومستحقین آں

سوال: اسقاط کس طرح کی جائے اور اگر مال اندک ہو تو پھر کیا حیلہ کیا جائے اور حیلہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور مال اسقاط کس کا حق ہے؟

جواب: اگر متوفی کے ذمہ روزے رمضان شریف وکفارہ یمین وسجدہ سہو وتلاوت وواجبات میں سے کوئی حکم رہ جائے اور متوفی اس کے ادا کرنے کے لئے وصیت بھی کر جائے تو ثلث مال سے اسقاط کریں۔ اگر متوفی نے وصیت تفسیر امور متروکہ کی نہیں کی اور لوگوں کو بھی معلوم نہیں کہ اس کے ذمہ کون کون حکم باقی ہیں پس اگر وہ ان کو ادا کرنا چاہیں تو اس کی عمر شماری کا حساب کریں اگر مرد ہو تو اس کی عمر سے بارہ سال حساب نکال دیں، اگر عورت ہو تو اس کی عمر سے نو سال اور بدلہ فی روزہ نیم سیر گندم اور آدھ سیر نماز پنجوقتی اور دو وتر برائے نماز وتر پس بایں حساب باقی ماندہ سالوں کا اندازہ لگا کر مال اسقاط محتاجان جان وغریباں کو بانٹ دیں اگر علمائے دین غریب ہوں یا ان کے ساتھ بوقت معین کرنے کے وعدہ کیا گیا ہو تو بھی اس صورت میں مال اسقاط انہیں کا حق ہو جاتا ہے چنانچہ فتاوی اصول العمادی وجیز الصراط میں ہے:

"اذا عينوهم لامامهم شيئا من الاوقاف والصدقات والهدايا وغيرها ولزمهم اداؤها"

اور فتاوی جواہر صفحہ ۲۳۶ میں لکھا ہے "معلم ومتعلم کی خدمت اہل اسلام پر واجب ہے"

"من اشتغل بتعلم العلم واجب على المسلمين كفاية واذا كان العالم والمتعلم فى بلد ليس له من بيت المال وظيفة يجب على الاغنياء تلك البلدة نفقته وكسوته"

اگر اس قدر ثلث مال نہ ہو اور کوئی چیز قیمتی مثل قرآن مجید یا مرواریدے لے کر محتاجان وغیرباں کو برائے متوفی دے دیں، اگر ایسا نہ کریں تو اس طور پر حیلہ کریں کہ اپنی طرف سے اندک قرضہ لے کر مساکین کو دے دیں پھر وہ مسکین اس کو دے دے اور اس طرح حساب پورا کریں، چنانچہ صاحب طحطاوی نے لکھا ہے اگر میت کے ترکہ سے کچھ مال نہ نکلے ولی ضرور ان امور کو ادا کرے۔ وہو ہذا:

"ولو لم يترك مالا يستقرض وارث نصف صاع من بر ويدفعه الفقير الوارث ثم ولم حتى يتم هكذا فى درمختار باب قضاء الفوائت (۱)"

"اور قرآن مجید و حدیث صحیحہ سے حیلہ کرنا ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ایوب علیہ السلام نے حالت بیماری میں غصہ میں آ کر قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیوی کو سو کوڑی ماروں گا تو جب ان کو صحت ہوئی اور شکر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ حیلہ بتادیا کہ تم اپنی عورت کو سو حیلہ جھاڑو کا مارو، تو تم تیرے ذمہ سے اتر جائے گی اور وہ آیت یہ ہے: قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ﴾

اور اسی طرح حافظ محمد لکھنوی صاحب غیر مقلد اپنی کتاب زینت الاسلام حصہ دوم صفحہ ۳۴ میں بایں الفاظ ابیات تحریر کرتے ہیں:

﴿ابیات﴾

وارث اتے فرض جو فدیہ صوم صلوٰۃ تہامی
تریجا حصہ ترکیاں دیویں مسکیناں انعامی
جے سارا فدیہ طاقت ناہیں حیلہ ایہ کجوے
کل نمازاں روزے فدیہ کنگ حساب گنیوے
فر کنگ ساری دی قیمت موجب کرنے جمع روپے
جے سٹھ روپیہ بنیا مثلاً چیز کوئی پھر لیوے!
قیمت جدی پنج روپئے ملک فقیر کجوے
موڑ فقیر وارث نوں بخشے پھر اسنوں بخشیوے
جد یاراں واری اینویں کرسن سٹھ [illegible] تھیوے
ایہ حیلہ شرعی کجوے میت شاید اوہ بخشیوے

---

۱ درمختار جلد اول باب قضاء الفوائت میں یوں لکھا ہے:

" ولو مات وعليه صلوات فائتة واوصى بالكفارة يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم وانما يعطى من ثلث ماله ولو لم يترك مالاً يستقرض وارثه نصف صاع مثلاً ويدفعه لفقير ثم يدفعه الفقير للوارث ثم وثم يتم"

اگر کسی صاحب نے زیادہ تحقیقات کرنی ہو تو رسالہ احسان الاموات بالصدقات والاسقاط مولفہ مولوی نبی بخش صاحب ملاحظہ کریں۔

اور انوار مولوی عبداللہ مطبوعہ لاہوری صفحہ ۳۹ میں یوں لکھا ہے:

ست و یہاں من انچہ من ست و چوں سیر گھا اے در ہے راتیں اسقاط میت شاہ جہانی آ

اور فتاوی جامع الفوائد صفحہ ۶۶ میں طریقہ اسقاط یوں تحریر ہے کہ اگر "شخصے بمیرد بر انے فدیہ او ہفت چیز جمع کنند قدرے زردہ نقرہ و مس و قران و پارچہ و جامہ و غلہ و قند جمع نمودہ وارث او بگوید خداوند فلاں ترک فرض وواجب و سنت کردہ باشد، و دریں حالت قضائے آں ممکن نیست و ہر چہ حرام و مکروہ ہست بجا آوردہ باش از توبہ آں عاجز است اگر چہ عمر او چہل است و زیادہ ہمیں ہفت روز باز گردد، ایں ہفت چیز بمقابلہ تقصیرات ہفت روز میدہم، و شخص دیگر قبول کند، خداتعالے آں میت را در اول شب گور در باغ بہشت کند"

(و ہکذا فی جامع الرموز)

اور قرآن مجید ایک دوسرے کو بار بار دینا اور لینا چنانچہ موجودہ زمانہ میں اکثر مُلّا کیا کرتے ہیں، اس کا کوئی ثبوت نہیں، ہاں اگر صرف قرآن مجید محض للہ بروح میت بایں الفاظ دے دے کہ خداوندا اس شخص سے کچھ احکام تیرے ادا ہوئے اور کچھ ادا نہیں ہوئے اب یہ ادا کرنے سے عاجز ہے اور عوض ان کے یہ قرآن مجید اس درویش کو دیتا ہوں اور لینے والا کہے کہ میں نے قبول کیا۔

سوال: بسم اللہ شریف یا کلمہ شہادت یا کوئی اور اسم ذاتی یا صفاتی میت کی پیشانی یا کفنی پر لکھنا خاک یا سیاہی سے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بسم اللہ شریف یا کلمہ شہادت و اسم ذاتی یا صفاتی خاک سے پیشانی یا کفنی پر لکھنا مستحب ہے جیسا کہ درمختار باب جنازہ جلد اول میں بایں الفاظ عبارت تحریر ہے:

"و کتب علی جبہتہ او عمامتہ او کفنہ عہدنا معہ یرجی ان یغفر المیت"

اور صاحب زاویہ نے روایت کی ہے! کہ فاروق کے گھوڑوں کی رانوں پر جو کہ طبیلہ میں رہتے تھے اسم الٰہی لکھے جاتے تھے۔

"روی انہ کان مکتوبا علی فخاذ افراس فی اصطبل فاروق جلیل فی سبیل اللہ" اور کثیر ابن عباس نے اپنے کفن کے اطراف پر یہ کلمہ تحریر کیا جیسا کہ عبدالرزاق نے اپنی تصنیف میں کثیر ابن عباس کا یہ حال لکھا ہے:

"کتب فی اطراف اکفانہ بشہد کثیر ابن عباس ان لا الہ الا اللہ ہکذا فی نصب الرایۃ"

اور علامہ شامی و بزاز اور تاتارخانیہ و فتاوی عبدالحی جلد ۳ و جیز الصراط وغیرہ احباب نے اس امر کو جائز لکھا ہے اور

صاحب فتح القدیر نے سورہ یسین وغیرہ کو مکروہ لکھا ہے۔ اگر کوئی اسم لکھنا ہو تو خاک سے لکھنا چاہئے اور میت کو قبل از جنازہ نذری دینا ست ہے۔

"عن ابی هريرة قال من حمل الجنازة بجوانب الاربع فقد قضى الله عليه ايضا محمد بن حنيفة حدثنا ابو حنيفة لنا منصور بن معتمر قال من السنة حمل الجنازة بجوانب السرير الاربع"

(رواہ ابن ماجہ بقال لزوجہ الصراط مقالہ ۲)

مسئلہ: جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اور قدمی دینا

سوال: نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں اور میت کے پاؤں غسل دینے کے وقت کس طرف کرنے بہتر ہیں؟

جواب: جنازہ پڑھنے کے بعد نزدیک علمائے سلف وخلف دعا مانگنا جائز ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں مذکور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کا جنازہ پڑھا اور سلام پھیر کر یہ دعا اس میت کے لئے مانگی، وہ حدیث یہ ہے:

"وصلى عليه وقال اللهم اغفر وارحمه وادخله جنتك وقال الحاكم هذا الحديث صحيح"

(رواہ البیہقی)

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات جلد اول کتاب الجنازہ فصل ثانی میں فرماتے ہیں:

"احتمال دارد كه آنحضرت ﷺ در جنازه فاتحه بعد از نماز يا پيش ازان بقصد تبرك خوانده باشند چانچه آلاں متعارف است"

اور اسی طرح محدث فتح محمد برہانپوری نے اپنی کتاب مفتاح الصلوٰۃ میں بایں طور تحریر کیا ہے کہ "چوں از نماز فارغ شوند مستحب است كه امام صالح ديگر فاتحه بقرنا مفلحون طرف سر جنازه فاتحه بقر يعنى ﴿آمن الرسول﴾ طرف پائين بخوانند كه در حديث وارد است در بعض احاديث بعد از دفن واقعه شده هر دو وقت كه ميسر شود مجوز است"

ونہر الفائق شرح کنز الدقائق جلد اول باب الجنائز میں ہے:

"ويقول بعد صلاة الجنازة اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده واغفر لنا له"

اور ہدایہ جزو ثانی جلد اول باب الجنائز کے ابتداء میں بیہقی سے روایت ہے کہ جب صحابی براء بن معرور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتقال کیا تو حضور نے خود ایسا کیا، چنانچہ گذر چکا ہے کہ صاحب قنیہ وزاہدی نے اس بات کو مکروہ لکھا ہے تو یہ ہر دو صاحب معتزلہ ہیں، لہذا ان کے اقوال پر کوئی اعتبار نہیں کیونکہ ان کا یہ قول مخالف حدیث صحیح وعلماء سلف وخلف رحمۃ اللہ علیہم ہے۔

(نقل از مجالس شریع صفحہ ۱۶۳)

اور میت کے پاؤں قبلہ کی طرف بوقت نہلانے کے کرنے بہتر ہیں جیسا کہ بوقت بے طاقتی نماز پڑھنے کے لئے جاتے ہیں جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہے۔

" وحب یومی ایماء مستلقیا طولا علی قفاہ ورجلاہ نحو القبلة کما یوضع فی الصلاة بالایماء وعلیه المشائخ واختار البعض من اصحابنا ان یوضع مستلقیا علی قفاہ عرضا راسه نحو القبلة کما یوضع فی نحو القبر وعلیه المتاخرون "

(نقل از مجالس الابرار و شرح نزہ صفحہ ۱۲۰)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جس طرح آسانی سے جگہ تختہ کی ملتی ہو اسی طرح سے رکھا جائے۔

(ھکذا فی ظھیریہ و فتاوی عالمگیری)

واللہ اعلم والصواب

مسئلہ: قبر پر قرآن پڑھنا اور فاتحہ خوانی دانوں پر کرنا اور چراغ وغیرہ قبروں پر جلانا

سوال: قبر پر میت کو تلقین اور دانوں پر فاتحہ خوانی یا قبر پر چراغ جلانا یا کوئی یوم مقرر کر کے ہفتہ تک روٹی دینی یا قبر پر جمع ہو کر قرآن پڑھانا یہ سب امور جائز ہیں یا بدعت؟

جواب: بے شک میت کی قبر پر تلقین کرنا اور فاتحہ خوانی اور جمع ہو کر قرآن شریف قبر پر پڑھنا پڑھانا جائز ہے چنانچہ صاحب شامی و درمختار و مضمرات و غرائب و فتاوی جواہر نے لکھا ہے:

" قراة القرآن عند القبور مکروة عند الحنیفة و عند محمد لا وعلیه الفتوی من المضمرات والاصح انه لایکره "

یعنی قرآن شریف کا پڑھنا قبر کے پاس امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے اور نزدیک امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی خوف نہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتوی ہے اور صحیح یہ ہے کہ مکروہ(۱) نہیں ہے۔

(نقل از فتاوی جواہر صفحہ ۲۳۳)

اور ائمہ دین سلف و خلف اسی بات پر ہیں کہ قاریوں کا قبر پر بیٹھنا کوئی مکروہ نہیں اور فتاوی جامع الفوائد صفحہ ۶۳ میں یوں لکھا ہے:

" واذا دفن المیت ینبغی ان تجلسوا ساعة عند القبر بعد الفراغ ویدعوا للمیت وقراءة القرآن عند القبور لا یکره هکذا فی العالمگیریة و عمدة القاری شرح صحیح بخاری و فتح القدیر و تکمیل الایمان و امام زرقانی مالکی شرح موطا "

(۱) قرآن مجید کا قبر پر پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، مشکوۃ وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں اور امام صاحب کے نزدیک بھی قرآن مجید مسلمانوں کی قبر پر پڑھنا جائز ہے۔ ہاں کافر و منافق و بد مذہب کی قبر پر قرآن پڑھنا جائز ہے اور گلی ہوئی میت پر مکروہ ہے۔

اور اس بات پر تمام علماء احناف کا اتفاق ہے کہ قاریوں کا بٹھانا قرآن مجید پڑھنا جائز بلکہ اکراہت ہے اور فتاوی نظم الدین و کتاب مجالس الابرار و غیرہ کتب فقہ اور احادیث میں لکھا ہے کہ صاحب قبر کو ضرور تلقین کی جائے وہو ہذا:

"فقوله عليه السلام لقنوا موتاكم شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله"

اور علمائے دین اسلام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے تلقین بوقت سکرات الموت کی جائے اور بعض نے کہا کہ بوقت دفن کی جائے اور فتاوی جواہر صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے کہ بعد دفن کے یہ تلقین کی جائے وہو ہذا:

"التلقين بعد الدفن فعله بعض مشائخنا وهو معتاد في بعض البلاد"

اور مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب مدظلہ العالی مجدد مائۃ حاضرہ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ بعد از دفن میت کی قبر پر اذان ضرور کہی جائے کیونکہ خود آپ ﷺ نے سعد بن معاذ کی قبر پر الفاظ اذان کے بآواز بلند کہے تھے اور اس حدیث کو امام احمد طبرانی و بیہقی نے حضرت جابر بن عبداللہ سے بیان کیا ہے کہ اگر کسی مصلحت کی وجہ سے کوئی روز معین فاتحہ خوانی کے لئے کیا جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، چنانچہ خود حضرت مسعود رضی اللہ عنہ نے وعظ کے لئے کسی مصلحت کی وجہ سے جمعرات کا روز معین کر لیا تھا اور یہ ذکر مشکوٰۃ و بخاری و مسلم میں موجود ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اخیر میں جمعہ کے روز کو وعظ کے لئے مقرر کر رکھا ہے حالانکہ قرآن مجید میں وعظ کرنے کے لئے کسی روز اور وقت کی قید نہیں۔

مسئلہ: تیسواں، چالیسواں

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ترجمہ مشکوٰۃ میں لکھا ہے: "مستحب است كه صدقه كرده(۱) شود از موت بعد از دفن واز عالم تا هفت روز" اور صاحب سراج المنیر نے یوں لکھا ہے:

"ويستحب ان يتصدق عن الميت بعد موته سبعة ايام"

پس اس امر میں دوسرا اور چوتھا اور ساتواں سب داخل ہوئے اور تفسیر درمنثور میں تحت آیۃ کریمہ عقبی الدار کے لکھا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مع صحابہ احد میں شہداء کی قبروں پر سال بسال ضرور جایا کرتے تھے۔ وہو ہذا:

"كان ياتي احد على راس كل عام وسلم على قبور الشهداء وبقول سلام عليكم"

---

(۱) تیسواں چالیسواں کرنا جائز ہے چنانچہ کتاب برزخ و کتاب مین العلم شرح زین العلم صفحہ ۱۲۶ میں نیز بالفاظہ لکھا ہے: "يتصدق الولي قبل مضي ليلة بشيء ان تيسر والا يصلي ركعتين بالفاتحة واية الكرسي والتكاثر عشرا في كل ركعة ويهبه الثواب ويقف مستدبر القبلة ويواذب على الصدقة سبعة اياما الخ" اور تفسیر عزیزی جلد آخر صفحہ ۱۱ سورۃ النشقت تحت آیت واقمر فیصلہ تحریر ہے، بقیہ باقی ذکر مقدمہ سلطان الفقہ میں ملاحظہ کریں۔ خادم شریعت

اور کلمہ طیبہ کی گنتی دانوں اور تسبیحوں پر کرنے میں کوئی عیب نہیں۔ چنانچہ حضرت سید جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں سو تسبیح ہزار دانہ کی ایک صندوق میں پڑی ہوئی ہے اور وفات میت پر تیسرے روز یا اول روز یا جس وقت چاہتے ہیں جمع ہو کر ان پر پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخش دیتے ہیں۔

مسئلہ: عرس شریف و فاتحہ خوانی دانوں پر

اور در المنظوم فی ترجمہ ملفوظات المحدوم صفحہ ۲۰ و صفحہ ۸۴ اور حضرت مجدد الف ثانی جلد ثانی میں یوں تحریر کرتے ہیں:

بیاران و دوستاں دعا فاتحہ مسئول ہست اور اس کی تائید پر یہ حدیث وارد ہے:

" قال رسول اللہ ﷺ من قال لا الہ الا اللہ مائۃ الف مرۃ وجعل ثوابہ' للمیت غفر اللہ للذلک المیت وان کان موجباً للعقوبۃ کما فی زاد الاخرۃ "

یعنی جو شخص ایک لاکھ مرتبہ کلمہ طیب کو پڑھ کر کسی میت کو اس کا ثواب بخشے گا اور اس کی برکت سے میت کو خداوند کریم بخش دے گا، اگرچہ میت مستحق عذاب ہو اور کلمہ شریف کا ذکر تمام ذکروں سے افضل ہے اور جمع ہو کر ذکر کرنا بھی جائز ہے چنانچہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ جو شخص ہم کو مجلس میں یاد کرتا ہے، میں اس کو اس سے بہتر مجلس میں یاد کرتا ہوں۔ ایک روایت صحیح میں یوں بھی مذکور ہے کہ جس مجلس میں ذکر خداوند کریم ہو رہا ہو وہاں چپ ہو کر مت بیٹھو، بلکہ تم بھی ذکر کرو اور اگر کوئی کہے کہ قرآن مجید اور کلمات طیبات کی اجرت لینی تو حرام ہے یہ علماء و درویش کیوں لیتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا ہم کتاب اللہ پر مزدوری یوں فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہاں بے شک مزدوری لو، کیونکہ قرآن مستحق تر ہے کہ تم اس پر اجر لو اور یہ حدیث بخاری شریف و مشارق الانوار میں بایں الفاظ مذکور ہے:

" فقالوا یا رسول اللہ ﷺ ان الحق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ "فقط

مسئلہ: قبروں پر چراغ جلانا

اور قبروں پر بے فائدہ چراغ جلانا گناہ ہے۔ ہاں اگر رات کو وہاں جا کر بیٹھتے ہوں یا ذکر اذکار کرتے ہوں یا کوئی خوف ہو تو پھر ان صورتوں میں چراغ اور آگ جلانا جائز ہے چنانچہ تفسیر روح البیان تحت آیہ کریمہ

﴿انما یعمر مساجد اللہ﴾ کے لکھا ہے:

" وکذا ایقاد القنادیل والشمع عند قبور الاولیاء فالمقصد فیھا مقصد حسن وندر الزیت والشمع لاولیاء یوقد عند قبورھم تعظیما و حجۃ فیھم جائز الاینبغی المنھی عنہ "

اور اسی طرح علامہ محمد حسن سندھی میرپوری اپنی تصنیف مفاتیح میں لکھتے ہیں:

"واسراج السراج علی قبور الاولیاء لاستراح الناس مباح"

اور جہاں کہیں قبروں پر چراغ جلانے کی ممانعت کتب فقہ واحادیث میں ارد ہوئی ہے۔ وہاں بے فائدہ قبروں پر چراغ جلانا مراد ہے فقط۔

(حکذا فی مجمع البحار و فتوی سندھ)

مسئلہ: قبروں پر قبہ بنانا

سوال: قبروں پر قبہ بنانا اور پھول چڑھانا اور بوسہ لینا اور غلاف قبر پر ڈالنا جائز ہے یا بدعت؟

جواب: نزدیک بعض علماء کے یہ سب افعال مکروہ ہیں۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ سب افعال مستحسن ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح سفر السعادت میں لکھتے ہیں کہ" اندا ختن غلاف بر قبر شریف وافروختن چراغ وغیرہ تکلیفات کہ بر مزار ہائے اولیاء جملہ از مستحسنات اند ..... الخ" اور بدعت کہنا ان امور کو جائز نہیں کیونکہ ان امور کا ثبوت احادیث صحیحہ سے پایا جاتا ہے۔ چنانچہ سنن ابوداؤد میں قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

" قال دخلت علیٰ عائشة رضی الله عنها فقلت یا اماه اکشفی لی عن قبر رسول الله ﷺ وصاحبیه فکشف لی ثلثة قبور ..... الحدیث"

یعنی قاسم بن محمد اکابر تابعین اور فقہائے سبعہ مدینہ طیبہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام صحابہ سے ہیں چنانچہ طبقات میں ہے کہ حضرت ام المحدثین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں عرض کی کہ کھولو ہمارے سردار سید الابرار ﷺ کے مزار اقدس کو اور آپ کے دونوں یاروں کی قبر منور کو پس حضرت ام المؤمنین نے تینوں قبروں کو کھولا پس ان پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ ان کو اٹھا دیا اور طوالع انوار کے حاشیہ پر یوں لکھا ہے:

" وتقبیل (!) بغیر المصحف کقبور الانبیاء ومن یتبرک بهم فللعلماء فیه کلام کرهه بعضهم واستحسنه بعضهم حتی ان الشافعی اباحه مطلقاً"

اور فتاویٰ سندی صفحہ ۱۳۷ میں لکھا ہے کہ علمائے اربعہ کا فتویٰ اس کی عدم کراہت پر ہے اور مرقات شرح مشکوٰۃ میں ذیل اس حدیث کے یوں لکھا ہے:

" عن ابن عباسٍ قال مر النبی ﷺ بقبور المدینة فاقبل علیهم بوجهه وقال بعض العلماء لا باس بتقبیل قبر الوالدین"

ا: نہایہ میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو اپنے والدین کی قبر کو بوسہ دینے کی اجازت دی چونکہ اس نے نذر مانی ہوئی تھی فقط اصل الفاظ حدیث شریف سلطان الفقہ کے مقدمہ میں ملاحظہ کریں۔ خادم شریعت

اور امام بخاری جامع الصحیح اور امام نووی کے مناسک میں یوں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور جس منبر پر بیٹھ کر وعظ فرمایا کرتے تھے، اس جگہ پر ہاتھ مل کر منہ پر ملتے تھے اور حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن شریف کو چوم کر چہرہ پر ملتے تھے۔

" وان ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما وضع یده علی مقعد النبی ﷺ من المنبر ثم وضعها علی وجهه "

(نقل از فتاوی مسند)

اور اسی کتاب میں لکھا ہے کہ نعلین مبارک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چومنا بھی جائز ہے اور بزرگان دین کی قبروں پر گنبد بنانا برائے جلالیت ان کی کے اور قاریوں کے قرآن مجید پڑھنے اور بیٹھنے کی خاطر اور عوام الناس کی زیارت کے لئے بلا کراہت جائز ہے۔ چنانچہ کتاب کشف النور صاحب تفسیر روح (۱) البیان جلد اول صفحہ ۸۸۹ نے لکھا ہے:

" ان البدعة الحسنة الموافقة المقصود الشرع یسمی منه قبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء امر جائز اذا کان القصد بذلک التعظیم فی عین العامة حتی لا یحتقروا صاحب هذا القبر "

اور صاحب ذوالفقار حیدری سندی اور علامہ ملا علی قاری حنفی شرح مشکوٰۃ اور مشکوٰۃ المصابیح تعلیقات بخاری سے یوں تحریر کیا ہے:

" الحسن بن الحسن بن علی ضربت امرأة القبة علیٰ قبره سنة ..... الخ "

یعنی وصال کیا حضرت امام حسن المثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو آپ کی بیوی نے آپ کی قبر پر ایک سال تک خیمہ کھڑا کیا تھا۔ اور علامہ قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں بایں الفاظ بیان کیا ہے:

" الظاهر انه لاجتماع احباب الله والقرأة وحضور اصحاب الدعآء بالمغفرة والرحمة "

اور جو آپ نے قبروں پر مکان وغیرہ بنانے کی ممانعت فرمائی ہے وہاں بھی کراہت پر محمول ہے نہ اس کی حرمت پر اور وجہ اس کی یہ ہے کہ لوگ وجہ تفاخر مال و دولت کو قبروں کی عمارت برباد کر دیتے تھے، چنانچہ آج کل یہودی و نصاریٰ کی قبروں پر عمارتیں بنی ہوئی جیسا کہ ابن الہمام نے اس مسئلہ کی تشریح تخصیص قبور کی شرح میں کر دی ہے:

" هذا الحدیث محمول علی ما کانوا یفعلونه من تعلیة القبور بالبناء الحسن العالی کما فی حاشیة الترمذی و حاشیة نسائی "

اور مجمع البحار میں ہے پس بزرگان دین کی عظمت و رفعت شان اور برائے رعب اسلام کے پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنے والوں کی خاطر اور زائرین کے آرام کے لئے قبور اولیاء کرام پر گنبد بنانا کوئی گناہ نہیں، چنانچہ علمائے سلف وخلف کا اسی بات پر عمل لگاتار چلا آیا ہے اور بے شک بے فائدہ قبور پر قبہ بنانا جائز نہیں اور مجمع البحار جلد ثانی میں لکھا ہے:

" وقد اباح السلف ان يبنى على قبور المشائخ والعلماء والمشاهير ليزورهم الناس ويستريحون بالجلوس فيه ..... الخ "

اور صاحب درمختار نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

" ولا يرفع عليه بناءٌ وقيل لا باس به وهو المختارُ "

اور ملا علی قاری نے بھی اسی طرح تحت حدیث ممانعت (۱) کے لکھا ہے۔

مسئلہ: نشان کے طور پر قبور پر جھنڈا کھڑا کرنا

اور قبر پر بطور نشانہ جھنڈا کھڑا کرنا کوئی گناہ نہیں، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عثمان بن مظعون کی قبر پر خود ایک پتھر نشانہ کے طور پر کھڑا کر دیا، وہ حدیث یہ ہے:

" قال لما مات عثمان بن مظعونٍ اخرج بجنازةٍ فدفن امر النبی ﷺ رجلاً ان یاتیه بحجرٍ فلم یستطع حملها فقام الیها فوضعها عند رأسه وقال اعلم بها لقوله علیه السلام قبر اخی "

اور اس کے تحت میں ملا علی قاری نے یوں لکھا ہے:

" یستحب ان یجعل علی قبرٍ علامة یعرف بها لقوله علیه السلام قبر اخی "

اور ترمذی (۲) ونسائی میں مذکور ہے کہ آپ نے نشان کے طور پر جھنڈا سفید رنگ کا رکھا تھا اور کبھی سیاہ رنگ کا بھی رکھتے تھے۔

" عن ابن عباسٍ رضی الله عنه ان رایة رسول الله ﷺ کانت سوداء ولواءٌ ابیض "

---

۱ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں بھی قبہ بنانا اولیاء اللہ کی قبر پر جائز ہے۔ چنانچہ میزان جلد اول ص ۱۹۰ اور رحمۃ الامہ کے حاشیہ میں یوں لکھا ہے" ومن ذلک قول الائمة الثلاثة ان القبر لا یبنی اولا یخصص مع قول ابی حنیفة بجواز ذلک الخ " ولا یبنی القبور ولا یخصص عن الثلاثة وجواز ذلک ابو حنیفة "
نقل از رحمۃ الائمہ باقی ذکر مقدمہ میں ملاحظہ کریں، خادم شریعت

۲ غرض یہ کہ نشان کے طور پر قبر پر پتھر یا جھنڈا یا کوئی اور شے لگا دینا بغرض پہچان کے منع نہیں، بغرض رسم ورواج بے فائدہ منع ہے۔ خادم شریعت

اور قبروں پر پھول چڑھانا مستحب ہے۔

چنانچہ علامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں تحریر کیا ہے:

" وقد ورد فی الحدیث انه ﷺ شق جریداً نصفین ووضع علی کل قبر نصفاً وکانا قبرین بعذبهما وقال انی لارجوا ان یخفف عنهما ما لم ییسا لانهما یسبحان ماداما رطبین الخ"

اور فتاوی عالمگیری میں یوں مذکور ہے:

" وضع الورد والریاحین علی القبور حسن هکذا فی کتاب مطالب المؤمنین و فتاوی غرائب "

اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ قبر پر پھول چڑھانے سے ان کو کیا فائدہ ہوتا ہے جب کہ وہ مر چکے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ولی اللہ زندہ ہیں اور اس بات پر قرآن شریف خود شاہد ہے کیونکہ ان کا مرنا جینا برابر ہے کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ؛ ایضا : وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾

اور کتب تواریخ و کتب احادیث میں لکھا ہے کہ مابین زمین و آسمان کے سیر کرتے ہیں اور اپنے یاروں کی مدد کرتے ہیں اور یاروں کے دشمن ہوں تو ان کو تنبیہ کرتے ہیں۔ چنانچہ مولوی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری اور رسالہ تذکرۃ الموتی میں بایں طور لکھتے ہیں:

" ان اللہ تعالیٰ یطعی لارواحهم قوة الاجساد فیذهبون من الارض والسماء بحنبة وینصرون اولیائهم ویدفرون اعدائهم انشاء اللہ "

اور اسی طرح مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے:

" روح المؤمنین فانها تسیر فی ملکوت السمآء والارض وتسرح فی الجنة حیث تشآء وتاوی الی قنادیل تحت العرش ولها تعلق بجسده ایضاً تعلقا کلیا بحیث یقرء القران فی قبره ویصلی ویتمهم وینام کنوم العروس "

مسلم نے بروایت انس اخراج کیا کہ فرمایا حضور ﷺ نے کہ رات معراج کو میں نے دیکھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز گزار رہے تھے اور وہ حدیث یہ ہے:

" مررت بقبر موسی فاذا هو فیه قائم یصلی "

اور ابوداؤد و بیہقی میں یوں مذکور ہے کہ فرمایا آپ نے بروز جمعہ تم کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ وہ مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی مٹی میں کچھ نہیں رہ جاتا، آپ نے فرمایا:

"ان اللہ تعالیٰ حرم اجساد الانبیآء علی الارض"

اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے جسم مٹی پر حرام کیے ہیں ان کو نہیں کھاتی اور بیہقی میں حضرت انس سے یوں حدیث مذکور ہے۔

"قال النبی ﷺ ان الانبیاء لا یترکون فی قبورھم بعد اربعین ولکنھم یصلون بین یدی اللہ حتی ینفخ فی الصور"

یعنی پیغمبر زندہ ہیں چالیس یوم کے بعد اپنی قبروں میں مکلف کیے جاتے ہیں اور قیامت تک اللہ تعالیٰ کے سامنے نمازیں پڑھتے رہیں گے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"من صلی علی قبری سمعتہ ومن صلی غائبا بلغتہ"

یعنی جو شخص درود پڑھے نزدیک قبر میری کے میں خود سنتا ہوں اور جو شخص دور سے پڑھے تو وہ مجھ پہنچایا جاتا ہے اور ایک روایت میں بایں طور مذکور ہے کہا صحابہ نے کہ یا حضرت جو شخص آپ کو مخاطب ہو کر دور سے آپ پر درود پڑھے یا آپ کے بعد تو پھر کیا آپ سنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں عشق والوں کا میں خود درود سنوں گا اور دوسروں کا فرشتہ موکل الصلوٰۃ پہنچادے گا وہ حدیث دلائل الخیرات میں بایں طور مذکور ہے:

"قیل لرسول اللہ ﷺ ارایت صلوۃ المصلین علیک ممن غاب عنک ومن یاتی بعدک ما حالھما عندک قال اسمع صلاۃ اھل محبتی واعرفھم وتعرض علی صلوۃ غیرھم عرضا"

اور کتاب شرح برزخ میں بایں طور مضمون حدیث شریف میں وارد ہے کہ بزرگان خدا ہفتہ وار اپنے رفیقوں کے اعمال نامے کا مطالعہ کرتے ہیں اگر ان کے اعمال نامے اچھے دیکھتے ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں ورنہ ان کے لئے دعا مانگتے ہیں اور اسی طرح ہمارے سردار حضور اکرم ﷺ صبح و شام ہمارے اعمالنامے کا مطالعہ کرتے ہیں اور مفصل ذکر اس کا آگے آتا ہے(۱)۔

مسئلہ: بحث نذر و نیاز حاضر و ناظر و یا رسول اللہ کہنے پر

سوال: نذر نیاز بزرگان دین کا دینا اور بوقت مصیبت ان کو وسیلہ پکڑنا اور لفظ "یا رسول اللہ و یا علی و یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ" پکارنا اور ان کو حاضر سمجھنا کیسا ہے؟

جواب: بے شک نذر کا پورا کرنا ایمانداروں کا کام ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے لقولہ تعالیٰ:

﴿ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا الخ ﴾

یعنی پورا کرتے ہیں نذر کو اور منت کو اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اس کی برائی پھیل جانے والی ہے سب پر

(نقل از تفسیر محمدی)

(۱) امام شعرانی علیہ الرحمۃ نے مسئلہ امداد پر خوب بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ اولیاء اللہ اپنے مریدوں کی خوب خبر رکھتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور باقی مفصل ذکر مقدمہ میں ملاحظہ کریں۔ خادم شریعت۔

اور یہ آیت کریمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے کہ جب ان کے فرزند حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہو گئے تھے اور انہوں نے نذر مانی اور اس کو پورا کیا اور اسی طرح حدیث صحیح میں ہے کہ ایک عورت نے نذر مانی تھی کہ میں حضور کے سر پر دف بجاؤں گی، اس کو اجازت دی اور اس نے دف بجائی اور یہ حدیث مشکوٰۃ باب النذر فصل ثانی میں بایں الفاظ مذکور ہے:

"وعن ابن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان امرۃ قالت یا رسول اللہ انی نذرت ان اضرب علی راسک بالدف قال اوفی بنذرک رواہ ابوداؤد زادرین قالت و نذرت اذبح بمکان کذا و کذا و کذا"

اور ایک حدیث میں یوں مذکور ہے کہ ایک شخص نے یوں عرض کی کہ یا حضرت میں نے نذر مانی تھی کہ جب حضور مکہ فتح کریں گے تو میں دو رکعت نماز بیت المقدس میں ادا کروں گا تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو تو ادا کر اور کتاب طوالع انوار شرح درمختار سے صاحب فتاویٰ سندیہ نے یوں لکھا ہے کہ نذر ماننے والا اس طور پر نذر مانے کہ اللہ میں نے تیرے لئے نذر مانی ہے۔ اگر میرا فلاں عزیز غائب شدہ آجائے، یا میری دلی حاجت پوری ہو جائے یا میرا بھائی صحت پائے، تو میں فلاں بزرگ کے فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا، یا ان کی مسجد میں چٹائی ڈالوں گا، یا تیل، یا ان کے دربار میں فقیروں کو اس قدر روپیہ دوں گا کہ ان کو ان سے نفع ہو تو ایسی نذر کا ادا کرنا ضروری ہے۔

بیان مسئلہ: نذر اور اس کا طریق

تفسیر احمدی میں لکھا ہے کہ جیسے ہمارے زمانہ میں لوگ نذر مانتے ہیں یہ حلال طیب ہے، ان کا کھانا جائز ہے اور وہ یہ ہے:

"ان البقرۃ المنذورۃ کما ھو رسم فی زماننا حلال طیب"

اور رسالہ محمد حسین فی النذر میں بایں الفاظ لکھا ہے کہ "اگر بنام خدا بسم اللہ اللہ اکبر ذبح کردہ باشند اگرچہ در دل نیت فاسد دارند، ظاھر خوردنش حلال باشد" اور بوقت مصیبت انبیاء علیہم السلام و صلحاء سے مدد مانگنے میں کوئی گناہ نہیں چنانچہ خود حضرت ابوالبشر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بوسیلہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم مبارک سے بخشش طلب کی۔

مسئلہ: ثبوت یا رسول اللہ ﷺ اور وسیلہ پکڑنے کا

"لما اقترف الخطیئۃ قال یا رب اسئلک بمحمد ﷺ ان تغفرلی فقال اللہ تعالیٰ قد غفرت لک ان سئلتنی بحقہ"

(رواہ مسلم)

اور حدیث صحیح میں ہے کہ ایک شخص نابینا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں آیا اور اس نے عرض کیا کہ یا

حضرت میں تا دیتا ہوں کوئی مجھے دعا فرمائیے کہ میری آنکھوں میں روشنی ہو جائے تو آپ نے بایں الفاظ تعلیم فرمائی:

" اللھم انی اسئلک اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ھذہ ان تقضی لی اللھم فشفعہ ..... الخ"

یعنی اے الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی ﷺ کے کہ مہربانی کے نبی ہیں یا رسول اللہ میں حضور کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اس حالت میں توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت پوری ہو۔ الٰہی ان کی شفاعت میرے حق میں قبول ہو۔ پس اس حدیث سے تینوں طرح کی استعانت بزبان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت ہوئی یعنی اس طرح کہنا کہ یا خداوند بوسطہ فلاں نبی یا ولی کے میرا کام کر یا اس طرح کہنا کہ یا نبی میں تمہاری طرف متوجہ ہوتا ہوں یا اس طرح کہنا کہ یا نبی یا ولی میری طرف دیکھو اور مدد کرو، اس سے انکار کرنا محض جہالت ہے کیونکہ اکثر صحابہ رومہ وشام کی جنگوں میں بعض وقت تنگ آ کر یا محمد یا محمد کر کے پکارتے تھے اور اسی وقت فتح و نصرت اس اسم مبارک کی برکت سے پالیتے تھے اور ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کا پاؤں بے حس ہو گیا تھا، تو کہا گیا کہ تم بہترین پیارے کو اس وقت یاد کیوں نہیں کرتے ہو۔ پس اسی وقت عبداللہ بن عمر نے یا محمد کہہ کر پکارا تو اچھا ہو گیا۔ وہ حدیث یہ ہے:

" ان ابن عمر رضی اللہ عنہ خدرت رجلہ فقیل اذکر احب الناس الیک فصاح یا محمداہ فانتشرت "

(نقل از کتاب المفرد صفحہ ۲۳ ، تصنیف از بخاری)

اور امام طبرانی نے اپنے معجم میں بروایت عثمان بن حنیف اس طرح بیان کیا ہے کہ خلافت حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا کرتا تھا لیکن آپ اس کی طرف توجہ نہ فرمایا کرتے تھے آخر الامر اس نے عثمان بن حنیف کے آگے یہ معاملہ بیان کیا اور حضرت عثمان بن حنیف نے اس کو یہ وظیفہ فرمایا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز نفل پڑھ کے اس کے بعد یہ دعا پڑھا کر:

" اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک نبینا محمد ﷺ نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فیقضی حاجتی "

جب اس نے یہ دعا پڑھی تو حضرت امیر المومنین نے ایک آدمی بھیج کر اس کو طلب کیا اور اس کو اپنے پاس بٹھایا اور نہایت مہربانی سے پیش آئے اور فرمایا کہ جب تم کو کوئی حاجت ہوا کرے تو میرے پاس آ جایا کرو اور وہ شخص اس جگہ سے آ کر حضرت عثمان بن حنیف کو جا کر ملا اور کہا کہ حضرت میں آپ کا نہایت مشکور ہوں کہ میری حاجت پوری ہو گئی، آپ نے فرمایا کہ یہ وظیفہ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اندھے کو فرمایا تھا۔

(نقل از مسلم و ترمذی و غیرہما و جائز ہ)

بیہقی و امام الائمہ ابن خزیمہ و امام ابوالقاسم طبرانی و امام نسائی نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور اعلیٰ حضرت مولانا العلامہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی اپنے رسالہ انوار الانبیاء صفحہ ۲۶ بحوالہ فتاویٰ خیریہ علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب درمختار سے بایں الفاظ تحریر کرتے ہیں:

"سئلت عمن یقول فی حال الشدائد یا رسول اللہ او یا علی او یا شیخ عبدالقادر ھل ھو جائز شرعاً ام لا اجبت لھم الاستغاثۃ باولیاء وندائھم وتوسلھم امر مشروع وشئ مرغوب لاینکرہ الا مکابر او معاند وقد حرم برکۃ الاولیاء الکرام"

اور اسی رسالہ میں نقل از بہجۃ الاسرار حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ سے تحریر کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے، اگر کسی شخص کو کوئی مہم سخت پیش آجائے، تو وہ پہلے دو رکعت نماز نفل پڑھے پھر گیارہ بار درود شریف پڑھے اور گیارہ قدم عراق شریف کی طرف چلے اور اس وقت یاد کرے نام میرا اور حاجت اپنی کو تو حاجت اس کی روا ہوگی ہو ہذا:

"من استغاث لی فی کربۃ کشفت عنہ ومن نادیٰ باسمی فی شدۃ فرجت عنہ ومن توسل بی الی اللہ عزوجل فی حاجتہ قضیت لہ ومن صلی رکعتین یقرأ فی کل رکعۃ بعد الفاتحۃ سورۃ الاخلاص احدی عشر مرۃ ثم یصلی علی رسول اللہ ﷺ بعد السلام ویسلم علیہ ثم یخطو الی جھۃ العراق احدی عشر خطوۃ ویذکر فیھا اسمی ویذکر حاجتہ فانھا تقضیٰ ..... الخ"

اور مائی صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بایں طور فریاد تحریر ہے:

الا یا رسول اللہ کنت رجاء نا ☆ وکنت بنا براً ولم تک جافیاً

اور حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طور سے توسل کیا:

یا رحمۃ للعالمین ادرک لزین العابدین ☆ محبوس ایدی الظالمین فی المرکب والمزدحم

یعنی رسول خدا دیکھو میری طرف یعنی استعانت کرو زین العابدین کی کہ میں ظالموں کے ہاتھوں میں محبوس ہوں اور مائی زینب بنت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی طور پر بوقت مصیبت استغاثہ کیا:

یا جدی من تکلی وطول مصیبتی ☆ لمّا اعانیہ اقوم و اقعد

یعنی اے میرے دادا ایسی بیماری و بیکسی کے وقت کون ہے سوائے تمہارے جو اعانت کرے ہماری اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس طور اپنے قصیدہ میں استغاثہ کیا:

یا اکرم الثقلین یا کنز الوری ☆ خلنی بجودک وارضنی برضاک
الا طامع بالجود منک ولم یکن ☆ لابی حنیفۃ فی الانام سواک

یعنی یا اکرم موجودات یا خزانہ نعمت ہائے الٰہی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا ہے مجھے بھی بخشیے اور جیسا اللہ تعالیٰ نے

آپ کو راضی کیا مجھے بھی راضی کیجئے، میں دل سے آپ کی شفاعت وفیض خاصہ کا امیدوار ہوں۔

اور قطب الاقطاب محی الدین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استغاثہ

یا رسول اللہ اسمع قالنا　　یا حبیب اللہ انظر حالنا

انني في بحر هم مغرق　　حد يدي سهل لنا اشكالنا

"یعنی یارسول خدا سنو احوال ہمارے کو اے حبیب خدا دیکھو حال ہمارے کو، تحقیق میں ڈوبا ہوا ہوں دریائے غم میں پکڑ ہاتھ میرا اور آسان کر دو مشکلات میری کو..... الخ"

﴿ایضاً﴾

اعتصامي سوى جنابک لي　　ليس يا سيدي الي الاحدي

میرے دادا! میرے سردار آپ کے سوا میرا کوئی معین و مددگار اللہ کے نزدیک دونوں جہان میں نہیں ہے۔

اور حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بایں طور توسل کیا:

اے پیر دستگیر دست مرا بگیر　　دستم چناں بگیر کہ گونیند دستگیر

حضرت بندہ نواز گیسو دراز نے حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اس طرح استغاثہ کیا:

غریبم نامرادم یا محی الدین جیلانی　　زپا افتادہ ام دستم بگیر اے غوث صمدانی

اور حضرت مولانا مولوی نورالدین جامی قدس سرہٗ نے بایں طور استغاثہ کیا:

غوث اعظم مددے یا شہ جیلاں مددے　　شاہ شاہاں مددے مرشد پاکاں مددے

اور کتاب شرح برزخ میں اس طرح حدیث وارد ہے:

"روی انه ﷺ قال اذا تحيرتم في الامور فاستعينوا باهل القبور"

اور اس حدیث کو ملا علی قاری صاحب نے شرح عین العلم میں بھی تحریر کیا ہے اور علامہ امام مناوی کتاب التیسیر شرح جامع الصغیر بروایت ابی سعید خدری نے بحث حرف ہمزہ فصل قضاء میں بایں طور حدیث صحیح بیان کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ طلب کرو تم اپنی حاجتیں میری امت کے اصحاب رحمت سے یعنی اولیاء بزرگان دین سے کیونکہ ان کے دل نرم ہیں خوف الٰہی سے اور اگر تم ان سے استمداد و اعانت چاہو گے رزق دیے جاؤ گے یعنی تمہارے دلی مطالب حاصل ہوں گے۔

"اطلبوا حوائج اى حوائجكم الى ذوى الرحمة من امتى اى الى الرقيقة قلوبهم السهلة عريكتهم فانكم ان فعلتم ذلك ترزقوا او تنجعوا اى تصيبوا حوائجكم وتظفروا بمطالبكم فان الله تعالى في الحديث القدسي"

اور یہ حدیث شرح برزخ صفحہ ۲۳ میں مذکور ہے اور کہا صاحب برزخ نے کہ یہ حدیث امام بیہقی کتاب سنن کبریٰ اور طبرانی اور معجم اوسط میں ابی سعید خدری سے نیز مروی ہے اور کتاب قلائد الجواہر و خیرات الحسان ابن حجر مکی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی ترجمہ مشکوٰۃ اور ملا جامی علیہ الرحمۃ نفحات الانس میں اور نیز دیگر کتاب معتبرہ میں لکھا ہے کہ انبیاء و اولیاء و شہداء زندہ ہیں اور ان سے استمداد و استعانت و استغاثہ کرنا جائز ہے اور تفسیر حسینی روحی مجددی و روح البیان وغیرہ میں لکھا ہے کہ اولیاء و انبیاء و صلحاء قبروں میں حیات ہیں اور ان کے اجسام کو خاک نہیں کھاتی نماز ادا کرتے روزہ رکھتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور دنیا کے تمام امور انہی پر مفوض ہیں اور متوسلین کی حاجات ادا کرتے ہیں اور زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں چنانچہ تاریخ مدینہ جذب القلوب بروایت سعید بن مسیب تابعی سے ہے کہ جب یزید کے سپہ سالار نے مدینہ طیبہ کو ویران کیا تو اس وقت تین یوم آذان مسجد نبوی میں نہیں ہوئی، لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک سے پانچوں وقتوں کی آذان و اقامت کی آواز سنائی دیتی اور حضور کے پیچھے تین روز تک تکبیر تحریمہ سے نماز پڑھتا رہا اور تاریخ ابن عساکر میں منہال ابن عمر سے روایت ہے کہ جب امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک دمشق میں لایا گیا تو ایک شخص نے تلاوت قرآن مجید میں یہ آیت بآواز بلند پڑھی:

﴿ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من ایتنا عجبا﴾

تو سر مبارک سے فصیح آواز آئی: "اعجب من اصحاب الکھف قتلی وحملی" یعنی میرا شہید ہونا اور اور اٹھایا جانا اصحاب کہف سے زیادہ عجیب ہے اور آیہ کریمہ ﴿ولا تحسبن الذین قتلوا﴾ سے ہر دو قسم کے شہید مراد ہیں اگرچہ بظاہر شہداء احد کے لئے نازل ہوئی ہے کہ مجاہد حقیقی انبیاء و اصحاب تابعین و تبع تابعین و اولیاء بزرگان دین ہیں اور ان کا مجاہدہ ہر ساعت اپنے نفس کے ساتھ رہتا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح جلد اوّل کتاب الایمان فصل ثانی بروایت فضالہ کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

"فالمجاھد من جاھد نفسہ فی طاعۃ اللہ"

---

۱ "قال رسول اللہ ﷺ اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا من اھل القبور" نقل از زاد اللبیب و خزانۃ الجلالی و ہدیۃ الحرمین ص ۵۰ و تبیین المحکم شرح مسند امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۱۲ یعنی فرمایا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ جب تم حیران ہو تم کاموں میں پس مدد چاہو تم اہل قبور سے" وقال حجۃ الاسلام امام محمد غزالی من یستمد فی حیوتہ یستمد بعد وفاتہ" اور نیز حاشیہ مشکوٰۃ باب زیارت القبور میں لکھا ہے" وقال احد من المشائخ العظام رایت اربعۃ من المشائخ یتصرفون فی قبورھم کتصرفھم فی حیاتھم منھم الشیخ المعروف الکرخی والشیخ عبدالقادر جیلانی الخ" خادم شریعت غفرلہ ۱۲

اور ایک روایت میں اس طور پر ہے کہ جب تم جہاد ظاہری سے فراغت پا چکو تو پھر اپنے نفسوں کے ساتھ جہاد کرو، کیونکہ یہ جہاد اکبر ہے اور کہا علامہ سیوطی نے کتاب شرح الصدور میں کہ ولی اللہ زندہ رہتے ہیں مرتے نہیں۔ بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف نقل فرماتے (۱) ہیں اور وہ یہ ہے:

" المراد من اهل الخلود اهل الايمان والولاية كما قيل ان اولياء الله لا يموت "

اور شرح برزخ صفحہ ۶۹ بروایت صفوان بن مسلم کہ فرمایا آپ نے کہ اے اہل ایمان تم فناء کے لئے نہیں پیدا کئے گئے بلکہ تم خلود ابدی کے واسطے پیدا کئے گئے ہو اور نقل کئے جاتے ہو ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف وہو ہذا:

" قال يا اهل الايمان انكم لم تخلقوا للفناء وانما خلقتم للابد والبقاء ولكنكم تنقلون من دارالى دار "

اور اس کے تحت میں لکھا ہے:

" ان المؤمن بالموت لايفنى حقيقةً بل هو حى بالحيوة الابدية وله مقام عندالله احسن ماكان له فى الدنيا فلا يبعد منه الشفاعة كما كانت له "

یعنی مومن کامل نہیں مرتا بلکہ وہ حیات ابدی سے زندہ ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے قرب سے رتبہ ملا ہے وہ اپنے بیٹوں کی شفاعت و امداد کرے گا اور ابی دینار بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ابن عمر میرے ساتھ ایک پرانے گورستان میں گئے اور ایک صاحب کا سر مبارک قبر سے نکلا ہوا دیکھا اور فرمایا کہ اس کو دفن کر دو اور فرمایا کہ ان کے وجود کو مٹی نہیں کھاتی:

" الابدان ليس يضرها هذا التراب شيئا "

اور در السنیہ میں..... نقل ترمذی بروایت ابی سعید خدری تحریر کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کو اس طور طوسل کا طریقہ تعلیم فرمایا کرتے تھے:

" اللهم انى اسئلك بحق السائلين عليك "

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کے لئے مسجد میں جاتے تھے۔ تو اس طور پر دعا مانگتے تھے:

" بسم الله امنت بالله وتوكلت على الله ولا حول ولا قوة الا بالله اللهم انى اسئلك بحق السائلين عليك وبحق مخرجى "

اور یہ حدیث ابن سنی نے باسناد صحیح حضرت بلال سے بیان کی ہے اور امام مالک سے اس طرح مذکور ہے کہ ایک روز منصور نے حج کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ مبارک کی زیارت سے مشرف ہو کر امام مالک سے پوچھا کہ میں

اب کس طرف متوجہ ہو کر دعا مانگوں، یعنی قبلہ کی طرف یا حضور کے روضہ مبارک کی طرف، تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے روضہ مبارک کی طرف کیونکہ وہ آپ کے اور آپ کے دادا حضرت آدم علیہ السلام تک وسیلہ ہیں۔

چنانچہ قرآن شریف میں وارد ہے، قولہ تعالیٰ:

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴾

اور بخاری شریف میں بروایت انس بن مالک سے اسی طرح مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل واستدعا بارش کے لئے بایں طور کرتے کہ استسقاء کے لئے جب باہر تشریف لے جاتے تو اس طرح کہتے: یا اللہ بوسیلہ اس چچا میرے کے تو بارش کر اور یہ ذکر مجالس الابرار میں ہے اور صاحب مواہب اللدنیہ نے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اے لوگو جب ہمارے سردار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس طرح کیا کرتے تھے تو ہم کیوں نہ کریں:

" اللھم انا کنا نتوسل بنبینا محمد ﷺ فتسقینا وانا نتوسل علیک بعم نبینا ﷺ فاسقنا "

اور کتاب الجواہر المنتظم مطبوعہ مصر صفحہ ۶۳ میں بروایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے کہ ایک شخص اعرابی بعد وفات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے مزار شریف پر یوں کہنے لگا کہ یا حبیب اللہ سنا میں نے ..... کہ آپ کی دعا مستجاب ہوتی ہے اور جو آپ کے پاس آئے تو آپ اس کے لئے بخشش کی دعا مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو اس بات کا حکم دیا ہے اور میں نہایت درجہ بدکار ہوں لہذا میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو، تو اسی وقت قبر سے آواز آئی تجھ کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے:

" وقد ظلمت نفسی وجھنک ان یستغفرلی الی ربی فنودی من القبر الشریف انه قد غفرلک "

اور اسی کتاب میں طبرانی سے حدیث مذکور ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ حضور آپ انتقال کے بعد ہم کو سلام کا جواب دیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں کیونکہ ہمارے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی۔

(بقلل از مشکوٰۃ کتاب حسنہ)

اور امام محدث حافظ ابوبکر بن ابی دینا ابوقلابہ سے بایں طور ذکر کرتے ہیں کہ میں ایک روز بصرہ سے شام کو جا رہا تھا، رات کو میں نے وضو کر کے دو رکعت نماز التحدق میں اتر کر پڑھی پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو رہا اور صبح کو صاحب قبر نے سامنے ہو کر مجھے کہہ دیا کہ افسوس ہے کہ تو نے مجھے رات کو آرام کرنے نہیں دیا اور حدیث صحیح میں ہے کہ نیک آدمی صاحب قبر کو برے

ہمایہ تکلیف ہوتی ہے اور تمام انبیاء و اولیاء و صلحاء زندہ ہیں چنانچہ قرآن مجید میں سورہ نحل میں ہے لقولہ تعالیٰ:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

یعنی جو کرے عمل اچھا مرد ہو یا عورت سے بشرطیکہ وہ ایماندار ہو ضرور ہم اس کو زندگی دیں گے پاک اور البتہ بدلہ دیں گے ہم ان کو ثواب ان کا ساتھ بہتر اس چیز کے کہ عمل کرتے تھے۔

مسئلہ: ایک وہابی کے اعتراض کا جواب دربارۂ استمداد غیر اللہ

اور اگر کوئی غیر مقلد اعتراض کرے کہ قرآن میں صاف صاف حکم ہے کہ سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی مدد نہیں دے سکتا جیسا کہ:

﴿ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴾

سے ثابت ہے اور حدیث میں ہے جو چیز مانگو اللہ تعالیٰ سے مانگو وہ خود دے گا اگر غیر سے مانگو یا اس کے سوا کسی نبی ولی کو متصرف مانو گے تو مشرک ہو جاؤ گے۔

اقول: یہ محض فرقہ وہابیہ نجدیہ کی سراسر جہالت و ناسمجھی کی بات ہے کیونکہ ہم بھی کہتے ہیں کہ حقیقۃً معاون و ناصر و ولی خداوند کریم کی ذات پاک ہے، ہاں اگر کوئی مسلمان مستقل متصرف امور میں کسی غیر کو سمجھے تو بے شک و شبہ شرک سے خالی نہیں۔ ہاں اگر مطلق کسی کو ولی یا معاون یا ناصر سمجھے تو مشرک نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایسا شرک تو قرآن پاک سے کئی جگہ ثابت ہے لقولہ تعالیٰ:

﴿ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ مَا اَتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ﴾ ولقولہ ﴿ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ ﴾

یعنی انعام کیا اللہ نے اس پر اور انعام کیا تو نے اے نبی کریم۔ ولقولہ تعالیٰ:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ولقولہ تعالیٰ ﴿ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾

یعنی آپ پاک کرتے ہیں انہیں گناہوں سے۔ ولقولہ تعالیٰ:

﴿ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾

اللہ ہے مددگار تمہارا اور اس کا رسول اور ایمان والے۔

اور حدیث میں دیکھو:

"ما (۱) اغناه الله و رسوله رواه البخاری عن ابی هریرة"

یعنی ابن جمیل کو غنی کر دیا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے۔ وایضاً:

"فان الله هو مولاه و جبرائیل و صالح المؤمنین"

---

۱ یہ آیت امام بخاری نے اپنی حدیث میں بیان کی ہے۔۱۲

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ہے اپنے نبی کا مددگار اور جبرائیل اور نیک مسلمان اور حدیث صحیح میں ہے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میں خزانہ دیا گیا ہوں اور تقسیم کرتا ہوں اور پہنچاتا ہوں ہر ایک کو حصہ اس کا جو لکھا گیا ہے اس کے لئے اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں

"اللہ یعطی وانا قاسم وکان یوصل علی کل احد نصیبہ الذی کتب لہ انہ اعطی مفاتیح الذائن"

اور شرح دلائل الخیرات میں صاحب معیار نے اس طرح لکھا ہے کہ جو کچھ اسباب دنیا وغیرہ کا ملتا ہے یہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ مبارک (۱) سے ہم کو ملتا ہے اور انہی کے دست مبارک میں تمام خزانوں کی کنجیاں ہیں اور ترمذی و حاکم نے انس سے اس طرح ذکر کیا ہے:

"الابدال فی امتی ثلثون بهم تقوم الارض وبهم تمطرون وبهم تنصرون رواہ الطبرانی فی الکبیر"

۱: کتاب جواہر المنظم مصری صفحہ ۵۲، مواہب اللدنیہ جلد اول صفحہ ۴۰۰ میں لکھا ہے کہ تمام خزانے مال و دولت وعلم اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے ہاتھ دے دیے ہیں جن کو چاہیں آپ دیں اور جن کو چاہیں نہ دیں اور آپ کے ہاتھ میں تمام خزانوں کی کنجیاں ہیں۔" انہ خلیفۃ اللہ الاعظم الذی جعل خزائن کرامہ و موائد نعمہ طلوع یدیہ وتحت ارادتہ یعطی منها من یشاء، ویمنع منها من یشاء العالم بالصواب هو الله" از جواہر المنظم اور کتاب بخاری شریف جلد اول کتاب الجنائز باب صلوٰۃ النبی قبل از باب دفن رجلین و مسلم و نووی میں حدیث شریف کے یہ الفاظ ہیں:

"وانی والله لانظر الی حوضی الآن وانی اعطیت مفاتیح خزائن الارض ..... الحدیث"

باقی ذکر مقدمہ میں ملاحظہ کریں۔ خادم شریعت عفی عنہ۔

۲: ہم اہل سنت و جماعت کے لئے آپ کی ذات کے حاضر و ناظر ہونے کے لئے یہ دلائل کافی ہیں:

"عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ قد رفع لی الدنیا وانا انظر الیها وهو کائن فیها الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی هذا"

(نقل از مواہب اللدنیہ جلد صفحہ ۱۹۲ مطبوعہ مصر)

اور اسی جلد کے ۳۸۷ میں نیز یہ الفاظ طور لکھا ہے کہ:

"اذ لا فرق بین مولدہ وحیاتہ لامتہ ومعرفتہ باحوالهم نیاتهم وخواطرهم وعزائمهم الخ"

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی تفسیر جلد اول پارہ دوم تحت آیت "ویکون الرسول علیکم شهیدا" کے لکھتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے افعال و اقوال و سکنات کو ہمیشہ ملاحظہ فرماتے ہیں اور ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ذات کا ہر جگہ تصرف ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب تنویر الملک صفحہ ۸۲ میں لکھتے ہیں۔

یعنی میری امت میں تیس ابدال ہیں اور انہی کی برکت سے مینہ برسائے جاتے ہیں اور انہی کی برکت سے قحط دور کیے جاتے ہو اور انبیاء و اولیاء و صلحا کو ہر لحظہ میں حاضر و ناظر تصور کیا جائے کیونکہ ہر وقت حاضر و ناظر ہونا خدا وند کریم کی ذات پاک کا خاصہ ہے اور انبیاء و اولیاء حاضر بحکم (۲) خداوند کریم ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کو بندش نہیں، جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں "کما مر" اور کتاب فقہ مثل درمختار و نہر الفائق شرح کنز الدقائق و مراقی الفلاح شرح نور الایضاح و شامی و امام مفرزادی کتاب احیاء العلوم وغیرہ میں اس طرح لکھا ہے بوقت تشہد "السلام علیک ایھا النبی" پڑھنے کے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات بابرکات کو حاضر سمجھا جائے اور کچھ کو حکایت کے طور پر ہرگز نہ پڑھا جائے۔

" وقیل ذلک ایھا النبی احضر شخصہ الکریم فی قلبک وبصدق الملک فی انہ یبلغہ ویرد علیک ما ھو ادنی منہ ایضاً ویقصد بالفاظ تشہد معانیھا مرادۃ لہ علی وجہ الانشاء کانہ یحی اللہ تعالی وسلم علی نبیہ وعلی نفسہ واولیاءہ لا الاخبار عن ذلک وفی الشامیۃ لایقصد الاخبار والحکایۃ عما وقع فی المعراج منہ "

اور قرآن مجید میں صاف صاف حکم ہے کہ جو زبان سے لفظ صادر ہوں دل میں بھی ویسا ہی اعتقاد ہو تب مومن صادق ہوتا ہے بقولہ تعالی:

﴿ یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِھِمْ مَّالَیْسَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ ﴾

اور معیار میں ہے:

" ان الرجل لایکون مؤمناً حتی یکون قلبہ مع لسانہ مع قلبہ اوّلا "

اور ترمذی میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کہ میں ہر مسلمان کی قبر میں حاضر ہوتا ہوں اور میت کو فرشتے بٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ یہ شخص کون ہے اور اس کے حق میں تو کیا کہتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ یہ بندہ اللہ تعالی کا بھیجا ہوا ہے اور کلمہ پڑھ کر سنا دیتا ہے اور الفاظ حدیث کے یہ ہیں:

" فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجل فیقول ھو عبداللہ ورسولہ واشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ فقط "

کہ آپ کی ذات جسم اطہر کے ساتھ اب تک حیات ہیں اور صاحب تصرف ہیں اور آسمان و زمین کی سیر کرتے ہیں اور اس سے کچھ رائی بھر بھی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔

" ان النبی ﷺ حیّ بجسدہ و روحہ وانہ یتصرف ویسیر حیث یشاء فی اقطار الارض وفی الملکوت وبھیئۃ التی کان علیھا قبل وفاتہ ولم یبدل منہ شیٔ الخ "

باقی ذکر مفصل جلد ۱۱ میں ملاحظہ کریں (خادم شریعت عفی عنہ)

تحقیق وما اهل به لغیر الله

مسئلہ: اگر کوئی شخص مرغی یا گائے یا کسی اور جانور کی اضافت (نسبت) طرف نبی یا ولی کے کرے، چنانچہ بکرا عید الضحیٰ کا، یا مرغی شاہ مدار صاحب کی۔ پھر اس جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کرے کھانا یا گیارہویں بیرہویں ان کے نام کی دینی اور میلاد مبارک کرنا اور اس میں تعظیماً قیام کرنا اور طعام اور اشیاء کو روبرو رکھ کر اس پر سورت پڑھ کر فاتحہ دینا یہ تمام افعال جائز ہیں یا بدعت؟

جواب: یہ تمام افعال جائز ہیں اور مسئلہ حلت وحرمت ذبیحہ میں حال وقول نیت ذابح کا اعتبار ہے۔ نہ مالک کا مثلاً اگر مجوسی یا مشرک نے نیت بتوں کی کسی مسلمان سے بکری ذبح کرائی اور مسلمان نے تکبیر کہہ کر ذبح کی تو اس کا گوشت کھانا بے شک جائز ہے۔ اگرچہ مسلمان کے حق میں یہ بات نہایت مکروہ ہے۔ چنانچہ کتاب سبیل الاصفیاء فی حکم الذبح لاولیاء وفتاویٰ عالمگیری وتاتارخانیہ وجامع الفتاویٰ میں ہے:

"مسلم ذبح شاة المجوسی لبیت نارهم او الکافر لالهتهم توکل لانه سمی الله تعالیٰ ویکره للمسلم"

اور درالمختار میں ہے:

"اعلم ان المراد علی قصد عند ابتداء الذبح"

اور یہ بات ہر عاقل جانتا ہے کہ تمام افعال میں اصل نیت مکارنہ سے اور اضافت بمعنی کبھی عبادت آتے ہی نہیں۔ جیسے کہ فرقہ ظاہریہ غیر مقلد لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ جس شے میں غیر خدا کا نام آجائے اور اس پر اس کا نام مشہور ہو جائے تو وہ حرام ہے۔ بریں عقل ودانش بباید گریست۔ حضرات ان اضافتوں سے حرام کیا بلکہ کراہت بھی نہیں آتی چنانچہ نماز ظہر کی، نماز جنازہ کی، نماز مسافر کی نماز، مقتدی کی، نماز بیمار کی، پیر کا روزہ، زکوٰۃ اونٹ کی، کعبہ کا حج، داؤد کا روزہ، والدین کی نماز، مہمان کی روٹی اور ولی کا بکرا کہنے سے غیر مقلدین صاحبان کو کیا زہر چڑھ گیا، جواب دو اور صاحب درمختار نے لکھا ہے:

"ولو ذبح للضیف لا یحرم لانه سنة الخلیل واکرام الضیف اکرام الله تعالیٰ"

اور حدیث میں ہے:

"من ذبح لضیفه ذبیحة کانت فداه من النار"

(رواه الحاکم)

یعنی جو مہمان کے لئے ذبح کرے وہ ذبیحہ اس کا فدیہ ہو جائے گا آتش دوزخ سے۔ اور درالمختار میں بزازیہ سے لکھا ہے کہ جو مطلقاً نیت نسبت وغیرہ کو موجب جانے اور ﴿ وما اهل به لغیر الله ﴾ میں تصور کرے تو اس کی جہالت ونادانی ہے:

"ومن ظن انه لا يحل لانه ذبح لاكرام ابن ادم فيكون وما اهل به لغير الله تعالى فقط هذا لفظ القرآن والحديث والعقل سبحان الله"

جب نفع دینے میں مخل نہ ہوئی تو فاتحہ ایصال ثواب میں کیا زہر مل گیا اور وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے معنی یہ ہیں کہ بوقت ذبح اگر غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو بے شک حرام ہے۔ چنانچہ تفسیر حسینی میں لکھا ہے کہ:

"وَ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ وحرام كرد آنچه آواز دارند بآن دروقت ذبح بغير الله برائے غير تعالىٰ بنام بتاں يا باسم پيغمبراں بكشند" اور صاحب تفسیر بیضاوی، تفسیر کشاف، مدارک و جامع البیان و تفسیر درمنثور، وصاحب تفسیر احمدی وغیرہ نے بھی یہی معنی لکھے ہیں:

"اى رفع بالصوت عند الذبح الغنم فيه ان البقرة المنذورة للاولياء كما هو الرسم فى زماننا حلال طيب لانه لم يذكر اسم غير الله عليها وقت الذبح وان كانوا ينذرونها له"

اور صاحب معالم التنزیل نے اس طرح لکھا ہے:

"وما اهل به لغير الله اى ما ذبح للاصنام و اطواغية"

اور صاحب روئی نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ جو تفسیر عزیزی میں لکھا ہے کہ اگر کسی بکری کو غیر کے نام سے مشہور کیا گیا ہو پھر اس کو اسم اللہ سے ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہوگی، اس کا کھانا جائز نہیں کیونکہ غیر کی تاثیر اس میں آجاتی ہے، یہ عبارت کسی دشمن دین نے ملادی ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو تفسیر فوز الکبیر کا مطالعہ کرے۔

مسئلہ: ذکر ثبوت میلاد شریف

اور میلاد پاک و فاتحہ خوانی نزدیک علمائے اہل سنت والجماعت کار خیر ہے۔ چنانچہ رسالہ تنویر فی مولد البشیر مؤلفہ علامہ جلال الدین سیوطی ابن عباس سے اس طور پر حدیث بیان کرتے ہیں:

" انه كان يحدث فى بيته وقائع ولادته ﷺ بقوم فيستبشرون ويحمدون عليه الصلوٰة فاذاجاء النبى ﷺ قال حلت شفاعتى"

یعنی ایک روز حضرت ابن عباس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کا حال واقعہ روبرو ایک کے ظاہر کر رہے تھے اور حاضرین مجلس خوش ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف کرتے تھے۔ اسی حال میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئے اور فرمایا حلال ہوئی شفاعت میری واسطے تمہارے اور اسی کتاب میں ابی درداء سے یوں ذکر ہے کہ بروز سوموار مع رسول اللہ ﷺ کے عامر انصاری کے گھر گئے اور عامر انصار اپنی اولاد حاضرین مجلس کو میلاد ﷺ کے بارے میں ترغیب دے رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ایسی مجلس میں رحمت خدا نازل ہوتی ہے اور فرشتے ایسی مجلس کرنے والوں کے لئے مغفرت کی دعا

مانگتے ہیں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا میلاد مبارک کرنا اور اس میں خوشبو چراغ روشن کرنے اور حضور کی تعظیم کی خاطر میلاد کے اختتام پر کھڑے ہو جانا جائز بلکہ اجلاس قرآن مجید و احادیث شریف و میلاد مبارک میں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوتے ہیں چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نویں صدی کے مجدد شرح الصدور میں بایں طور لکھتے ہیں:

" فقد اخبرنی الثقاۃ من اھل الصلاح انہ شاھدہ ﷺ مراراً عند قراۃ المولود الشریف و عند ختم رمضان بعض الاحادیث"

اور شرح برزخ صفحہ ۲۹۹ بحوالہ رسالہ ابلغ الکلام ہے کہ مجلس میلاد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک حاضر ہوتی ہے اس وقت قیام کرنا ضروری اور واجب ہے:

" یحضرہ روحانیۃ ﷺ فعند ذلک یحب التعظیم والقیام "

اور ابوزید علیہ الرحمۃ کے مولود شریف میں مذکور ہے کہ:

" عند ذکر ولادتہ ﷺ القیام واجب لما انہ تحضر روحانیتہ ﷺ "

اور ایسا ہی امام شعرانی کتاب الانوار القدسیہ میں لکھتے ہیں۔

مسئلہ: مشکوٰۃ باب المعجزات میں لکھا ہے کہ غزوہ تبوک میں صحابہ کو بھوک شدید ہوئی تو کہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ یا حضرت ہم لوگوں کا بچا ہوا توشہ منگوالیں پھر ان پر دعا مانگیں تاکہ اس میں برکت ہو۔ فرمایا حضور انور ﷺ نے کہا کہ اچھا پھر دسترخوان چمڑے کا منگوا کر اس پر بچا ہوا توشہ لوگوں کا جو کہ صرف ایک ٹکڑا روٹی اور مٹھی بھر چینا اور ایک مٹھی کھجوروں کی رکھ دی۔ پھر اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا مانگی اور اس کھانے میں اس قدر برکت ہوگئی کہ تمام لشکر نے

نوٹ: فتاویٰ عزیزی صفحہ ۱۳۰، ۱۷۰، ۱۷۱ و فتاویٰ عبدالحی جلد سوم و صراط مستقیم اسماعیل وہابی نے لکھا ہے کہ فاتحہ دینا طعام و شرینی پر مستحسن ہے اور جائز ہے۔ خادم شریعت عفی عنہ ۱۲

۱: کتاب شرح برزخ واقعی کتب احادیث میں سے ہے اور بستان المحدثین میں شاہ صاحب ایک سو نو کتابیں علم حدیث کی شمار فرماتے ہیں لیکن فرقہ وہابیہ نجدیہ غیر مقلدین کا پیشوا صدیق حسن صاحب ایک ہزار سے زائد کتابیں احادیث کی شمار کرتے ہیں اور کتاب اتحاف النبلا صفحہ ۹۵ میں بہ نسبت کتاب شرح برزخ مخلصانہ عبارت مرقوم ہے کہ " شرح برزخ از کتب حدیث است اوش بدانموت است و جملہ ابواب او ہفتاد و یک ابواب است ہمہ متعلق باحوال موتی و برزخ و روے بعد ذکر حدیث شرح میکند الخ " اور صاحب کشف الظنون تو بہت کتب حدیث بیان کرتا ہے اور کتاب شرح برزخ کا مؤلف امام سعید سلمی حنفی رحمۃ اللہ علیہ بے فقہ۔

خادم شریعت۔

برتن اپنے اپنے پر کرلئے اور یہ حدیث شریف مسلم نے باب الایمان میں اور طریق پر بھی مروی ہے اور کتاب شرح برزخ صفحہ ۱۰۱ میں لکھا(۱) ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم فوت ہوئے تو ابوذر رضی اللہ عنہ نے چند کھجور خشک کے دانے اور دودھ جس میں جوکی روٹی بھیگی ہوئی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں لاکر رکھ دیے اور آپ نے اس پر سورۂ فاتحہ اور تین دفعہ قل شریف پڑھ کر دونوں ہاتھ مبارک اٹھا کر دعا مانگی اور ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اس کو مجلس میں تقسیم کردے اور وہ حدیث مبارک یہ ہے:

" وكان يوم الثالث من وفات ابراهيم ابن محمد ﷺ جاء ابوذر عند النبي بمعرقة يابسة ولبن فيه خبزٌ من شعير فوضعها عند النبي فقرأ رسول الله ﷺ الفاتحة وسورة الاخلاص ثلث مراتٍ الى ان قال رفع يديه للدعاء ومسح بوجهه فامر رسول الله ﷺ اباذر ان يقسمها بين الناس وايضاً فيه قال النبي ﷺ وهبت ثواب هذه لابي ابراهيم "

اور ایسا ہی فتاویٰ اوزجندی(۱) و کتاب شرح برزخ صفحہ ۳۳۹ میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن مسعود اور ابن ابی دینار نے انس سے روایت کی ہے کہ رسول خدا ﷺ کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دیتے اور اس کا ثواب میت کو پہنچاتے اور امام ناجی نے صدیقہ ندیہ میں لکھا ہے کہ روبرو فاتحہ دینا اور اس کو متناول کرنا مستحب ہے کیونکہ کھانا یا میوہ یا اور کوئی شے ما کولہ کو رکھ کر حضرت ﷺ کے زمانہ سے لے کر اب تک مسلمانوں کا اس پر عمل چلا آتا ہے۔ کہ کتاب در تعظیم فی فضائل القرآن العظیم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وامام نووی اذکار میں اس طرح لکھتے ہیں:

" روينا عن كتاب السنى عن عبدالله بن عمرو ابن العاص رضى الله تعالى عنه عن النبي ﷺ انه الناركان يقول على الطعام اذا قرب عليه اللهم بارك لنا فيما رزقتنا وقنا عذاب لا بصره ذلك "

اور کتاب مسامرۃ الفوائد میں بایں طور حدیث وارد ہے:

" قال النبي ﷺ من قال عند اكل الطعام اللهم بارك لنا ما رزقتنا وقنا عذاب النار لم يصره ذلك وبورك له فيه "

الغرض روبرو طعام رکھ کر اس پر کوئی سورت پڑھنے کی ممانعت کسی حدیث سے نہیں پائی جاتی۔

(۱) اوزجندی کتاب، واقعی حضرت مولانا محمد بن عبدالعزیز شمس الائمہ کی ہے اور حضرت قمیذان حضرت شمس الائمہ کرخی علیہ الرحمۃ میں سے تھے اور حضرت اوزجندی چھٹی صدی کے امام تھے چنانچہ کتاب صدیق الحنفیہ صفحہ ۳۳۹ میں مسطور ہے اور فتاویٰ جامع الفوائد صفحہ ۲۲۷ و صفحہ ۲۵۱ حوالہ جواہر خلاطی وفتاویٰ زبدہ و محیط سے اپنا دعویٰ ثابت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ فتاویٰ اوزجندی بے شک فتاویٰ ہے لیکن اس سے ثابت نہ ہوا کہ مولوی عبدالحی وغیرہ کا یہ لکھنا کہ یہ فتاویٰ اوزجندی کوئی کتاب نہیں محض غلط اور کم فہمی پر دال ہے اور جو صاحب نے لکھا ہے قال ملا علی قاری فی الاوزجندی یہ محض کاتب کا سہو ہے۔ فقیر کے نزدیک یوں ہونا چاہئے تھا "قال محمد بن عبدالعزیز فی فتاوی اوزجندی"۔ فقط العلم عند اللہ خادم شریعت غفی عنہ

مسئلہ: ثبوت گیارہویں شریف اور گیارہویں پیران پیر کی کرنی جائز ہے

چنانچہ کتاب ماثبت بالسنہ صفحہ ۱۲۷ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے

" هو الذی ادرکنا علیه سیدنا الشیخ الامام العارف الکامل الشیخ عبدالوهاب القادری المتقی المکی فانه قدس سره کان یحافظ فی یوم عرسه هذا التاریخ الخ وقد اشتهر فی دیارنا هذا الیوم الحادی عشر وهو المتعارف عند مشائخنا من اهل الهند من اولاده "

یعنی وہ تاریخ ہے جس پر ہم نے اپنے پیشوا مقتداء خدا شناس شیخ کامل عبدالوہاب قادری پرہیز گار مکے والے کو پایا ہے یہ بزرگ اسی تاریخ کو نگاہ رکھتا تھا، یا تو اسی روایت کے اعتماد پر یا اس سبب سے کہ اپنے پیر شیخ کبیر علی متقی کو دیکھا ہو اور ہمارے ملک میں آج کل گیارہویں تاریخ مشہور ہو ہی ہے اور یہی متعارف نزدیک ہمارے مشائخ ہند کے اور اولاد ان کی کے ہوئی اور یہ سنت بزرگان دین متاخرین سے ظاہر ہوئی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب.

مسئلہ: ناخن بوقت اذان چوم کر آنکھوں پر رکھنا

سوال: آذان میں بوقت سننے کلمہ " اشهد ان محمداً رسول الله " کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھنا جائز ہے یا نہیں اور جنازہ کے ساتھ کلمہ شہادت و درود شریف وغیرہ ذکر خیر بلند اور جنازہ کے آگے نعتیں پڑھتے جانا کیسا ہے؟

جواب: بے شک نزدیک اہل سنت والجماعت کے ناخنوں کو چومنا ایسے موقع میں سنت ہے۔ چنانچہ شرح برزخ بحوالہ فتاوی مضمرات و حاشیہ درالمختار و کتاب الاذکار المنتخب الابرار و بروایت دیلمی فی الفردوس حدیث مذکور ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مؤذن سے کلمہ " اشهد ان محمداً رسول الله " سنا، تو دونوں نر انگشت کو چوم کر آنکھوں پر ملا اور فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو شخص میرے پیارے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح کرے گا، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی اور یہ حدیث حسن لغیرہ ہے اور محدثین کے نزدیک حدیث ضعیف بھی فضائل اعمال و ترہیب و ترغیب میں معتبر ہوا کرتی ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

" ذکر الدیلمی فی الفردوس من حدیث ابی بکر الصدیق رضی الله عنه انه لما سمع قول المؤذن اشهد ان محمداً رسول الله قال هذا اشهد ان محمداً عبده ورسوله رضیت بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد ﷺ نبیاً وقبل باطن الانملتین السابتین و مسح عینه فقال قال رسول الله ﷺ من فعل مثل فعل خلیلی فقد حلت علیه شفاعتی فقط "

اور جنازہ کے ساتھ کلمہ شہادت و درود شریف وغیرہ کا ذکر جہر کرنا باتفاق حنفیہ و شافعیہ جائز بلا کراہت ہے۔ چنانچہ فتاوی حیدریہ بحوالہ کتاب وسیلۃ النجات صفحہ ۲۵۶ میں حدیث بروایت ابن عمر بایں طور مذکور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

جنازہ کے پیچھے چلتے ہوئے ہمیشہ ذکر کیا کرتے تھے وہو ہذا:

"روی ابن ابی شیبة عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما لم یکن یسمع من رسول ﷺ وهو یمشی خلف الجنازة الا قول لا اله الا الله"

اور جامع الصغیر من احادیث البشیر امام جلال الدین وعلامہ دیلمی اپنی مسند میں بروایت انس لکھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنازہ کے ہمراہ کثرت سے کلمہ طیب کا حکم فرمایا کرتے تھے:

"اکثروا فی الجنازة قوله لا الا الا الله"

اور طریقہ محمدیہ شرح محمدیہ وامام شعرانی عہود المحمدیہ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے کہ جنازہ کے آگے اور پیچھے آواز بلند ذکر کرنا جائز ہے اور اس سے میت و دیگر اموات کی تلقین ہوتی ہے اور غافلوں کے دل اس کی برکت سے روشن ہو جاتے ہیں اور ان کے دل سے غفلت دور ہو جاتی ہے اور اس سے انکار محض جہالت۔

"لکن بعض المشائخ روی ذکر الجهری ورفع الصوت بالتعظیم بغیر تغیر بادخال حرف فی الحلالة قدام الجنازة وخلفها التلقین المیت والاموات والاحیاء"

اور قرآن مجید سورۂ رعد میں ہے کہ ذکر الٰہی سے مومنوں کے دل آرام پکڑتے ہیں:

"قال الله تعالی ﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾"

اور ثر ابطی فی کتاب القبور میں لکھا ہے کہ تمام اصحاب انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی یہی عادت تھی کہ جنازہ کے ساتھ سورۂ بقرہ پڑھا کرتے تھے:

"قال سنة فی الانصار اذا حملوا المیت ان یقرؤا معها سورة البقرة ویقول الفقیر فیه دلیل علی سنیة الذکر عند حمل الجنازة لان الذکر من القرآن ..... الخ"

اور جو بعض علماء نے ذکر جہر کو جنازہ کے ساتھ مکروہ لکھا ہے وہ باعتبار زمانہ سلف کے ہے اور مکروہ سے مکروہ تنزیہ مراد ہے نہ تحریمہ اور نہ اس کے منع کرنے پر کوئی حدیث وارد ہے۔

مسئلہ: اشارات انگشت تشہد میں

سوال: نماز میں انگشت شہادت (۱) سے اشارہ کرنا بوقت "اشهد ان لا اله الا الله" کیسا ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہے۔ بعض نے جائز کہا بعض نے ناجائز اور جو حدیثیں اس کے جواز پر آئی

(۱) شرح وقایہ میں جو جاء علماءنا کا لفظ وارد ہے اس سے مراد صاحب اور ان کے شاگرد نہیں، مؤلف کے گروہ نواح کے علماء مراد ہیں۔ ابو المنظور عفی عنہ۔

اور روایت ہے حضرت علی و عمر رضی اللہ عنہما سے کہ رمضان میں بیس رکعتیں ہیں اور یہی قول ہے سفیان ثوری و ابن مبارک کا اور کہا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے:

"ھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ"

یعنی میں نے شہر مکہ والوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے دیکھا اور علامہ عینی شرح بخاری نے جمہور علماء بیس رکعت تراویح پڑھنے پر قائم کیا ہے:

"وقال بن عبدالبر وھو قول الجمھور والعلماء"

اور امام بیہقی نے بایں طور حدیث بیان کی ہے:

"عن ابن عباس ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان بغیر جماعۃ عشرین رکعۃ"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان میں بیس رکعت بغیر جماعت پڑھتے تھے اور امام سیوطی نے اپنے مجموعہ میں لکھا ہے کہ بیس رکعت کا پڑھنا بہت بہتر ہے و سنن البیہقی وغیرہ باسناد صحیح:

"عن یزید الصحابی قال کان یقومون علی عھد عمربن الخطاب فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ وفی عھد عثمان وعلی مثلہ"

مجموعہ امام سیوطی صفحہ ۳۲ میں یعنی خلافت اصحاب ثلاثہ میں بیس رکعت تراویح لوگ پڑھتے تھے اور یہی سنت ہے خلفاء الراشدین کی جن کی اتباع کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بایں طور حکم فرمایا ہے:

"اتبعوا من بعدی ابی بکر وعمر"

اور جو شخص اتباع سنت خلفاء الراشدین کا منکر ہے وہ دراصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کا منکر ہے اور وہ ناری ہے اور جو حدیث عائشہ صدیقہ سے مسلم و بخاری میں بایں طور مروی ہے:

"سئلت علیٰ قیام رسول اللہ ﷺ فی رمضان فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علیٰ احدیٰ عشر رکعۃ الخ"

یعنی سائل نے مائی صاحب سے پوچھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان میں کس قدر قیام کرتے تھے۔ کہا مائی صاحبہ نے کہ رمضان ہو یا غیر ہو آپ کی ذات گیارہ رکعت ادا کرتے تھے۔ صاحبان ذرا غور سے دیکھو کہ اس حدیث میں کہیں تراویح کا نام ہے ہرگز نہیں تو مراد آٹھ رکعت نماز تہجد اور تین رکعت نماز وتر ہیں اور علاوہ اس کے صحاح ستہ میں اس حدیث کے خلاف کئی احادیث ہیں چنانچہ مسلم و بخاری و مشکوٰۃ میں ابن عباس سے روایت ہے:

"صلوتہ ثلث عشر رکعۃ"

یعنی آپ نے تیرہ رکعت سے قیام تمام کیا اور سات اور نو رکعت سے بھی آپ قیام فرمایا کرتے تھے اب غیر مقلدین فرمائیں کہ بائی صاحب کا کہنا:

"ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ"

کہاں تک بنا اس کی صحیح تراویح پر تصور کی جائے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے رسالہ تراویح میں اس کی یوں تبیر کرتے ہیں:

که آں روایت محمول برنماز تہجد است که در رمضان وغیر رمضان یکساں بود وروایات زیادت محمول برنماز تراویح است که در عرف آنوقت بقیام رمضان مسمی بود که آنحضرت ﷺ فرموده "من قام رمضان" الحدیث الخ" فقط

تصورِ شیخ

مسئلہ:

سوال: تصور کس کو کہتے ہیں اور کس لئے کیا جاتا ہے اور تصورِ شیخ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: تصور اس چیز کو کہتے ہیں جو ذہن میں پیدا ہو کر سامنے آتی ہے اور اس کی پہچان سے دوسری چیز کا علم بھی حاصل ہو اور تصورِ شیخ صوفیائے کرام اس لئے کراتے ہیں تا کہ طالب المولیٰ اس کے ذریعہ سے افعال قبیحہ وذمیمہ اور شیطان کے مکر وفریب سے ہر ساعت وہر لحظہ بچتا رہے اور یہ بات بھی تجربہ سے معلوم ہو چکی ہے کہ جب کوئی شخص کسی کا تصور آنکھ میں بزیلتا ہے، تو اس تصور بصری کے اثر سے اس چیز کا عامل ہو جاتا ہے اور قوت جاذبہ بھی بڑھ جاتی ہے جس کے ذریعہ سے رابطہ قلب ومطلوب کا مضبوط ہو جاتا ہے اور ان کے درمیان کشش محبت مقناطیسی ایسی ظاہر ہوتی ہے کہ ایک دوسرے کی جان ہو جاتے ہیں۔ اس کا ثبوت متواتر صوفیائے کرام سے لگاتار چلا آتا ہے چنانچہ فتاویٰ مولوی عبدالحی جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ بحوالہ کتاب قول جمیل تصنیف شاہ ولی اللہ اور کتاب شفاء العلیل مولوی احمد رضا خاں صاحب مجدد مائہ حاضرہ نے بایں طور نقل کی ہے:

"جب مرشد اس کے پاس نہ ہو تو اس کی صحبت فائدہ دیتی ہے" الخ۔

اور جو اشیاء ونشانات خداوند کریم نے درمیان آسمان وزمین کے ظاہر کئے ہیں ان میں تفکر وتدبر کرنا ہر ایک انسان کو ضروری ہے، کیونکہ اسی تفکر وتدبر کرنے سے دل مطمئن ہو جاتا ہے، لہذا تصورِ شیخ میں بھی کوئی گناہ نہیں اور ہمارے فاضلان قادری سروری تو تصور اسم ذات کے قائل ہیں اور اپنے پیشوا کے افعال وفضائل وسیر اپنے دل میں نقش کرتے ہیں اور یہ افعال اپنے وجود میں لا کر فنافی الشیخ کے مرتبہ کو طے کرتے ہوئے بذریعہ تصور اسم ذات فنافی اللہ ہو کر مراتب بقاباللہ پر پہنچتے ہیں بقولہ تعالیٰ:

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ﴾ ایضاً ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ ﴾ فقط.

دربارہ سنتہائے صبح

مسئلہ:

سوال: سنتیں صبح کی بوقت اقامت نماز یا قبل از طلوع آفتاب پڑھنی جائز ہیں یا نہ؟

جواب: بے شک بجماعت سے علیحدہ ہو کر پڑھنا جائز ہے اور اگر کسی وجہ سے رہ جائیں تو طلوع آفتاب کے بعد ادا کر لیں، چنانچہ طحاوی و نصر قا المجتہدین صفحہ ۶۲ میں حدیث مذکور ہے:

" دخلت فی صلوۃ الغداۃ مع ابن عمر وابن عباس والامام یصلی فاما ابن عمر فدخل فی الصف واما ابن عباس فصلی رکعتین ثم دخل مع الامام فلما سلم الامام قعد ابن عمر حتی طلعت الشمس فرکع رکعتین الخ وعن علی کان النبی ﷺ یصلی رکعتین عند الاقامۃ "

یعنی کہا حضرت علی نے کہ آپ کی ذات بابرکات ﷺ بوقت اقامت دو رکعت ادا کر لیا کرتے تھے اور ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ کی ذات ﷺ میمونہ کے گھر میں دو رکعت نماز سنت بوقت اقامت پڑھ لیا کرتے تھے۔

(نظام الدین)

شرح بخاری بروایت ابوہریرہ یاں طور حدیث ترمذی میں مذکور ہے:

" قال قال رسول اللہ ﷺ من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلھا بعد ما تطلع الشمس "

یعنی فرمایا حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کہ جس نے نہ پڑھی ہوں سنتیں فجر کی پس پڑھے ان کو بعد طلوع آفتاب کے اور بخاری و مسلم میں بروایت ابوسعید خدری حدیث مذکور ہے کہ بعد صبح قبل از طلوع آفتاب کوئی نماز نہ پڑھی جائے:

" لاصلوۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس "

اور جو غیر مقلد حدیث قبل از طلوع پیش کرتے ہیں بالکل ضعیف ہے۔

(نظام الدین)

باقی حال جلد ۵ میں مذکور ہے:

مسئلہ: وتر تین رکعتیں ہیں

سوال: وتر میں تین رکعتیں ہیں یا ایک؟

جواب: تین رکعت وتر ہیں چنانچہ مستدرک حاکم و سنن نسائی و موطا امام محمد و آثار امام محمد میں بہت احادیث وارد ہیں

" علمنا اصحاب محمد ﷺ ان الوتر مثل صلوۃ المغرب وھذا وتر النھار "

یعنی کہا اصحاب نے کہ تعلیم دی وتروں کی مثل نماز مغرب کے اور کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے:

" کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلاث لا یسلم الا فی اخرھن "

یعنی آپ کی ذات تین وتر پڑھتے تھے اور نہیں سلام پھیرتے تھے مگر تیسری رکعت پر اور کہا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"الوتر ثلاث رکعات"

یعنی وتر تین رکعتیں ہیں اور علاوہ اس کے بخاری و مسلم نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

شرائط جمعہ

مسئلہ:

سوال: جمعہ باشرائط فرض ہے، یا بدوں شرائط اور وہ شرائط قرآن شریف واحادیث صحیحہ سے ثابت ہیں یا کہ صرف علمائے دین کے قیاس سے؟

جواب: بے شک فرض عین باشرائط اور وہ بارہ شرطیں ہیں، جو اس کے وجوب کی اور جو اس کے ادا کے لئے چنانچہ کتب معتبرہ حنفیہ میں لکھا ہے:

حر صحیح باللوغ مذکر — مقیم وذو عقل لشرط وجوبها

مصر وسلطان ووقت وخطبة — واذن کذا جمع لشرط ادائها

یعنی آزاد ہونا غلام پر واجب نہیں، دوم تندرست ہونا بیمار پر واجب نہیں، سوم بالغ ہونا نابالغ پر فرض نہیں، چہارم مرد ہونا عورت پر جمعہ فرض نہیں، پنجم مقیم ہونا مسافر پر نہیں، ششم عقلمند ہونا دیوانہ پر نہیں اور باقی شرائط اس کی ادا کی ہیں اگر یہ نہ ہوں تو اس دن کی ظہر اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگی بلکہ ظہر پڑھنی پڑے گی وہ یہ ہیں مصر ہونا بستیوں میں ہو(۱) فرض نہیں، دوم سلطان یا نائب بدوں اذن ان کے جمعہ پڑھنا جائز نہیں، سوم وقت ظہر، چہارم خطبہ، پنجم اذن عام، ششم جماعت اور یہ تمام شرائط قرآن مجید واحادیث صحیحہ سے پائے جاتے ہیں چنانچہ خداوند کریم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے ایماندارو جب آذان ہو نماز کے لئے جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کی طرف اور چھوڑ دو بیچنا الخ۔ پس معلوم ہوا کہ اس آیت کا حکم مقید مخصوص منہ البعض ہے نہ عام ہے۔ چنانچہ کتب تفاسیر و کتب اصول فقہ میں لکھا ہے:

"ولاشک ان اطلاق قوله تعالى فاسعوا مقيدا بخصوص المكان و مخصوص منه كثيرا كالعبيد والمسافرين الخ"

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم "فاسعوا" کا اطلاق خاص کسی مکان کے ساتھ مقید ہے اور اس سے اور بھی بہت خاص کئے گئے ہیں اور صاحب فتح القدیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ جمعہ جنگلوں اور گاؤں میں بھی درست نہیں، چنانچہ قول تعالیٰ:

"فاسعوا الى ذكر الله ليس على اطلاقه اتفاقا بين الامة اذ لا يجوز اقامتها فى البرارى اجماعا ولا فى كل قرية لا عند الشافعى الخ"

اور دوسری بات یہ ہے کہ کلمہ ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے اور خطبہ کے لئے قاضی ہوا کرتا ہے جو کہ بادشاہ مسلمان کی طرف سے

(۱) اگر گاؤں میں لوگوں نے جمعہ قائم کر لیا ہو تو اس کو بند نہ کیا جائے لیکن ان لوگوں کو چاہئے جمعہ کے بعد اپنی ظہر نماز ادا کریں اور مسئلہ کا ثبوت تین سو سالہ کتب معتبرہ میں ہے۔

فقیر خادم شریعت غفی عنہ

لوگوں کی صلاحیت کی خاطر متعین کیا جاتا ہے اور اس کو پورے طور اختیار حدود شرعیہ کے جاری کرنے کا بھی ہوتا ہے اور یہ بات کسی صاحب علم سے پوشیدہ نہیں اور علاوہ اس کے کلمہ "وذروا البیع" جس کے معنی بیچنا و خریدنا ہے، اس سے بھی مراد قصبہ اور شہر ہے جو آباد ہو، چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے حدیث نمبر اول جو کہ وجوب جمعہ پر دال ہے:

"عن جابر ان رسول الله ﷺ قال من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة الا مريض او مسافر او امراة او صبي او مملوك ..... الخ"

دار قطنی یعنی جابر سے روایت ہے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جمعہ پڑھنا ایماندار پر فرض ہے مگر مریض اور مسافر اور عورت اور لڑکے پر اور غلام پر فرض نہیں اور اس کے علاوہ جو ادا کی شرطیں ان پر یہ حدیثیں دلالت کرتی ہیں، حدیث:

"روى ابن شيبة عن علي قال لاجمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا اضحىٰ الا في مصرٍ جامع او مدينة عظيمة ابن حزم في المحلى ورواه عبدالرزاق من حديث عبدالرحمن السلمي ..... الخ"

یعنی روایت کی ہے ابن ابی شیبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا حضرت علی نے کہ نہ نماز جمعہ نہ عید فطر اور نہ عید قربانی جائز ہے مگر شہر میں جو جامع ہو یا شہر بڑا ہو اور صحیح بیان کیا اس کو ابن حزم نے اور عبدالرزاق نے بھی عبدالرحمن سے اسی طرح حدیث بیان کی ہے اور صاحب فتح الباری نے بھی اس حدیث کو باسناد صحیح لکھا ہے اور فتح الباری جلد دوم صفحہ ۳۱۶ میں بروایت حضرت حذیفہ یوں لکھا ہے:

"قال ليس على اهل القرى جمعة انما الجمعة على اهل الامصار مثل المدائن"

کہا حذیفہ نے کہ جمعہ شہر والوں پر فرض ہے بستی والوں پر فرض نہیں اور بخاری میں روایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے کہ لوگ باری باری جمعہ پڑھنے کے لئے اپنے گھروں سے اور چھوٹے چھوٹے گاؤں سے آیا کرتے تھے:

"كان الناس يتناولون الجمعة من منازلهم والعوالي رواه بخاري"

اور کتاب بخاری میں:

"من اين تؤتى الجماعة"

بروایت حضرت بایں طور مروی ہے:

"قال اذا كنت في قرية جامعة نودي بالصلوة من يوم الجمعة فحق عليك"

یعنی کہا عطا نے کہ جب تو قریہ جامع میں ہو اور وہاں آذان دی جائے جمعہ کی نماز کے لئے تو تجھ پر فرض ہوا جمعہ پڑھنا اگرچہ تو نے آذان سنی ہو یا نہ سنی ہو اور قریہ جامع حکم شہر کا رکھتا ہے اور شرط دوم آپ نے فرمایا ہے کہ:

"الجمعة واجبة على كل مسلم في جماعة الخ"

یعنی آپ نے فرمایا کہ جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے جماعت میں چار شخصوں پر فرض نہیں، شرط سوم بخاری میں بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بایں طور وارد ہے:

" ان النبی ﷺ کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس الخ "

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جمعہ پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا اور شرط چہارم خطبہ، کہا ابن عمر نے کہ حضور نے خطبہ پڑھا تو آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا اور لٹکے ہوئے تھے دونوں کنارے دستار مبارک کے پشت مبارک کی طرف، نقل کیا اس کو مسلم نے اور ابوداؤد نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بایں طور حدیث بیان کی:

" کان رسول اللہ ﷺ یخطب خطبتین کان یجلس اذا صعد المنبر حتی یفرغ المؤذن ثم یقوم فیخطب ثم یجلس ولا یتکلم ثم یقوم فیخطب رواہ ابوداؤد "

یعنی کہا ابن عمر نے کہ آپ دو خطبہ پڑھتے تھے جب منبر پر چڑھتے یہاں تک کہ مؤذن آذان سے فارغ ہو جاتا پھر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے..... الخ اور ششم شرط جمعہ کے ادا کرنے کی بادشاہ مسلمان ہونا ہے یا اس کا نائب:

" قال ابن منذر مضت السنة ان الذی یقیم الجمعة السلطان او من قام بها امره فاذا لم یکن ذلک صلوة الظهر "

اس حدیث کو صاحب نہر اس نے بحسن شرح سے نقل کیا ہے، یعنی کہا ابن منذر نے کہ یہ سنت قدیم سے جاری ہے کہ جمعہ کا قائم کرنا بادشاہ کا حق ہو، اگر یہ بات نہ ہو تو لوگ اپنی ظہر کی نماز ادا کریں جمعہ کی نماز نہ پڑھیں اور بخاری میں مذکور ہے کہ جمعہ قائم کرنا حق بادشاہ مسلمان کا ہے۔ حدیث ابن عمر کو مطالعہ کریں جس میں یہ کلمہ تحریر ہے:

" یقول کلکم راع ..... الخ "

اور ابن ماجہ سے بایں طور حدیث بیان کی ہے۔

" من ترک الجمعة وله امام عادل او جابر فلا جمع الله شمله "

یعنی فرمایا آپ نے جو شخص ترک کرے جمعہ باوجودیکہ واسطے اس کے بادشاہ عادل یا ظالم ہو پس نہ دور کرے اللہ تعالیٰ پریشانی اس کی:

" وقال حبیب ابن ثابت لایکون الجمعة الا بامیر وخطبة وهو قول او زاعی و محمد بن مسلمة ویحیی بن عمر المالکی ومن مالک اذا تقدم رجل بغیر اذن الامام لم یجزهم الخ "

یعنی کہا حضرت حبیب بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ جمعہ بدوں خطبہ کے جو حکم بادشاہ کے جائز نہیں ہوتا اور یہ قول امام اوزاعی و محمد بن مسلمہ و یحیی بن عمر مالکی کا ہے اور کہا امام مالک نے کہ اگر کوئی شخص بدوں اذن حاکم آگے ہو کر جمعہ

پڑھائے تو تمام لوگوں کی نماز جائز نہ ہوگی اور صاحب البیان نے قول قدیمانہ امام شافعی کا نقل کیا ہے جمعہ نہیں جائز ہوتا مگر پیچھے بادشاہ یا جس کے واسطے اذن دیا گیا ہو اور کہا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہ بادشاہ پر چار حق ہیں، ان میں سے ایک جمعہ کا قائم کرنا ہے اور کتاب منتقی و جواہر المنتقی جلد اول صفحہ ۲۲۸ میں لکھا ہے:

"عن ام عبد الله الدوسية قالت قال رسول الله ﷺ الجمعة واجبة على اهل القرية فيها امام الخ لان القرية اذا كان فيها نائب من جهة الامام ويقيم الحدود يكون حكمه' حكم الامصار"

(نقل از عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری)

یعنی کہا ام عبداللہ دوسیہ نے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ جمعہ واجب ہے اہل قریہ پر جس میں امام ہو یعنی بادشاہ اور کہا عمدۃ القاری نے کہ جس گاؤں میں نائب بادشاہ اسلام نے مقرر کیا ہو اور وہاں حدود شرعی بھی جاری ہو جائیں تو اس گاؤں کا حکم مثل شہر کے ہو جائے گا اور صاحب مراقی الفلاح نے صفحہ ۹۹ میں لکھا ہے:

" المصر كل موضع له امير قاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود وهذا فى ظاهر الرواية قال قاضيخان وعليه الاعتماد "

یعنی مصر وہ جگہ ہے جہاں قاضی ہو یا امیر جو جاری کرے احکام اور قائم کرے حدود شرعیہ کو اور یہ ظاہر روایت ہے اور کہا قاضی خان نے کہ اسی پر اعتماد ہے اور صاحب نہر اس نے لکھا ہے کہ مسجد بڑی ہو یا بازار وغیرہ جو شرائط فقہاء نے لکھے ہیں وہ سب لوازم شہر کے ہیں ان شرائط کی چنداں ضرورت نہیں۔

مسئلہ: ولایت کفار میں جمعہ کا کیا حکم ہے

سوال: بعض علمائے دین کہتے ہیں کہ جمعہ ولایت کفار میں پڑھنا جائز ہے اور یہ ملک ہندوستان دار السلام ہے

جواب: بے شک ولایت کفار میں جمعہ پڑھنا بایں صورت جائز ہے کہ اگر ولایت مسلمانوں میں کفار نے غلبہ پالیا ہو اور مسلمان جمع ہو کر بادشاہ کافر کو درخواست دیں اور وہ ان کو اجازت دے دے اور کہہ دے کہ اس صورت میں مسلمان جمع ہو کر جمعہ پڑھیں تو جائز ہوگا۔ چنانچہ صاحب رد المحتار باب القضا میں اس عبارت کی شرح کرتے ہیں:

" بلاد عليها ولاة كفار يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضى قاضيا بتراض المسلمين يجب عليهم بتقلدوا واليا مسلماً منهم ..... الخ "

یعنی وہ شہر جس میں حاکم کافر ہیں جائز ہے وہاں کے مسلمانوں کو قائم کرنا جمعہ کا اور ہو جائے کوئی والی ساتھ رضا مسلمانوں کے اور واجب ہے ان پر کہ تقلیں یعنی وہ شہر جس میں حاکم کافر ہیں جائز نہیں ہو سکتا ہے اور بعض علمائے فرقہ غیر مقلدین کی بھی چالاکی ہے کہ جلدی سے یہ عبارت معراج الدرایہ و جامع الفصولین کی سنا کر عوام الناس کو دھوکہ میں ڈال دیتے ہیں اور لفظ " تقلدوا واليا مسلماً منهم " کے معنی بھی نہیں کرتے چنانچہ مولوی عبدالجبار غیر مقلد نے اپنے فتاوی

میں عبارت لکھ کر مسئلہ احتیاط الظہر کو آزاد یا ہے اور اس ملک ہندوستان کو فی الحال نہ دارالاسلام کہہ سکتے ہیں، نہ دارالحرب، چونکہ اس میں نہ تو پورے شرائط دارالاسلام کے پائے جاتے ہیں نہ دارالحرب کے اور نہ ہی ہم مسلمانوں کو اس ملک میں قدرت تنفیذ احکام کی ہے، لیکن اور ملک والوں کو طاقت تنفیذ احکام تو ہے۔ اگرچہ کسی مصلحت کی وجہ سے نہیں کرتے اور ہم لوگ تو مسائل حقہ بیان کرنے سے بھی مجبور ہیں تنفیذ احکام تو درکنار۔ اگر اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق کرنی ہو تو فتاوی شاہ عبدالعزیز جلد اول کا مطالعہ کرو۔

مسئلہ: ثبوت احتیاط الظہر

سوال: جمعہ کے بعد احتیاط الظہر کیوں پڑھی جاتی ہے اور اس کا ثبوت کیا ہے اور جمعہ کے بعد کتنی رکعتیں پڑھی جائیں اور دو فرض تو ایک وقت میں جمع ہو ہی نہیں سکتے۔

جواب: احتیاط الظہر دفع شک کے لئے پڑھی جاتی ہے کیونکہ اس ملک ہندوستان میں جمعہ کے ادا کے شرائط جو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہو چکے ہیں، کچھ اس ملک میں پائے جاتے ہیں اور کچھ نہیں پائے جاتے۔ چنانچہ بادشاہ مسلم یا اس کا نائب اور حدود شرعیہ کا جاری ہونا اور مصر ظاہر روایت میں اس شہر کو کہتے جس میں بادشاہ یا نائب بادشاہ حدود شرعیہ کے جاری کرے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ متعدد جگہ ایک شہر میں جمعہ پڑھنا نزدیک اکثر علمائے دین کے ناجائز ہے کیونکہ شہر مکہ و مدینہ طیبہ میں ایک ہی جگہ جمعہ پڑھا گیا ہے۔ اس لئے بعض علمائے دین نے کہا ہے کہ اگر کئی جگہ شہر میں جمعہ پڑھا جائے تو جنہوں نے پہلے پڑھ لیا ہوگا ان کا جمعہ ادا ہو جائے گا باقی تمام ظہر کی نماز ادا کریں، اگر سب شک کریں کہ پہلے کونسی جگہ ہوا تو اس صورت میں تمام ظہر کی نماز دوبارہ ادا کریں، چنانچہ میزان الشعرانی میں ہے:

"ومن ذلک قول الائمة الاربعة لایجوز تعدد الجمعة فی بلد الخ"

یعنی اس مسئلہ میں چاروں اماموں کا قول ہے کہ کئی جگہ میں ایک شہر میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں اگر جب ایک جگہ جمعہ ہوتا ہو اور کہا امام مالک نے کہ جنہوں نے پہلے پڑھا ہے ان کا ہوگا اور احتیاط الظہر کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت حسن بن زیاد جو شاگرد حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ہم پایہ صاحبین کے ہیں، اس سے اور صحابہ تابعین سے ہے چنانچہ کتاب ردالمحتار وعینی شرح ہدایہ جلد ۲ صفحہ نمبر ۱۰۶ میں لکھا ہے۔

"لما ابتلی اهل المرد باقامة الجمعتین بها مع اختلاف العلمآء فی جوازها امروا باقامتهم باداء الاربعة بعد الجمعة احتیاطاً واختلفوا فی نیتها قیل ینوی الظهر یومه و قیل اخر ظهر علیه وهو الاحسن وقیل الاحوطان یقول نویت اخر ظهر ادرکت وقته ولم اصلهم بعد وقال الحسن اختیاری ان یصلی الظهر بهذه النیة ثم یصلی اربعاً نیة السنة ——— الخ"

یعنی جب مرد میں لوگ دو جگہ پڑھنے میں مبتلا ہوئے حالانکہ اس مسئلہ میں علماء کا بہت اختلاف تھا اور حکم دیا گیا کہ تم لوگ جمعہ کو پڑھو لیکن اس کے بعد چار رکعت ظہر احتیاطاً ادا کر لیا کرو اور اس کی نیت میں بھی اختلاف ہوا بعض نے کہا اس روز کی ظہر پڑھنے، بعض نے کہا کہ یوں کہے کہ آخر ظہر کی نیت جس کا میں نے وقت پالیا اور ابھی اس کو پڑھا نہیں اور امام حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بہت پسندیدہ امر ہے کہ ظہر اسی طور سے پڑھے پھر چار رکعت سنت پڑھے الخ۔ گویا یہ روایت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کیونکہ جو روایات ان کے شاگردوں سے حاصل ہوتے ہیں وہ سب امام صاحب سے مروی ہیں دیکھو درالمختار صفحہ ۴۶ اور نور الشمعہ اور بحر الرائق و ردالمحتار و فتح القدیر و میزان الشعرانی نے بوجہ مفقود ہونے شرائط کے دوبارہ احتیاط الظہر کو پڑھنا واجب لکھا ہے اور فتاویٰ خانیہ اور صاحب بحر الرائق نے بھی لکھا ہے کہ ابراہیم نخعی و ابراہیم بن مہاجر جو صحابی تابعین سے ہیں جب دیکھتے اپنے امیروں کو ظالم یا کوئی شرط مفقود تو جمعہ کے اول یا اس کے پیچھے بطور خفیہ ظہر ادا کرتے:

" ولذلک تاویلان وحکی فی الظهریة والخانیة عن ابراهیم النخعی وابراهیم ابن مهاجر انهما کانا یتکلفان وقت الخطبة فقیل لابراهیم نخعی فی ذلک فقال انی صلیت الظهر فی داری ثم رحت الی الجمعة تقیة ولذلک تاویلان احدهما ان الناس کانوا فی ذلک الزمان فریقین منهم لا یصلی الجمعة لانه کان لا یری الجائر سلطانا وسلطانهم یومئذ کان جائراً فانهم کانوا لا یصلون الجمعة من اجل ذلک وکان فریق منهم یترک الجمعة لان السلطان کان یؤخر الجمعة عن وقتها فی ذلک الزمان فکانوا یأتون الظهر فی دار هم هم یصلون مع الامام ویجعلونها سبحة ای نافلة "

پس اس عبارت (۱) سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اصحاب تابعین میں سے بھی سلطان جائر ہونے کی وجہ سے جمعہ کو ترک کر دیا کرتے تھے اور ظہر کو ادا کر لیتے تھے اور بعض ظہر کو خفیہ طور پر ادا کر لیتے اور جمعہ کو نفلی طور پڑھتے اور علاوہ اس کے کتب فقہ معتبرہ مثل فتح القدیر و شامی و عالمگیری و غرائب ظہیریہ و قنیہ و عینی شرح ہدایہ و شرح سفر السعادت و نہر الفائق و فتاویٰ رحمانیہ و مجمع البحار وغیرہ میں لکھا ہے:

" ان وقع الشک فی المصر فلیصلوا اربعاً فرض الوقت بعد الفراغ من صلوة الجمعة واختلفوا فی النیة والصحیح ان یقول اصلی لله تعالیٰ اربع رکعات صلوة الظهر التی ادرکت ولم اصله بعد ..... الخ "

یعنی جب شک پڑ جائے مصر میں تو لوگ چار رکعتیں پڑھیں فرض وقت کے پیچھے نماز جمعہ کے اور اختلاف کیا انہوں

(۱) یہ عبارت فتاویٰ قاضیخان کے باب الجمعہ کے خاتمہ پر بھی مسطور ہے۔ خادم شریعت عفی عنہ۔

نے نیت میں اور صحیح یہ ہے کہ کہے نماز پڑھتا ہوں واسطے اللہ کے چار رکعت نماز ظہر جو پائی ہے میں نے اور نہیں پڑھا اس کو اور علاوہ ان دلائل کے فقیر نے ۳۶۰ کتب فقہ معتبرہ میں دیکھا ہے ہر ایک صاحب نے اس کو جائز ہی لکھا ہے اور رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی ۱۲۹۷ھ میں اس کے جواز پر فتویٰ دیا تھا جس کا جی چاہے آ کر دیکھ لے، وہو ہذا:

" وہر گاہ در بعض شروط بوجہ ما اشباہ پیدا آید اگر بنظر احتیاط چہار رکعت بگذار درو است ودریں کسے از کلام نیست واللہ اعلم رشید احمد گنگوہی "

اور علاوہ اس کے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک وقت میں دو فرض پڑھنے جائز نہیں سو یہ کہنا بھی صحیح نہیں، کیونکہ حدیث شریف میں اس کی کہیں ممانعت ظاہراً نہیں پائی جاتی۔ حدیث میں صرف یہ الفاظ ہیں:

" لا یصلی بعد صلوۃ مثلھا "

یعنی نماز پڑھنے کے بعد ویسی ہیئت پر نماز نہ پڑھنی چاہئے اور حالانکہ اس کی تفسیر میں علمائے دین وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نہایت درجہ اختلاف ہے اور کہا صاحب عینی شرح کنز الدقائق نے جس نے یہ تاویل کی ہے کہ اس سے تکرار جماعت مسجد محلہ مراد ہے، سو یہ بہت بہتر ہے اور صاحب ردالمحتار نے لکھا ہے کہ اگر ہیئت اولیٰ بدل جائے تو نماز جماعت بلا کراہت جائز ہوگی اور اہل علم پر یہ بات بھی پوشیدہ نہیں کہ اصحاب کرام اگر تنہا نماز کو ادا کر لیتے تو پھر اگر جماعت مل جاتی تو اسی نماز کو دوبارہ امام کے ساتھ پڑھ لیتے اور اسی امر کی تعلیم بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام صحابہ کرام کو دیتے اور علاوہ ازیں اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نماز میں کسی طرح کا شک پڑ جاتا، تو اس نماز کو دوبارہ ادا کر لیتے چنانچہ دارمی و نسائی و مشکوٰۃ میں بروایت ابوسعید خدری مروی ہے کہ دو صحابی سفر میں نکلے اور ان کو پانی نہ ملا دونوں نے تیمم کر کے نماز پڑھی بعد نماز ادا کرنے کے ان کو اسی وقت پانی ملا اور ایک نے وضو کر کے نماز کو دوبارہ پڑھ لیا، اور دوسرے نے ایسا نہ کیا اور دوسرے کی نماز بھی ہوگئی لیکن یہ ثواب نہ ملا اور جمعہ کے بعد آپ دو رکعت سنت پڑھا کرتے تھے اور کہا ابوہریرہ رضی اللہ عنہم نے کہ حضور پرنور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ تم لوگ جمعہ کے بعد چار رکعت ادا کیا کرو اور ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم چھ رکعت کا حکم دیا کرتے تھے۔

(نقل از فرحتی)

اور علاوہ اس کے عینی شرح بخاری سے صاحب نور الشمعہ نے لکھا ہے بایں طور حدیث نقل کر کے دس رکعت بعد نماز جمعہ کے ثبوت کی ہیں وفی سنن سعید بن مسعود عن ابی عبدالرحمٰن السلمی۔

" قال علمنا بن مسعودٍ ان نصلی بعد الجمعۃ اربعاً فلما قدم علینا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ علمنا ان نصلی ستاً "

یعنی حضرت ابن مسعود کی سنن میں عبدالرحمن سلمی سے روایت ہے کہ ہم کو ابن مسعود نے سکھایا کہ جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھیں، پھر جب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہمارے شہر میں تشریف لائے تو انہوں نے ہم کو سکھایا کہ ہم چھ رکعت پڑھیں ..... الخ پس اس سے معلوم ہوا کہ چھ چار پر زائد ہیں اور امر زائد مثبت پر ہوا کرتا ہے اور قاعدہ ہے کہ:

"المثبت مقدم علی النافی"

یعنی مثبت نفی کرنے والے پر مقدم ہوا کرتا ہے، پس بعد جمعہ کے چھ رکعت کا پڑھنا مختار ہوا اور یہ چار رکعت احتیاطی ملا کر دس رکعت ہوئیں، چنانچہ کتب فقہ حنفیہ میں بھی ان کا ذکر ہے:

"انه یصلی بعد الجمعة عشر رکعات الخ"

(نقل از درالمختار)

یعنی حاصل کلام کا یہ ہے کہ جمعہ کے بعد دس رکعت پڑھے۔

واللہ اعلم بالصواب

مسئلہ: بسم اللہ شریف نماز میں جہر نہ پڑھی جائے

سوال: بسم اللہ شریف سورۂ فاتحہ کے اول یا آخر آواز بلند پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہر دو جگہ آواز بلند سے بسم اللہ کا پڑھنا ناجائز ہے۔ چنانچہ مسلم و برہان شرح مواہب الرحمٰن باب صفۃ الصلوٰۃ حضرت انس سے روایت ہے:

"قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ و ابی بکر وعمر و عثمان فکانوا یستفتحون بالحمد للہ رب العالمین لا یذکرون بسم اللہ الرحمن الرحیم فی اوّل قراءۃ ولا فی اخرھا الخ

کہا حضرت انس نے کہ نماز پڑھی میں نے ساتھ آنحضرت ﷺ کے اور اصحاب ثلثہ کے پس وہ شروع کیا کرتے تھے الحمد سے اور نہ ذکر کرتے تھے اول اور آخر اس کے بسم اللہ شریف کو اور نہ ہی کبھی ان سے سنا ہے۔

مسئلہ: عدم جواز فاتحہ خلف الامام

سوال: پڑھنا فاتحہ کا امام کے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: فاتحہ کا پڑھنا امام کے پیچھے مقتدی کو ناجائز ہے کیونکہ اس میں خلاف قرآن مجید و آثار جمہور صحابہ کے لازم آتا ہے چنانچہ تفسیر مدارک و حسینی ۲۳۱ سورہ اعراف رکوع آخر میں مذکور ہے:

﴿واذا قرئ القرآن ..... الخ﴾

"در اسباب نزول آوردہ کہ جوانی از انصار در عقب رسول اللہ ﷺ نماز میگذارد و ہر چہ آنحضرت قرأۃ میفرمود میخواند آیت ﴿اذا قرئ القرآن﴾ چون قرآن

خواند شود در نماز ﴿ فاستمعوا له ﴾ بشنوید مر آنرا ﴿ وانصتوا ﴾ و خاموش باشید و بامام تلاوت نکنید ﴿ لعلکم ترحمون ﴾ شاید که رحم کرده شوید"

اور مدارک میں یوں ہے:

" وظاهره وجوب الاستماع والانصات وقت قراة القرآن فی الصلوة وجمهور الصحابة علیٰ انه فی استماع المؤتم ——— الخ"

اور تفسیر عماد بن کثیر علی بن طلح وابن عباس سے اس طرح مذکور ہے:

" ان النبی ﷺ کان اذا صلی باصحابه فنزلت هذه الاية فسكت القوم فقرأ النبی ﷺ"

یعنی روایت کی ابن حمید نے اور بیہقی نے ابو العالیہ سے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز پڑھتے صحابہ کے ساتھ قرأت فرماتے تھے تو اصحاب بھی قرأت کرتے تھے پھر یہ آیت اتری اور اصحاب پڑھنے سے چپ ہو رہے اور پڑھتے رہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مشکوٰۃ و موطا و ابن ماجہ و ابوقتادہ و ابو ہریرہ و ابو موسیٰ اشعری نے بایں طور روایت کی ہے:

" انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا"

یعنی کہا ابو ہریرہ نے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ تم اس کی پیروی کرو کہ جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو جب وہ پڑھے تم چپ رہو اور کتب معتبرہ و حاشیہ مشکوٰۃ و موطا امام محمد میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمر، وزید بن ثابت و جابر بن عبداللہ سے سوال کیا گیا کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ لیا جائے یا نہ، انہوں نے فرمایا:

" لايقرأ خلف الامام فی شئ من الصلوة"

اور صاحب ہدایہ نے اس پر اجماع صحابہ ثابت کیا ہے اور ابن ماجہ نے بروایت جابر رضی اللہ عنہ بایں طور حدیث بیان کی ہے:

" من كان له امام فقراة الامام له قراة"

یعنی فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ پڑھنا امام کا مقتدی کا پڑھنا ہے اور مقتدی کو قرأت پڑھنے کی کچھ ضرورت نہیں اور موطا امام محمد میں ہے کہ جس شخص نے امام کو رکوع میں پالیا تو اس کی رکعت ہو جائے گی۔

" من صلی رکعة لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصل الا وراء الامام"

اور اگر مقتدی بھی قرأت کرے تو دو قرأتیں جمع ہو جائیں گی تو یہ امر غیر مشروع ہو جائے گا اور جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

" اقرأ بها فی نفسک"

تو اس سے مراد تدبر تفکر ہے اس کے معانی کا دل میں خیال کرنا چنانچہ حاشیہ مشکوٰۃ میں تحریر ہے اور جو حدیث عبادۃ بن صامت سے مروی ہے۔ جس کو غیر مقلدین بحث میں پیش کرتے ہیں، وہ چند وجوہ سے ضعیف اور قابل عمل نہیں دیکھو فتح المبین صفحہ ۱۲۳ وفتاوی صابریہ تمام دلائل فرقہ نجدیہ وہابیہ کو جلد گیارہ (۱) میں لکھ کر مع اسناد ان کا ضعف بیان کر دیا گیا ہے۔

مسئلہ: عدم جواز رفع یدین فی القرأۃ

سوال: رفع یدین اور آمین بالجہر نماز میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب: رفع یدین کرنا نزدیک امام صاحب کے صحیح نہیں اور جو حدیثیں رفع یدین قبل از رکوع اور اس کے بعد کے کرنے کے بارہ میں وارد ہیں وہ تمام منسوخ ہیں اور قابل عمل نہیں اور نہ صحیح ہیں، چنانچہ عقود الجواہر المنیفیہ وفتح القدیر میں مذکور ہے کہ امام صاحب اور امام اوزاعی کا مناظرہ اس بات پر مکہ معظمہ کے بیچ ہوا تو امام صاحب غالب آئے اور امام اوزاعی لاجواب ہو گئے اور امام طحاوی نے سند صحیح کے ساتھ حدیث بیان کی ہے کہ ابن عمر رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے مگر اول تکبیر میں اور حالانکہ یہ وہی ابن عمر ہیں جو حضور علیہ السلام کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے پھر ترک کر دیا، وہو ہذا:

" حدثنا ان ابی داؤد وقال حدثنا نعیم بن حمادٍ قال ثنا وکیع عن سفیان عن عاصم بن کلیب بن عبدالرحمن الاسود عن علقمة عن عبدالله عن النبی ﷺ انه' کان یرفع یدیه فی اول تکبیرٍ ثم لایعود "

یعنی تمام ائمہ دین رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ آپ کی ذات ﷺ پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے اور جو حدیثیں رفع یدین کرنے کے بارہ میں عبداللہ بن عمر سے بخاری ومسلم میں درج ہیں وہ تمام منسوخ ہیں، چنانچہ عینی شرح بخاری میں لکھا ہے:

" انه کان بدء الاسلام ثم نسخ "

اور اس کے نسخ پر دلیل ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے ایک شخص کو رفع یدین کو رکوع وقومہ کرتے ہوئے دیکھا اور فرمایا کہ ایسا مت کرو، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کام کیا پھر ترک کر دیا اور دوسری دلیل تنسیخ کی یہ ہے جو کہ امام جعفر طحاوی نے سند صحیح کے ساتھ بیان کی ہے، وہو ہذا:

" حدثنا ابو داؤد قال حدثنا احمدبن عبدالله بن یونس قال اخبرنا ابوبکر عباس بن حصین بن

۱: اس بارہ میں ایک مستقل رسالہ عدم جواز فاتحہ خلف الامام شائع کر دیا گیا ہے، جس میں تمام صحاح ستہ کی روایات پر جرح کر دی گئی جن کو وہابی لوگ فاتحہ خلف الامام میں پیش کیا کرتے ہیں اور ان کی اچھی طرح سے تردید کر دی گئی ہے۔ مناظرین ۴ روپے روانہ کر کے طلب کریں، اب یہ ذکر جلد گیارہ میں نہیں ہے۔ خادم شریعت۔

محاهد قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیه الا فی تکبیرة الاولیٰ ——— الخ"

یعنی کہا حصن حصین بن مجاہد نے کہ نماز پڑھی میں نے پیچھے ابن عمر کے وہ بدوں پہلی تکبیر کے رفع یدین نہیں کرتے تھے اور ابی شیبہ جو کہ امام بخاری و مسلم کے استاذ ہیں اپنے مصنف میں بایں طور لکھا ہے۔

"عن عبداللہ بن مسعودٍ قال صلیت خلف النبی ﷺ وابی بکر وعمر فلم یکن یرفع ایدیهم الا عند افتتاح الصلوٰة"

یعنی کہا ابن مسعود نے کہ نماز پڑھی میں نے پیچھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور ابوبکر اور عمر کے تو وہ رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے، مگر پہلی تکبیر میں اور اگر کسی نے زیادہ تحقیق کرنی ہو تو شرح سفر السعادت و فتح المبین و فتاویٰ صابریہ جلد سوم کا مطالعہ کریں۔

مسئلہ: آمین بالجہر خلف الامام

درباره آمین بالجہر، آمین بالجہر بھی کسی حدیث سے ثابت نہیں اور علاوہ اس کے وہ حدیثیں معلول و مرجوحہ ہیں چنانچہ شرح سفر السعادت باب نماز میں مذکور ہے اور جس حدیث میں "مدبها صوته" وارد ہے۔ اس سے بھی آمین بالجہر ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے معنی شارحین نے یہ لکھے ہیں یعنی "مد بالفه وخفته میمه" یعنی الف کو کھینچ کر پڑھتے تھے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ "امین البیت الحرام" اور حدیث صحیح ابن مسعود عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ یہ صاحب چار چیزوں میں اخفاء کا حکم امام کے لئے دیا کرتے تھے۔ وہو ہذا:

اربع یخفیهن الامام التعوذ والثناء والتسمیة والتامین کما نقله فی فتح القدیر وفتح المبین فتاویٰ صابریه"

اور قرآن مجید میں ہے کہ آہستہ دعا مانگنا چاہئے اور یہی بہتر و انسب ہے:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾

اور احادیث صحیح اسی بات پر شاہد ہیں چنانچہ مسند امام احمد و مسند ابوداؤد و ترمذی و تہذیب و آثار و دار قطنی و معجم طبرانی نے اسند صحیح یہ حدیث بیان کی ہے:

"عن وائل واخفیٰ بها صوته"

یعنی کہا ابن حجر نے کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نماز پڑھی، تو جب آپ "ولا الضالین" پر پہنچے تو آمین آہستہ کہی۔

مسئلہ: ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ثبوت

سوال: سینہ پر ہاتھ باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مذہب حنفیہ میں سینہ پر ہاتھ باندھنا جائز نہیں چنانچہ کتاب آثار امام محمد و سنن ابوداؤد میں آثار صحابہ موجود ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ زیر ناف ہاتھ باندھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ سنت حضور ﷺ کی ہے:

"ان علیا رضی اللہ عنہ قال السنة وضع الکف علی الکف فی الصلوٰة تحت السرة"

اور اصول حدیث میں لکھا ہے کہ جس جگہ "السنة کذا او ان من السنة کذا" کا کلمہ واقع ہو تو وہاں سنت رسول علیہ السلام مراد ہوا کرتی ہے اور اگر کسی نے بہت دلائل اس بارے میں دیکھنے ہوں تو معانی الآثار و فتح المبین کا مطالعہ کرے۔(۱)

مسئلہ: فرقہ وہابیہ کے ایک اعتراض کا جواب در بارہ پانی نجس و پاک کے

سوال: کنوئیں میں بلی یا چوہا گر کر مر جائے تو کس قدر پانی اس سے نکالا جائے اور فرقہ غیر مقلدین جو یہ کہتا ہے کہ کنوئیں کا پانی بالکل پلید نہیں ہو سکتا اور اپنے دعویٰ میں حدیث بیر بضاعہ کی پیش کرتے ہیں کہ اس میں لتے حیض کے اور مراد رد گوشت کتوں کے ڈالے جاتے تھے تو حضور نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز پلید نہیں کرتی اور حضور نے بھی اس کو پیا۔

(نقل از ابوداؤد و ترمذی وغیرہ)

جواب: معانی الآثار میں ہے کہا حضرت شعبی نے:

"حدثنا ابوبکر قال ثنا ابوعامر العقدی قال ثنا سفیان عن زکویة عن الشعبی فی الطیر والسنور ونحوهما یقع فی البئر قال ینزع منها اربعون دلواً ..... الخ"

یعنی پرندے اور بلی وغیرہ کے لئے کنوئیں سے چالیس ڈول سے کم پانی نہ نکالا جائے اور ایک روایت ابی سعید خدری سے بایں طور دار قطنی و طحاوی میں مذکور ہے:

"حدثنا فهر بن سلیمان قال ثنا محمد بن سعید بن الاصبهانی قال ثنا حفص بن غیاث النخعی عن عبداللہ بن سیرة الهمدانی عن شعبی وعن ابی سعید خدری الدجاجة فی البئر فتموت فیها قال ینزع منها سبعون دلوًا"

یعنی مرغی اگر گر کر مر جائے کنوئیں میں تو ستر ڈول اس سے پانی نکالا جائے اور علاوہ اس کے محمد بن حزیمہ و حجاج ابوعوانہ وغیرہ و بن شعبہ و ابراہیم وغیرہ صحابہ نے کہا کہ اگر کنوئیں میں چوہا گر کر مر جائے تو چالیس ڈول پانی اس سے نکالا جائے اور ایک روایت میں بیس اور دس بھی ہے چنانچہ طحاوی و دار قطنی میں بروایت حضرت انس حدیث منقول ہے:

(۱) ان تمام مسائل کی تشریح اور تفسیر واضح طور پر بدلائل جلد سوم میں مسطور ہے اور فرقہ غیر مقلدین کے اس بارہ میں جس قدر دلائل ہیں وہ سب کے سب ضعیف اور متروک و منسوخ ہیں، فقط خادم شریعت عفی عنہ۔

"عن انس انه قال فی الفارة دارقطنی وتقویم اذا ماتت فی البئر واخرجت من ساعتها ینزع منها عشرون دلواً"

یعنی جب کنوئیں میں چوہا مرے اور اسی گھڑی نکالا جائے اس سے بیس ڈول پانی نکالا جائے اور دارقطنی وبیہقی و عبدالرزاق وحاوی نے حدیث بایں طور نقل کی ہے۔

"حدثنا ابوعبدالله ابن القوام عن سعید بن محرمة عن ابن عباس ان زنجیا وقع فی زمزم فمات فانزل الیه رجلا ثم قال انزعوا ما فیها من الماء الخ ایضا عن ابن عباس وابن زبیر انهما افتیا بنزع البئر کلها حین مات زنجی فی بیر زمزم"

(اخرجه الطحاوی)

یعنی حضرت ابن عباس وابن زبیر سے روایت ہے کہ ایک زنگی چاہ زمزم میں گر کر مر گیا، پس اتارا ایک آدمی کو اس کی طرف پھر فرمایا پانی نکالو اس سے ..... الخ۔ پس جب فتویٰ دیا حضرت ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تو اس وقت کسی اصحابی نے انکار نہ کیا اور نہ ہی کسی نے:

"الماء طهورٌ لاینجسه شئ"

حدیث پیش کی، باوجودیکہ کثرت جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم کی موجود تھی اور علاوہ اس کے نہ تو کسی تابعین وتبع تابعین وجمہور صحابہ سے اس کا انکار ثابت ہوا ہے چنانچہ ابن مدینی استاذ امام بخاری صاحب نے کہا ہے:

"فامر ابن عباس وابن زبیر بنزع الماء کله بحضور الصحابة ولم ینکر منهم احد فیکون حدیث القلتین مخالفاً للاجماع"

یعنی حدیث قلتین کی مخالف اجماع صحابہ کے اس لئے ہوئی کہ روبرو صحابہ کے ابن عباس وابن زبیر نے فتویٰ دیا تھا پھر کسی اصحابی نے انکار نہ کیا، لہذا یہ حدیث مخالف اجماع صحابہ کے ہوئی اور علاوہ ازیں اس حدیث میں اضطراب بھی ہے اور کہا ابن حزم نے:

"لا حجة لهم فی حدیث القلتین لانه ﷺ لم یحده مقدار القلتین"

یعنی حضور اعلیہ السلام نے مقدار قلتین کی بیان نہیں کی اور بعض روایتوں میں دو قلہ تین قلہ چالیس قلہ اور کوئی چالیس قرب بھی روایت کرتا ہے، اڑھائی مشک قلتین کا اندازہ کسی حدیث صحیح کو چھوڑ کر بلکہ ضعیف سے بھی ثابت نہ ہوگا اور حدیث:

"الماء طهور لاینجسه شئ"

یعنی پانی کو کوئی شے ناپاک نہیں کرتی الخ، اگر اس سے خاص بیر بضاعہ مراد لیا جائے تو وہ ایک کنواں جاری پرنالہ تھا جس سے باغوں کو پانی دیا جاتا تھا۔ اگر اس سے عموم مراد لیا جائے تو صحیحین کی حدیثوں سے منسوخ ہے جس میں پیشاب کی

ممانعت، ہاتھ ڈالنے کی نہی وارد ہے، وہو ہذا:

" لا یبولن احدکم فی الماء الدائم الذی لایجری الخ ثم لا یتوضأ منه او یشرب "

اور ایک روایت میں:

"لایغتسل احدکم فی الماء الدائم وهو جنبٌ "

یعنی پانی کھڑے میں نہ پیشاب کرنا چاہئے اور نہ اس سے وضو کرنا چاہئے اور اگر جنبی نے غسل کرنا ہو تو پانی اس سے لے کر الگ بیٹھ کر نہائے۔ ایضاً:

" لایغمس یده فی الاناء حتی یغسلها ثلاثاً "

یعنی جو شخص تم سے بیدار ہو پھر ہرگز نہ ڈالے ہاتھ اپنا برتن میں یہاں تک کہ دھولے ان کو تین بار کیونکہ اس کو معلوم نہیں کہ رہا کہاں ہاتھ اس کا رات کو اور بعض علمائے دین نے یہ بھی کہا ہے کہ جب اس کنوئیں کی کیفیت صحابہ نے بیان کی تھی تو اس وقت بالکل صاف تھا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ راوی کا کہنا کہ اس میں گوشت کتوں کا اور لتے حیض کے ڈالے جاتے تھے یہ بالکل خلاف عادت انسانی کے ہے، کیونکہ مسلمان اور منافق اور کافر بھی اس بات کو ناپسند کرتا ہے، پھر اصحاب کبار تابعین ایسا کام کب کر سکتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ نشیب جگہ پر تھا اس میں خود پلیدی واقعہ ہو کر دوسری طرف سے خارج ہو جاتی تھی۔ غرض کہ اس حدیث پر جمہور صحابہ نے عمل نہیں کیا اور حدیث میں ہے:

" ان المسلم لاینجس " ایضاً " ان الارض لاینجس "

یعنی آدمی جنبی مسلمان نجس نہیں ہوتا اور زمین نجس نہیں ہوتی، پس اس حدیث کے معنی بھی وہی

" الماء طهورٌ لاینجسه شیٔ "

کے معنی ہوئے باقی حال شرح طحاوی و فتح المبین میں دیکھو، فقط۔

☆☆☆☆☆

بحث شیعہ

" والسلام علی من اتبع الھدی "

اما بعد :

خاکسار ابو المنظور نظام الدین ملتانی قادری سروری مسلمان بھائیوں کی خدمت بابرکت میں گذارش کرتا ہے کہ شیعہ صاحبان کا دلی مقصود ہمیشہ سے ہی چلا آیا ہے کہ وہ اصحاب ثلاثہ کے فضائل حقہ اور ان کی خلافت راشدہ کے انکار میں ہزارہا اوراق سیاہ کریں اور اپنے اباطیل پر طرح طرح کے ملمعے چڑھا کر حق کی جانب جانے والوں کی سد راہ بنیں اور اپنی من گھڑت خلافت بلافصل پر جھوٹی خوشی کے نقارے بجائیں مگر ان کو اب تک اتنا بھی معلوم نہیں کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے، ذرا اپنے مذہب کی کتابوں کی اوراق گردانی تو کر لی ہوتی تو پھر ان کو پتہ چل جاتا کہ راستی پر کون ہے اور کذب وافترا پر کون۔ ان کا من گھڑت خلافت بلافصل پر اڑے رہنا اور اپنی کتابوں کو طاق پر رکھے رہنا انصاف کا خون کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ بعض ان کا گوشہ نشین بن کر دیواروں پر جا بجا آہنی تختیاں تارکول سے سیاہ کر کے ان پر سفید حروف سے خلافت بلافصل کی خود ساختہ روایت کو کندہ کرتا پھرتا ہے اور کلمہ شریف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام نامی کو شامل کر کے لوگوں کو دھوکا دیتا ہے تاکہ دل کے کچے دام میں پھنس جائیں اور ان کو اپنا ہم پیالہ وہم نوالہ بنا کر اصحابہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے حق میں سب وشتم سے کام لیں اور اپنے سینوں کو جو اصحاب ثلاثہ کے ساتھ حسد اور بغض کی آگ سے جلے بھنے رہتے ہیں، ٹھنڈے کریں اور خود تراش کردہ روایت غدیر(۱) پر سر تا پاز ور دے کر اس کی صداقت کا گیت گائیں اور اپنی من گھڑتوں پر اڑے بیٹھے رہیں۔ یہ ہے مابہ حضرات شیعان پاک کے مذہب کی۔

۱: " فلما خرجوا من عنده علیه السلام فی مرضه وبقی عنده العباس " الفضل وعلی واهل بیته خاصة فقال له العباس یارسول الله ﷺ ان یکن هذا الامر فینا مستقراً من بعدک فبشرنا وان کنت تعلم انا نغلب علیه فاوص بنا فقال انتم المستضعفون من بعدی "

یعنی آپ کی مرض الموت میں تمام حاضرین پوچھنے کے لئے حاضر ہو کر نکلے اور باقی حضرت عباس، فضل، علی واہل بیت رہے اور عباس بولے کہ امر خلافت بعد آپ کے ہم کو ملے تو آپ اس کی بشارت دیں اگر آپ جانتے ہیں کہ ہم بازر ہیں گے تو پھر ہم کو وصیت فرمایئے، تو آپ نے فرمایا کہ تم بوجھ اٹھانے سے میرے بعد عاجز ہو، کیا حضرت عباس کو واقعہ غدیر کا یاد نہ تھا کہ حضور کے سامنے خلافت کے بارہ میں سوال کیا۔

مسئلہ:

﴿ثبوت حق خلافت اصحاب ثلاثہ﴾

ہم یہاں پر شیعوں کی کتابوں سے مختصر طور پر اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے فضائل اور خلافت حقہ کا ثبوت دیتے ہیں، وہو ہذا، چنانچہ کتاب نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر الجزء الثانی صفحہ ۸ پر خط امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بنام حضرت امیر معاویہ بایں طور تحریر ہے:

"ومن کتاب لہ علیہ السلام الی معاویۃ انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکرٍ وعمر وعثمان علی ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد وانما الشوری للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل سموہ اماما کان ذلک للہ رضی فان خرج عن امرھم خارج بطعنٍ او بدعۃ ردوہ الی ماخرج منہ فان ابی قاتلوہ علی اتباعہ غیر سبیل المؤمنین وولاہ اللہ ماتولی والعمری یامعاویۃ لئن نظرت بعقلک دون ھواک لتجدنی ابرأ الناس من دم عثمان ولتعلمن انی کنت فی عزلۃ عنہ الا ان تتجن مابدلک والسلام"

یعنی بے شک میری اس قوم نے بیعت کی ہے کہ جس نے ابوبکر الصدیق وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم سے کی تھی، اب کسی شخص حاضر اور غائب کو اختیار نہیں کہ اس کی تردید کرے، کیونکہ یہ کام اجماع مہاجرین وانصار کے حکم سے مضبوط ہو چکا ہے جس شخص کو انہوں نے کمیٹی سے نامزد کر دیا ہو وہ اللہ کے ہاں پسند ہے، پس اگر نکلا کوئی شخص اس معاملہ سے طعن یا جدائی کرے پھر لاؤ اس کو جس امر سے بھاگا۔ پس اگر انکار کیا اس نے تو مارڈالو اس کو مومنوں کے راستے کی پیروی نہ کرنے کے جرم میں پھر پہنچا دے گا اس کو اللہ پسندیدہ بات پر اور قسم ہے مجھے عمر بخشنے والے کی اے معاویہ اگر تو نظر غور سے بیان کرے تو پائے گا تو مجھے بری تمام آدمیوں سے خون عثمان کے سے اور ضرور جانتا کہ تھا میں اس وقت گوشہ میں اس سے اگر تو بدلہ لیتا ہے تو اس سے لے جس پر ثبوت پائے۔ والسلام فقط۔

دوسرا خط امیر المومنین کا جو حضرت امیر معاویہ کے دو خطوں کے جواب میں لکھا تھا وہ یہ ہے:

"اما ما ذکرت منازل الخلفاء وفضائلھم فنقول نحن وجدنا افضلھم فی دین اللہ ابابکر العتیق والصدیق ثم عمر الفاروق الذی لا یخاف فی اللہ لومۃ لائم ثم ذی النورین عثمان الذی یستحی منہ الملئکۃ ولعمری ان مکانھم فی الاسلام لعظیم فرحمھم اللہ الخ"

(اصفہانی شرح نہج البلاغت جلد اول جزو ، مولوی سلطان المحدثین)

شیعہ یعنی اے معاویہ! تو مجھے مراتب وفضائل خلفاء کے یاد دلاتا ہے ہم نے دین کے جاری کرنے میں جملہ خلفاء سے افضل حضرت ابوبکر عتیق وصدیق کو پایا ہے پھر حضرت عمر میں جو جاری کرنے احکام دین میں کسی ملامت کنندہ کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے، پھر حضرت عثمان ذوالنورین ہیں جن سے ملائکہ مقربین بھی حیاء کرتے تھے مجھے اپنی عمر کی قسم ہے کہ

اسلام میں خلفائے مذکورین کا بڑا مرتبہ ہے، ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اور اچھے اجر ان کو ملیں، آمین۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ میں یاد دلانا تیرا پس خدا کی قسم ہے اصل قاتلین تو دار عثمان میں ہی قتل کے گئے تھے اور وہ دونوں گیرہ سو ان ہیں اور ماسوا ان کے محاصرین وغیرہ نے توبہ کر لی ہے اور تو میری نیت سے انکار مت کر۔

اور تحفہ اثنا عشریہ مطبع یوسفی مقصد اول صفحہ ۲۴۴ بروایت کشف الغمہ نقل از مجمع الاحناف سنی:

"سئل الامام ابو جعفر علیہ السلام من حلیہ السیف ھل یجوز فقال نعم قال حلی ابابکر الصدیق سیفہ فقال الراوی انقول ھکذا فوثب الامام علی مکانہ فقال نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق فمن لم یکن لہ الصدیق فلا صدق اللہ قولہ فی الدنیا والاخرۃ"

حضرت امام ابو جعفر یعنی امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ آیا تلوار کو زیور سے آراستہ کرنا جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا آپ نے ہاں ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار کو آراستہ کیا تھا زیور سے پس کہا راوی نے آیا تم کہتے ہو ایسا یعنی کہ آپ بھی ابوبکر صدیق کہتے ہیں پس اچھل پڑے امام اپنی جگہ سے پس آپ نے تین دفعہ کہا ہاں میں کہتا ہوں صدیق پس جو کوئی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق نہ کہے اور نہ جانے نہ سچا کرے اس کے قول کو دنیا و آخرت میں یعنی ان کی صدیقیت کا منکر دونوں جہان میں جھوٹا ہے اور جھوٹے کی سزا خدا کے نزدیک لعنت (۱) ہے۔

فیصلہ باغِ فدک

کتب شیعہ میں لکھا ہے کہ مال انبیاء کا صدقہ کا حکم رکھتا ہے چنانچہ کافی کلینی کتاب شیعہ الفصل والجہل باب صفت العلم اصول کافی صفحہ ۷ بروایت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور اس کی شرح شافی میں ہے:

"ان الانبیاء لم یرثوا درھما ولا دینارا وانما یرثوا من احادیثھم فمن اخذ بشیء منھا فقد اخذ حظاً"

"یعنی از انبیاء ہرچہ ترکہ است دراں ترکہ حکم نیست"

اور کتب فریقین میں لکھا ہے کہ خاتون جنت نے خلیفہ اول کو بذریعہ قاصد طلب کر کے روبرو اپنے زوج وابن عباس کے دربارہ باغ فدک گفتگو کی اور خلیفہ اول نے ان کے جواب میں یہ حدیث بیان کی:

"قال قال رسول اللہ ﷺ لا نورث ولا نوث ماترکناہ صدقۃ"

اور حاضرین کو کہا کہ تم نے یہ حدیث حضور سے بھی سنی ہے یا نہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بے شک ہم نے سنی ہے تب خاتون جنت نے سکوت اختیار کیا اور کتاب شیعہ نہج المکارمۃ شیخ ابن مظہر علی نے لکھا ہے کہ خاتون جنت کے

(۱) مفصل ذکر خلاف اصحاب ثلاثہ کا حقیقت مذہب شیعہ اور جلد چہارم سلطان الفقہ میں ملاحظہ کریں۔ ناشر شریعت گنج عفی

وعظ پر خلیفہ اول نے باغ لکھ کر واپس کر دیا، وہ ہو بذا:

" لما وعظت فاطمة ابابكر فی فدک کتب لها کتاباً"

اور کتاب شرح نہج البلاغت جلد اول جزء ۲ میں لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے خلیفہ اول سے روایت کی وہ ہو بذا:

"وغضب علیّ علیه السلام فی بیعت ابی بکرٍ وقال ما غضبت الا فی المشورة وانا لنریٰ ابابکرٍ احق الناس لها انه لصاحب الغار وانا لنعرف له سنة ولقد امره رسول الله ﷺ بالصلوٰة وهو حیّ الخ"

حضرت علی نے حضرت ابوبکر کی بیعت میں اظہار ناراضگی فرمائی اور کہا یہ اس واسطے ہے کہ میں مشورہ میں نہیں بلایا گیا۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ حضرت ابوبکر صدیق سب لوگوں سے بڑھ کر اس کے حقدار ہیں یا واسطے صاحب ہونے غار کے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ عمر میں بڑے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی مبارک میں ان کو لوگوں میں نماز پڑھانے کا حکم دیا۔

﴿اصحاب ثلاثہ کا باایمان ہو کر داخلِ خلد ہونا﴾

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ الخ﴾

وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم سے اور کام کئے اچھے البتہ خلیفہ کرے گا ان کو بیچ زمین کے جیسا خلیفہ کیا تھا ان لوگوں کو کہ پہلے ان سے تھے اور البتہ ثابت کر دے گا واسطے ان کے دین ان کا۔

اور علاوہ اس کے یہ طعن جو شیعہ کا ہے کہ اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم (معاذ اللہ) منافق ہو کر فوت ہوئے اس کے جواب میں یہی ایک آیت کافی ہے اور وہ یہ ہے:

﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا"

یعنی البتہ اگر باز نہ رہیں گے منافق اپنی شرارت سے اور وہ جو ہیں دل ان کے لئے بیماری ہے اور بدخبر اڑانے والے بیچ شہر مدینہ کے البتہ پیچھے لگا دیں گے تجھ کو ان کے پھر نہ ہمسایہ رہیں گے تیرے بیچ اس کے مگر تھوڑے دنوں لعنت مارے جہاں پائے جائیں اور قتل کئے جائیں خوب قتل کرنا۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا شیخین رضی اللہ عنہما کے ایمان کامل اور باایمان فوت ہونے پر یہ قول ہے:

" هما امامان عادلان قاسطان كانا على الحق وماتا على الحق رحمهما الله تعالىٰ فی یوم القیامة"

یعنی وہ دونوں امام عادل تھے، (ابوبکر صدیق وعمر فاروق) صاحب انصاف دونوں حق پر تھے اور دونوں حق پر مرے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مہربانی سے رحمت کرے قیامت کے دن تک۔

سوال: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کس قدر تھی، کتب شیعہ سے جواب دو؟

جواب: تین بیٹے اور چار بیٹیاں، چنانچہ اصول کافی مطبوعہ مطبع نولکشور باب مولد النبی ﷺ صفحہ ۲۷۸ تصنیف امام محمد بن یعقوب کلینی میں بایں طور لکھے ہیں:

"وتزوج خديجة وهو ابن بضع وعشرين سنة فولد له منها قبل المبعث القاسم ورقية وزينب وام كلثوم وولد له بعد المبعث الطيب والطاهر والفاطمة عليها السلام"

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح کیا خدیجہ سے جب آپ کی عمر مبارک قریباً ۲۵ سال کی تھی اور آپ کی اولاد پہلے نبوت کے خدیجہ سے قاسم ورقیہ وزینب وام کلثوم ہوئے اور بعد از نبوت حضرت طیب وطاہر و فاطمہ پیدا ہوئے اور حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے اور اسی طرح کتاب نخبۃ الاخبار صفحہ ۳۶ مطبع عین الفیوض اور کتاب جلاء العیون تحقیق صفحہ ۸ میں بعینہٖ اسی طور لکھا ہے، شرف دامادی میں حضرت عثمان اور حضرت علی شریک ہیں، کیونکہ ان کو پیغمبر خدا ﷺ نے یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں دیں، کہ وہ دونوں حضرت خدیجہ الکبریٰ کے پیٹ سے تھیں۔ الخ۔

(نقل از انصاف صفحہ ۵۹)

غیر مقلدوں کے خیالات کی (۱) تردید

افسوس اس ملک ہندوستان میں غیر مقلدین فرقہ محدثہ نے اس قدر احناف کی مخالفت میں کتابیں طبع فرمائی ہیں کہ جن کے دیکھنے سے ہر ایک ایماندار ذی شعور کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور الاماں کہنا پڑتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک آدھ رسالہ بطور نمونہ آپ دیکھ سکتے ہیں۔

(۱) بوئے غسلین از قطرات عشرین اور دوسرا بوئے سرگین، ان تمام میں ائمہ دین مجتہدین متقدمین ومتاخرین سلف صالحین پر طعن وتشنیع کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھا اور اپنے زعم میں عالم وفاضل واہل حدیث ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا خدا کی پناہ ایسے اہلحدیثوں سے اور جو کچھ کہ ان کی زبان سے نکلا، چند جملات ان کے بطور مشتے نمونہ از خروارے درج کئے جاتے ہیں تاکہ ناظرین کو یقین آ جائے اور وہ یہ ہیں: اول فقہ حنفیہ کو جلا دینا چاہئے، دوم کتب اصول فقہ حنفیہ وغیرہ کو

---

۱ شیعہ لوگوں کا مفصل ذکر حقیقت مذہب شیعہ، بم کا گولہ بر رافضی ثولہ میں مطالعہ کریں۔

خادم شریعت ابو المنظور عفی عنہ

نذر یخ کھود کر دفن کر دینا چاہئے، سوم حضرت عمر فاروق کی طرح متداولہ کتب کو جلانا چاہئے، چہارم کتب متداولہ من الناس کے نذر یخ کھود کر دفن کر دینا چاہئے، سوم حضرت عمر فاروق کی طرح متداولہ کتب کو جلانا چاہئے، چہارم کتب متداولہ من الناس کے نذر یخ کھود کر دفن کر دینا چاہئے، سوم حضرت عمر فاروق کی طرح متداولہ کتب کو جلانا چاہئے، چہارم کتب متداولہ من الناس کے

پڑھنے سے ایمان بالکل خارج ہو جاتا ہے۔ پنجم حنفی لوگ صحابہ کرام کی اتنی عزت بھی نہیں کرتے جس قدر راجپوت کے مجاوروں کی جاتی ہے۔ ششم امام صاحب کے نزدیک مشت زنی واجب اور سود لینا غلام سے مولا کو جائز اور سؤر کے بال پاک اور محرمات ابدیہ کے ساتھ نکاح کر کے ولی کرنے سے حد لازم نہیں آتی اور ان کے نزدیک شراب حلال، کتے کے چمڑے پر نماز پڑھنا جائز، امام صاحب لاعلم تھے چند حدیثیں جانتے تھے اور امام صاحب مرجیہ تھے ..... الخ علی ہذا القیاس۔ کسی بزرگ نے کیا سچ فرمایا ہے:

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد — میلش اندر طعنہ پاکاں دہد

بندہ نے بفضل خدا تعالیٰ در جواب "بوئے غسلین از قطرات عشرین" کتاب "جرعہ غسلین در حق غیر مقلدین" تیار کی ہے اور اس جگہ صرف فرقہ محمدیہ کی خدمت میں ادب سے عرض کرتا ہوں کہ تم جو کہتے ہو کہ تمام کتب فقہ کو جلا دینا چاہئے ان میں ضعیف اور بناوٹی باتیں ہیں اور بہت سے مسائل امام صاحب نے برخلاف قرآن و حدیث بیان کئے ہیں اور امام صاحب بھی مرجیہ تھے تو اس بارے میں عرض ہے کہ بالفرض آپ کی بے ثبات باتوں کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر فرمائیے کہ آسمانی کتاب کے علاوہ کونسی کتاب ہے کہ جس پر عمل کیا جائے، اگر کہو کہ سب صحاح ستہ صحیح ہیں کہ ان پر اجماع مؤمنین ہو چکا ہے تو میں (۱) کہتا ہوں کہ یہ بات بھی من گھڑت ہے اور بے دلیل کیونکہ اول تو اجماع مسلمین سے آپ پہلے ہی دست بردار ہو چکے ہیں اور کوئی حدیث بھی ان کے صحیح ہونے پر شاہد نہیں اور نہ ہی ان پر اجماع مؤمنین کا ہوا ہے اور نہ ہی کتب صحاح ستہ ضعف سے خالی ہیں، شرح نخبۃ الفکر مطبوعہ دہلی صفحہ ۲۹ میں لکھا ہے:

"ان الرجال الذین تکلم فیهم من الرجال مسلم اکثر عدداً من الرجال الذین تکلم فیهم من رجال البخاری الخ"

یعنی وہ رجال بخاری کے جن میں کلام کی گئی ہے وہ مسلم کے رجال سے زیادہ ہیں اور علامہ ملا علی قاری نے اس مقام پر یوں تشریح فرمائی ہے:

"فان الذین انفرد البخاری بهم اربع مائة وخمسة وثلثون رجلا والمتکلم فیهم بالضعف نحو

۱: اور مسلم الثبوت مطبوعہ نولکشور لکھنؤ صفحہ ۱۴۱ میں لکھا ہے کہ بخاری و مسلم کی صحت پر اجماع نہیں چونکہ اس میں راوی قدریہ، مرجیہ و رافضی و خارجی اور لامذہب اور بدعتی لوگ ہیں جن کی بات پر اعتماد رکھنا ٹھیک نہیں ہوتا اور یہی فیصلہ ابن الہمام صاحب حنفی القدیر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور اگر کسی صاحب نے بخاری و مسلم کا پورا حال دیکھنا ہو تو جرح علی البخاری کا مطالعہ کرے۔

خادم شریعت

من ثمانين رجلا والذين انفرد بهم مسلم ست مائة وعشرون رجلا والمتكلم فيه منهم مائة وستون رجلاً على الضعف كذا ذكره البخاري في شرح الفية العراقي "

(نظم الدرر في تناسب الآيات والسور)

یعنی جن سے امام بخاری نے روایت کی ہے وہ چار سو پینتیس (۴۳۵) آدمی ہیں، جن میں قریباً اسی آدمی ضعیف ہیں اور جن سے مسلم نے روایت کی ہے وہ چھ سو بیس آدمی ہیں۔ جن میں سے ایک سو ساٹھ آدمی ضعیف ہیں اور علاوہ ان کے ترمذی ونسائی وابن ماجہ وغیرہ باکتب احادیث کا تو ذکر ہی کیا صرف بخاری ومسلم شریف کا حال ملاحظہ فرمایئے، ان میں ایسی ایسی حدیثیں ہیں کہ جن کے ذکر کرنے سے انسان کو شرم آتی ہے چنانچہ کہانی بندر کی اور بدوں انزال صحبت کرنے ساتھ عورت کے غسل کا لازم نہ ہونا اور صحابہ کا متعہ کرنا اور اصحاب ثلاثہ کا باہمی جھگڑا اور حضور پرانور صلی اللہ علیہ وسلم کا ناراض ہونا اور حضور کا پانی نجس کو استعمال کرنا وغیرہ وغیرہ فرمایئے کہ کیا یہ تمام باتیں بناوٹی نہیں یا خلاف قرآن مجید نہیں؟ اور ان کے سوا بخاری و مسلم میں ایک بڑی جماعت فرقہ شیعہ وقدریہ وخارجیہ ومرجیہ کی بھی ہے جن سے انہوں نے روایت کی ہے، کیا اب معترضین کفال کے مطابق ان تمام صحاح ستہ کو جلا دینا چاہئے یا خندق کھود کر دفن کر دینا چاہئے کیا ان کے پڑھنے سے ایمان خارج ہو جاتا ہے، نعوذ باللہ من ذلک، ایسا تو کسی مسلمان کا حوصلہ نہیں پڑتا اور نہ ہی کوئی مسلمان کتب فقہ کے بارہ ایسا خیال کر سکتا ہے:

نباشد نکته گیری آدمیت که کار سگ بود آبو گرفتن

اور اگر کہو کہ ان میں کوئی حدیث ضعیف وغیرہ نہیں بلکہ تمام صحیہ اور قابل عمل ہیں تو اگلی پچھلی باتیں سب کھل جائیں گی پس ہمارا منہ نہ کھولو، بلوصرف اس جگہ اظہار حق نہ بطور سوئے ظن چند راوی بخاری ومسلم کے نقل کر دیتا ہوں اور ایک ایک حدیث بھی نقل کر دیتا ہوں، تاکہ کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہے، نقل کفر کفر نباشد، بخاری شریف کے شیعہ راوی

(۱) اسماعیل بن ابان شیعہ دیکھو کتاب تہذیب التہذیب جزو اول (۲) خالد بن مخلد القطوانی شیعہ کتاب ایضاً جزو ثالث (۳) سعید بن عمرو جزو رابعہ کتاب ایضاً (۴) جریر بن عبد الحمید جزو ثانی کتاب ایضاً (۵) سعید بن فیروز جزو رابعہ کتاب ایضاً

بخاری شریف کے قدریہ راوی:

(۱) تور بن یزید ثقہ تو ہے لیکن اس کے قدریہ ہونے میں کسی کو شک نہیں، تہذیب التہذیب جزو ثانی (۲) حسان بن عطیہ المحاربی قدریہ تھا وزکریا بن اسحاق قدریہ تھا، کتاب ایضاً جزو ثالث (۳) حسن بن عمرو قدریہ تھا کتاب ایضاً جزو ثانی (۴) سعید بن عبد العزیز قدریہ تھا کتاب ایضاً جزو ثالث (۵) عبد اللہ بن عمرو قدریہ تھا کتاب ایضاً جزو۔

بخاری شریف کے خبیثہ راوی:

(۱) بشیر بن فسری خبیثہ تھا کتاب میزان الاعتدال صفحہ ۴۸ (۲) قطر بن خلیفہ کتاب تہذیب التہذیب جزء ۵ (۳) یحیٰ بن صالح ابوصالحی تھا کتاب ایضاً ہلی بن الجود تھا کتاب ایضاً بخاری شریف کے راوی جو حضرت علیؓ کے دشمن تھے اسحاق بن سوید العدوی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا کرتا تھا، کتاب ایضاً جزء ثانی (۳) حصین بن الوالبی کتاب ایضاً جزء (۴) قیس بن ابی حازم کا بھی یہی حال تھا، کتاب ایضاً جزء ۸۔

بخاری شریف کے خارجی راوی:

(۱) عکرمہ مولیٰ بن عباس خارجی تھا، تہذیب التہذیب جزء سابع (۲) ولید بن کثیر خارجی تھا کتاب ایضاً جز ۱۱ (۳) عمران بن حطان خارجی تھا کتاب ایضاً جز ۸ (۴) داؤد بن الحصین شراۃ کا مذہب رکھتا تھا کتاب ایضاً جزء ثالث

بخاری شریف کے مرجیہ راوی:

(۱) شبابہ بن سوار الفزاری مرجیہ تھا، تہذیب التہذیب جزء رابعہ (۲) عبدالحمید بن عبدالرحمٰن الحمانی مرجیہ تھا کتاب ایضاً جزء ۱ (۳) عثمان بن غیاث البصری مرجیہ تھا، کتاب ایضاً جزء ۷ (۴) عمر بن ذر الہمدانی مرجیہ تھا کتاب ایضاً جزء ۷ (۵) محمد بن خازم ابومعاویہ الضریر مرجیہ تھا کتاب ایضاً جزء ۱۱ (۶) یونس بن ابی بکر مرجیہ تھا کتاب ایضاً جزء ۱۱ (۷) ابراہیم نعیمی مرجیہ تھا وسالم بن عجلان وقیس بن المسلم الجدلی وخالد بن یحیٰ بن صفوان وبشیر بن محمد السختیانی وابراہیم بن طہمان تقریب التہذیب جزء اول۔ ایوب بن عائذ الطائی کتاب الضعفاء الصغیر البخاری صفحہ ۵ اور امام بخاری کے استاذ سلیمان بن مہران اور ابراہیم نخعی بھی دونوں مرجیہ مذہب کے تھے جن کے ذکر سے بخاری وغیرہ کتب حدیث بھری ہوئی ہیں دیکھو بخاری باب ظلم دون ظلم:

" حدثنا بشیر بن خالد قال حدثنا محمد عن شعبة عن سلیمان عن ابراهیم عن علقمة عن عبدالله رضی الله عنه لما نزلت الذین امنوا ولم یلبسوا یمانهم الخ "

پس اس میں سلیمان بن مہران وابراہیم نخعی دونوں کا ذکر موجود ہے۔

" حدثنا احمد بن ابی جریج قال حدثنا شبابة الخ "

(باب الصلوٰة علی نفساء)

" حدثنا محمد بن خلف ابی بکر قال حدثنا ابی یحی الحمانی "

(بخاری حسن الصوت بالقرآن)

" وحدثنا ابونعیم قال حدثنا عمر بن ذر الخ "

(بخاری اذا دعی الرجل فجاءمل البساط)

" حدثنا ورقاء عن ابی نجیح الخ "

(بخاری الذنک ۵۵)

مسلم شریف کے ضعیف راوی:

(۱) احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب کا حافظہ اخیر میں خراب ہو گیا تھا۔ تقریب صفحہ ۲ (۲) ابان بن تغلب یہ شیعہ ہونے کی وجہ سے کلام کیا گیا۔ تقریب صفحہ ۱۱ (۳) ابراہیم بن مہاجرین جابر کا حافظہ خراب تھا۔ تقریب صفحہ ۱۶ (۴) ابراہیم بن یوسف ابن اسحٰق نہایت وہمی تھا۔ تقریب صفحہ ۱۷ (۵) اسحاق بن منصور السلولی اس میں شیعہ ہونے کا کلام ہے۔ تقریب صفحہ ۲۳ (۶) اسماعیل بن رافع کا حافظہ ضعیف تھا۔ تقریب صفحہ ۲۴ (۷) اسماعیل بن زیاح مجہول۔ تقریب صفحہ ۲۴ (۸) اسماعیل بن عبداللہ زبانی بیان کرنے سے خطا کیا کرتا تھا۔ تقریب صفحہ ۲۵ (۹) اسماعیل بن ابی کرایہ شیعہ اور وہمی تھا۔ تقریب صفحہ ۲۵ (۱۰) اشعث بن سور الکندری ضعیف۔ تقریب صفحہ ۲۷ (۱۱) الغرض جب بخاری و مسلم کا یہ حال ہے تو پھر کس لئے ان کو پایہ اعتبار سے ساقط تصور نہ کیا جائے گا، جواب دو اور باقی صحاح ستہ کا حال دوسرے جلد میں واضح کر دیا گیا ہے اور اگر کسی کو مفصل حال دیکھنا منظور ہو تو کتاب الجرح البخاری واقوال الصحیحہ واخبار اہل فقہ ۶ ذی قعدہ ۱۳۲۷ھ صفحہ ۶ کو بھی مطالعہ کرے۔

مولوی ثناء اللہ غیر مقلد امرتسری کا اعتقاد

(منقول صفحہ ۲۷ کالم ۲، اخبار اہل حدیث امرتسر مورخہ ۱۶/۹ ستمبر ۱۹۱۰ء، ۱۳۲۸ھ رمضان المبارک ۱۱/۳)

س نمبر ۲۵۱: ایک شخص نے اپنے جد کی زوجہ سے نکاح کیا اور عورت منکوحہ سے ہمبستر ہو کر مجامعت کی اور بعد چند روز کے اس منکوحہ کو حمل رہا اسی حمل سے لڑکا پیدا ہوا، اب علمائے شریعت اس بارہ میں کیا حکم صادر فرماتے ہیں، نکاح ہوا یا نہ، لڑکا کس کی جانب قرار دیا جائے گا، اس کے شوہر پر نان ونفقہ واجب ہوگا یا نہ۔

ج نمبر ۲۵۱: (بحکم لاتنکحوا ما نکح اٰباؤکم) حقیقی والد کی منکوحہ سوتیلی والدہ سے نکاح کرنا تو منع ہے مگر جد (دادا) کی منکوحہ کی حرمت منصوص نہیں اس لئے نکاح مذکور صحیح ہوگا، بچہ بھی صحیح النسب فقط۔ صاحبان یہ ہی اعتقاد مولوی ثناء اللہ غیر مقلد امرتسری کا اور دیگر اعتقادات غیر مقلدوں کے ہر چہار جلد فتاویٰ نظامیہ یعنی سلطان الفقہ میں درج ہیں۔

غیر مقلدوں سے خیر خواہی

(مکہ شریف کے جیل میں مولوی نذیر حسین غیر مقلد کی توبہ جس کی نقل بعینہ یہاں تحریر کی جاتی ہے)

﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم ☆ حامداً و مصلیاً﴾

اما بعد: بندہ عاجز سید محمد نذیر حسین متبع سنت والجماعت عقیدۃً فعلاً اور اس کے سوا جتنے مذاہب ہیں خواہ رافضی خواہ خارجی خواہ وہابی سب کو برا سمجھتا ہوں اور موافق مذہب حنفی کے فتویٰ دیتا ہوں اور حنفی المذہب ہوں:

"وتبت ما اخطات وصلی اللہ تعالیٰ سیدنا ومولانا محمد والہ واصحابہ اجمعین"

رقم سید نذیر حسین بقلم خود ۲۶ ذوالحجہ ۱۳۰۲ھ

حصہ پنجم

از فتاویٰ:

مناظر اسلام علامہ مولانا حضرت **نظام الدین** صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال: قرآن مجید میں کتنے فیصلے اور کتنے احکام ہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن و حدیث شریف سے کتنے مسائل استنباط کئے ہیں؟

جواب: قرآن مجید میں صرف تیرہ فیصلے ہیں، جو خداوند عالم نے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لوگوں کے دریافت کرنے پر معلوم کرائے جیسے:

﴿ویسئلونک عن المحیض﴾

وغیرہ اور قرآن مجید میں صرف پانچ سو احکام ہیں اور احادیث شریف میں آنحضرت ﷺ کے تین ہزار مسائل ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چند مسائل نکالے اسی طرح سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چند مسائل اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چند مسائل نکالے اور اجماع صحابہ و تابعین وغیرہ سے چند مسائل ثابت ہیں، یہ کل مسائل چار ہزار کے اندر ہیں، غور کرو کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان مسائل کے سوائے پانچ لاکھ مسائل قرآن اور حدیث اور اجماع اور اپنے قیاس سے استخراج کئے، جن کے تراسی ہزار قواعد کلیہ ہیں، ان تمام مسائل کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہر الروایت میں جمع کیا اور پانچ لاکھ مسائل ہدایہ و وقایہ و کنز الدقائق وغیرہ فقہ میں درج ہیں۔

(نقل از کتاب تفریح الاوائل صفحہ ۲۲۲)

سوال: قرآن مجید و حدیث شریف و فقہ میں کچھ تفاوت ہے یا نہیں؟

جواب: کتاب فتح المعین کے صفحہ ۲۰ میں لکھا ہے کہ ماخذ فقہ کا قرآن مجید و حدیث شریف ہے۔ پس فقہ و حدیث میں فقط تغایر اسمی ہے، مسمی ایک ہے یا فرق اجمال و تفصیل کا ہے۔ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے یا کلیات اور جزئیات کا فرق ہے۔ مدعا ایک ہے۔ غرض اس قسم کی مغایرت حقیقت مغایرت سے نہیں بلی ہذا القیاس۔

فقہ شافعی و مالکی و حنبلی بھی ہرگز قرآن و حدیث کے مخالف نہیں، بے شک حنفیہ کے نزدیک اس حدیث پر چلنا جائز نہیں جو مہمل اور منسوخ ہو گو وہ بخاری و مسلم میں کیوں نہ ہو۔

سوال: دین اسلام میں اصول کتنے ہیں؟ اور منکر اجماع امت وقیاس مجتہد کس گروہ میں شمار کیا جاتا ہے؟

جواب: دین اسلام میں چار اصول ہیں:

(۱) قرآن مجید (۲) حدیث شریف (۳) اجماع امت (۴) قیاس مجتہد

جیسا کہ توضیح تلویح وغیرہ کتب دینیہ میں مذکور ہے:

"الادلة الشرعية على اربعة اركان الكتاب ثم السنة ثم الاجماع ثم القياس"

اول شریعت چار ہیں:

(۱) کتاب (۲) حدیث (۳) اجماع (۴) قیاس

اور اجماع وقیاس مجتہد کا ثبوت قرآن مجید واحادیث شریف سے ثابت ہے چنانچہ اس آیت کریمہ میں ہے:

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾

(سورۃ النساء پارہ ۵)

اور جو مخالفت کرے رسول کی اس کے بعد کہ اس پر ہدایت کھل چکی اور چلے مسلمانوں کے راستہ کے سوا دوسرے راستہ تو ہم اس کو چلائے جائیں گے اسی راستہ پر جس پر وہ چلا اور اس کو دوزخ میں جھونک دیں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

اور مشکوٰۃ جلد اول کتاب العلم فصل ثانی بروایت عبداللہ ابن عمر بایں الفاظ حدیث مذکور ہے:

"قال قال رسول الله ﷺ العلم ثلثة اية محكمة او سنة قائمة او فريضة عادلة"

یعنی فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ علم تین ہیں جن کا ماننا ہر ایک مسلمان کو ضروری ہے۔ اول آیت مضبوط، دوم سنت یعنی حدیثیں، سوم فریضہ عادلہ یعنی اجماع امت وقیاس مجتہد اور اسی حدیث کے حاشیہ پر غیر مقلد صاحب مہداۃ صفحہ ۳۶ میں بایں طور لکھتے ہیں اور وہ بعینہٖ عبارت یہ ہے:

"یعنی فریضہ عادلہ اشارہ ہے جو اجماع اور قیاس جو کتاب اور سنت سے نکلا ہو فریضہ اس کو اس لئے کہا کہ اس پر عمل واجب ہے جیسے کتاب اور سنت پر اور معنی عادل کے بھی یہی ہیں اور اس حدیث کے حاصل معنی یہ ہوئے کہ اصول دین کے چار ہیں، کتاب وسنت واجماع جو ان کے سوا وہ زائد ہیں، انتہی"

اور کتاب ترمذی ابن عمر سے مروی ہے:

"ان الله لا يجتمع امتي او قال امة محمد ﷺ على ضلالة"

یعنی فرمایا آپ نے میری امت نہ اکٹھی ہوگی گمراہی پر اور امام بخاری کتاب الاعتصام السنہ فضائل حرمین جلد ثانی میں بھی بایں طور حدیث بیان کرتے ہیں:

"باب ماذکر النبی ﷺ وحض علی الاتفاق اهل العلم وما اجمع علیه الحرمان مکة والمدینة ... الخ"

یعنی ذکر کیا نبی علیہ السلام نے اور ترغیب دی اہل علم پر کہ جس پر اجماع کیا حرمین مکہ اور مدینہ والوں نے اور اس کے حاشیہ پر علامہ کرمانی نے اس طرح لکھا ہے:

"وقال مالک اجماع اهل المدینة حجة"

یعنی کہا امام مالک نے کہ اجماع اہل مدینہ والوں کا دلیل شرعی ہے اور اس کا انکار کرنا محض جہالت ہے اور قیاس مجتہد کا ثبوت بھی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے پایا جاتا ہے، وہو ہذا:

"فاعتبروا یا اولی الابصار"

یعنی بعد ذکر کرنے قصہ کفار کے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پس عبرت حاصل کرو اے عقل والو اور اس کے تحت میں بڑے بڑے علمائے دین ومفسرین مانند فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں اور صاحب مدارک ومعالم بایں طور تفسیر بیان کرتے ہیں:

"فاتعظوا بحالهم فلا تعذروا ولا تعتمدوا علی غیر الله سبحانه واستدل به علیٰ ان القیاس حجة"

یعنی نصیحت پکڑو حال ان کے سے اگر تم بھی ایسا کرو گے تو تمہارا بھی یہی حال ہوگا اور نہ عذر کرو اور نہ بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی پر یہی دلیل ہے قیاس مجتہدین پر اور سورۂ انبیاء میں ارشاد ہے:

﴿ وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ☆ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ﴾

اور یاد کرو تم داؤد اور سلیمان کو جب دونوں فیصلہ کرنے لگے ایک کھیت کے بارے میں جب شب کے وقت اس میں چر گئیں کچھ لوگوں کی بکریاں ہمارے روبرو تھا اور ہم نے فیصلہ سمجھا دیا سلیمان کو اور ہر ایک کو عطا کیا تھا ہم نے حکم یعنی پیغمبری اور علم یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ایک قوم کی بکریاں رات کے وقت آ کر ایک قوم کی کھیتی کو کھا گئیں اور یہ مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پیش ہوا۔ آپ نے کھیتی والوں کو بکریاں دلوا دیں اور جب یہ امر حضرت سلیمان علیہ السلام پر واضح ہوا تو آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ کھیتی والے بکریوں کے دودھ سے اس وقت تک نفع اٹھائیں جب تک کہ کھیتی اپنی اصلی حالت پر نہ آ جائے اور حدیث صحاح ومعالم میں بایں طور مسطور ہے کہ دو عورتوں کے ہمراہ ان کے دو بیٹے تھے، اتفاقاً ایک عورت کے لڑکے کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا، بعد میں انہوں نے سخت جھگڑا شروع کر دیا، آپس میں ایک دوسرے کو کہتی تھیں کہ تیرے بیٹے کو بھیڑیا لے گیا ہے، تب حضرت داؤد علیہ السلام نے لڑکا دونوں میں سے بڑی عورت کو دلوا دیا، فیصلہ کے بعد

جب ان ہر دو عورتوں کا گزر حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہوا تو آپ نے فرمایا پھری لاؤ تا کہ میں تمہارے درمیان اس بچہ کو برابر دو حصہ میں تقسیم کر دوں تب دوسری چھوٹی عورت پکار اٹھی کہ خدا آپ پر رحم کرے، ایسا نہ کریں، یہ اصل میں لڑکا بیٹی کا ہے، یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے لڑکا چھوٹی کو دلوا دیا ۔۔۔ الخ۔ پس اے منکرین قیاس اب فرمایئے کہ یہ قیاس نہیں تو اور کیا ہے اور حدیثوں کی اور ٹھیک بات نہ نکلی تو اس کو صرف محنت کا ایک ثواب ملے گا اور علامہ قصوری کتاب توضیح الدلائل صفحہ ۲۵ بحوالہ دارمی و نسائی کے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ قرآن مجید سے جواب دیتے، اگر قرآن میں نہ پاتے تو حدیث شریف سے، اگر حدیث میں سے نہ پاتے تو اجماع سے، اگر اجماع میں بھی نہ پاتے تو اپنے اجتہاد سے فتویٰ دیا کرتے اور خود مولوی محمد اسماعیل نے رسالہ اصول فقہ میں لکھا ہے:

" الادلة الشريعة اربعة الكتاب والسنة والاجماع والقياس "

یعنی ادلہ شریعت چار ہیں، قرآن مجید و حدیث و اجماع و قیاس الخ اور صاحب نبراس نے بحوالہ کتاب عقد الجید لکھا ہے کہ جو شخص اجماع و قیاس کا منکر ہے وہ خارجی اور شیعہ ہے۔ وہو ہذا:

" من لا يقبل شهادته من المبتدعين لا يصح تقليد القضاء وكذا تقليد من لا يقول بالاجماع كالخوارج او بالاخبار الاحاد كالقدرية او بالقياس كالشيعة "

یعنی جو شخص اہل بدعت سے ہے اس کی شہادت اور اس کو قاضی بنانا بھی درست نہیں اور اسی طرح جو اجماع کا قائل نہیں اس کو بھی قاضی بنانا جائز نہیں کیونکہ اجماع کا منکر مثل خارجیوں کے ہے اور جو اخبار احاد کا قائل نہیں وہ مانند شیعہ کے ہے، انتہی اور کتاب نبراس صفحہ ۴، بحوالہ کتاب مشکوٰۃ الانوار لکھا ہے کہ جو شخص ظاہر روایت پر عمل کرتا ہے وہ فرقہ باطل سے ہے اور فتح المبین صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے کہ جو شخص قیاس مجتہد کا منکر ہے اس کو علمائے دین سے شمار نہ کیا جائے اور تہذیب الاسماء میں لکھا ہے وہ گمراہ اور گمراہ کنندہ ہے غرضیکہ فرقہ اہل سنت و جماعت کو چاہئے کہ اس فرقہ ضالہ سے اجتناب کرے۔

سوال: رتبہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بڑے تھے یا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور غیر مقلدوں کا یہ کہنا امام صاحب کو حدیث کا علم نہ تھا صرف سترہ حدیثیں جانتے تھے صحیح ہے یا غلط؟

جواب: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کئی وجوہات سے امام بخاری پر فضیلت رکھتے ہیں، امام بخاری نہ تو تابعی اور نہ تبع تابعین سے ہیں کیونکہ ان کی پیدائش ۱۹۴ ہجری میں ہوئی اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ۶۱ یا ۸۰ ہجری (علی اختلاف الاقوال) میں پیدا ہوئے، جو زمانہ خیر القرون تھا چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

" خير القرون قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم الخ "

یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے دیکھنے والے اور تابعین تبع تابعین کے زمانہ کے ملنے جلنے والے لوگ بہتر ہیں

اور امام صاحب درجہ تابعی اور تبع تابعین ہونے کا رکھتے تھے کیونکہ آپ کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا۔ سو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام صاحب درجہ تابعی اور تبع تابعین ہونے کا رکھتے تھے کیونکہ آپ کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا۔ سو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ درجہ کہاں؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بیس صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا اور تابعی بھی اسی کو کہتے ہیں کہ جس نے بحالت اسلام کسی صحابی کا خواہ ایک لحظہ ہی زمانہ پایا ہو، خواہ اس سے حدیث سنی ہو یا نہ سنی ہو اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو چھ صحابہ اور ایک صحابیہ سے حدیثیں سنیں اور بعض صحابہ امام صاحب کے شروع جوانی تک زندہ رہے اور آپ نے ان کی زیارت کی اور جو آپ کی جوانی تک زندہ رہے وہ تین ہیں۔

(۱) حضرت انس بن مالک خادم رسول اللہ ﷺ جن کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔ (۲) سہل بن سعد جن کا انتقال ۹۱ھ میں ہوا (۳) ابو الطفیل بن واثلہ جن کا انتقال ۱۰۰ھ میں ہوا اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں تو کوئی صحابی زندہ نہ تھا پس آپ کو کسی صحابی کی زیارت کہاں نصیب ہوئی، تیسری وجہ فضیلت کی یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس شہر کوفہ کے رہنے والے تھے جو دار الحدیث تھا اور جس میں ڈیڑھ ہزار صحابہ جلیل القدر نے سکونت اختیار کی اور جس میں ستر اصحاب اہل بدر میں سے داخل ہوئے اور یہ کوفہ وہ شہر ہے جس کے بارے میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"رمح الله وسيف الله وكنز الايمان وحمجمة العرب ورأس الاسلام ووجوه الناس"

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس شہر بخارا کے رہنے والے تھے جس میں کسی اصحابی کا قدم بھی نہیں پہنچا، چوتھی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پرورش و تعلیم امام جعفر صادق ابن امام باقر رضی اللہ عنہما کی گود اور مجلس سے حاصل کی اور یہ رتبہ امام بخاری کو کہاں حاصل ہوا اور امام صاحب رحمۃ اللہ عنہ کے چار ہزار شیوخ (استاد) تھے۔ جن سے آپ نے حدیثیں روایت کی ہیں، ان کا اور ان کے شاگردوں کا مفصل ذکر ان شاء اللہ تیسری جلد میں ہوگا۔ تعجب ہے کہ جو شخص ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور ۱۵۰ھ میں اس کا انتقال ہوا اور بڑے بڑے صحابہ عادل و ثقہ مثل حضرت اسود اور علقمہ، عطا و عکرمہ، مجاہد و مکحول، حسن بصری سے روایت کی ہو اور خاندان اہلبیت سے فیض ظاہری اور باطنی حاصل کیا ہو، کیا ایسے شخص کو صرف سترہ حدیثیں ملیں اور ایک شخص جو ۲۰۰ھ میں ایک معمولی شہر بخارا میں پیدا ہوا اور جس نے کسی صحابی کو بھی نہ دیکھا ہو اور نہ ہی خاندان اہل بیت میں سے کسی کی صحبت میں سے کچھ فیض لیا اور گھر میں بیٹھے بٹھائے چھ لاکھ حدیثیں جمع کر لیں، اس بات کو کون صاحب عقل سلیم تسلیم کر سکتا ہے اور اب ناظرین خود تصفیہ فرمالیں کہ کسی کو وسائل و ذرائع و مواقع حدیثوں کے جمع کرنے کا امور ات مذکورہ بالا میں زیادہ تر دستیاب ہوا، اہل انصاف خود انصاف فرمالیں کہ امام صاحب کو جن کے صرف حدیث کے چار ہزار استاد ہیں کس قدر بے شمار حدیثیں یاد ہوں گی۔

سوال: غیر مقلد کہتے ہیں کہ امام صاحب کا حافظہ بہت خراب تھا نہ مجتہد نہ امام نہ عالم، صرف زاہد اور عابد تھے۔

امام صاحب ثقہ نہیں ہیں بلکہ ضعیف ہیں اور مذہب ان کا مرجیہ تھا چنانچہ کتاب الانصاف مصنفہ غیر مقلد عبدالکریم صفحہ ۲۴ میں مذکور ہے۔

جواب: متعصبین و دشمنان ائمہ دین و مجتہدین کا یہ دستور ہے کہ حق بات کو چھپانا اور آگے پیچھے کی عبارت اڑا کر عوام الناس کو دھوکہ دینا اور نکتہ چینی بزرگان دین کی کرتے رہنا۔

نباشد نکتہ گیری آدمیت که کار سگ بود آبو گرفتن

دیکھو بڑے بڑے علمائے دین محدثین نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب تیار کئے اور آپ سے روایات لے کر کتابیں بنائیں اور آپ کے فیض ظاہری و باطنی سے معمور ہوئے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مجتہد، محدث اور فقیہ زماں اور حافظہ اور ثقاہت میں سب سے اعلیٰ ان کے ہم عصر محدثین نے اپنی اپنی تصانیف میں لکھا ہے، وہو ہذا:

"وقال علی بن مدینی ابوحنیفة روی عنه الثوری وابن المبارک وحماد بن زید وهشیم ووکیع بن الجراح و عباد بن العوام و جعفر بن عون وهو ثقة"

یعنی کہا علی بن مدینی نے کہ ابوحنیفہ ثقہ تھے، ان سے روایت کیا ہے سفیان ثوری و عبداللہ بن مبارک و حماد بن زید ووکیع بن جراح و عباد بن عوام و جعفر بن عون وغیرہ نے۔

(خیرات الحسان صفحہ ۱۹)

اور کتاب خیرات الحسان ابن حجر مکی صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے:

"قال شعبة واللہ ان ابو حنیفه حسن الفهم جید الحفظ"

یعنی کہا امام شعبہ محدث علامہ نے کہ خدا کی قسم کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فہم میں بہت اچھے اور حافظہ میں بہت جید ہیں اور صاحب نصرۃ المجتہدین صفحہ ۱۸۸ میں بایں طور لکھا ہے:

"قال وقیل لیحی ابن معین یا ابابکر ابو حنیفة کان یصدق فی الحدیث قال نعم صدوق"

کہا موصلی نے کہ سوال کیا ایک شخص نے یحیی بن معین سے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ روایات میں سچے تھے یا نہیں، کہا ہاں وہ صدوق تھے۔ اور ابن حجر مکی شافعی کتاب خیرات الحسان میں لکھتے ہیں:

"مرانه اخذ عن اربعة الاف شیخ من ائمة التابعین وغیرهم ومن ثم ذکره الذهبی وغیره فی طبقات الحفاظ من المحدثین ..... الخ"

یعنی یہ بات گزر چکی ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چار ہزار صحابہ تابعین وغیرہ سے حدیث اخذ کی ہے اس لئے امام ذہبی وغیرہ نے ان کو حفاظ حدیث کے طبقہ میں گنا ہے اور جو شخص قلت حدیث ان سے روایت ہونے کا بیان کرتا ہے۔۔

محض حسد کی وجہ سے ہے کیونکہ چند حدیثیں حاصل کرنے کے سبب سے اس قدر بے شمار مسائل استنباط نہیں کر سکتا

اور کتاب تقریب التہذیب صفحہ ۳۷۲ میں لکھا ہے:

" النعمان بن ثابت الكوفي ابو حنيفة الامام يقال اصله من فارس ويقال مولىٰ بن تيم فقيهٌ مشهورٌ من السادسة مائة سنة خمسين على الصحيح "

اور امام شیخ محی الدین نووی شارح صحیح مسلم نے روضۃ الطالبین میں بایں طور لکھا ہے:

" اما الاجتهاد المطلق فقالوا اختتم بالائمة الاربعة حتى اوجبوا تقليد واحدٍ من هؤلاء على امته ونقل امام الحرمين الاجتماع عليه "

یعنی کہا علمائے دین نے کہ اجتہاد مطلق ختم ہو چکا ہے ساتھ ائمہ اربعہ کے یعنی امام اعظم وامام شافعی وامام مالک وامام احمد بن حنبل رضوان اللہ علیہم اجمعین کے۔ قیامت تک ان چار کے سوا مجتہد مطلق کوئی ہونے والا نہیں پس واجب ہے کہ تقلید ان چار میں سے ایک کی کرے اور حرمین شریفین نے اس پر اجماع قائم کیا ہے اور جو غیر مقلدین فرقہ ظاہریہ وہابیہ نے بحوالہ غنیۃ الطالبین وتاریخ بخاری میں لکھا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرجیہ مذہب تھے اس لئے بخاری نے ان سے روایت نہیں کی افسوس معترض کے دل میں اتنا خیال بھی نہیں گزرا کہ میری چرپزہ اور بے معنی بات کی کچھ اصل بھی ہے یا نہیں

شیوۂ جور و ستم سیکھو نہ ہرگز اے بتو! دیکھو دیکھو ہر کسی کا دل دکھانا منع ہے

اگر امام بخاری وغیرہ نے اس لئے حدیثیں امام صاحب سے نہیں لیں کہ وہ مرجیہ مذہب تھے تو یہ کہنا محض غلط ہے کیونکہ امام بخاری وغیرہ نے تمام مذاہب باطلہ کے لوگوں سے حدیثیں لی ہیں جن کا ذکر جلد اول کے ضمیمہ میں گذر چکا ہے اور خود امام بخاری کے استاذ کے استاذ مرجیہ تھے جن کے نام معترضین کو مختصر طور پر بتلا دیتا ہوں تا کہ ناظرین کو یقین آ جائے:

ابن تیمی مرجیہ تھا۔

(کتاب بخاری باب ظلم دون الظلم)

عمرو بن مرہ مرجیہ تھا۔

(کتاب بخاری باب علامات حب اللہ عزوجل)

زر ہمدانی مرجیہ تھا۔

(کتاب بخاری باب المتیمم ہل ینفخ فیہا)

ترمذی ونسائی وابن ماجہ کا حال بھی عنقریب لکھا جائے گا اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دار قطنی و بخاری نے مرجیہ لکھ دیا تو آپ کے اور ان کے کہنے میں ان کی شان مبارک میں رائی کے دانہ برابر بھی کمی نہیں آ سکتی کیونکہ یہ اعتراض اور اتہام تو

حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر بھی متعصبین نے لگا دیا تھا، دیکھو کتاب اقوال الصحیحہ صفحہ ۱۹۰ و میزان الاعتدال صفحہ ۹ جلد اول اور امام صاحب اس اتہام سے تو بالکل بری ہیں کیونکہ خود اپنی کتاب فقہ اکبر مترجم صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں کہ ہم نہیں کہتے کہ مسلمان کو گناہ ضرر نہیں کرتا اور نہ ہی ہم کہتے ہیں کہ وہ دوزخ میں نہیں جائے گا اور نہ ہی ہم کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اگرچہ بدکار ہو پھر گیا دنیا سے مسلمان اور نہ ہی ہم کہتے ہیں کہ نیکیاں ہماری خواہ مخواہ مقبول اور گناہ ہمارے معاف ہیں کقول المرجیۃ الخ، یعنی جیسا کہ مرجیہ لوگ کہتے ہیں الخ، اور کتاب عقود الجواہر المنیفہ جزو اول صفحہ ۱۱ علامہ سید محمد مرتضی لکھتے ہیں کہ یہ بات بالکل خلاف رائے اور بے اصل ہے، اگر امام صاحب مرجی یا رائی ہوتے تو آپ کے اصحاب بے شک آپ کی رائے کے برخلاف ہوتے، حالانکہ تمام متفق ہیں اور ایک دو شخص کی بات اتنی مخلوقات کے مقابلہ میں کب تسلیم ہو سکتی ہے۔

"ولم یصدق فی دعواہ حتی ان الصلوۃ عند ابی حنیفۃ خلف المرجیۃ لاتجوز الخ"

یعنی اس کو اپنے دعویٰ میں سچا نہ تصور کیا جائے گا یہاں تک کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرجیہ کے پیچھے نماز جائز نہیں اور امت کا اجماع اس بات پر ہو چکا ہے کہ امام اعظم ائمہ اربعہ میں سے ہیں جن پر سب کا اتفاق ہو چکا ہے۔ پس یہ اتہام امام صاحب پر متعصبین کا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر امام بخاری و دار قطنی وغیرہ نے امام صاحب کو مرجیہ مذہب میں گنا ہے تو یہ کہنا ان کا چند وجہ سے قابل تسلیم نہیں کیونکہ یہ لوگ ان کے ہم زمانہ و ہم طبقہ نہیں ہیں کوئی تیسری صدی اور کوئی چوتھی صدی کا ہے اور یہ محض ان کی سنی سنائی باتیں ہیں جن کی کوئی اصل نہیں چنانچہ کتاب الاقوال الصحیحہ صفحہ ۱۹۲ بحوالہ کتاب شرح مواقف و کتاب ملل نحل میں لکھا ہے کہ یہ اتہام فرقہ خارجیہ و معتزلہ وغیرہ دشمنان نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر لگا دیا ہے جیسے کہ عستان کوفی و ابن زہویہ و ابن قتیبہ و جابر جعفی و خطیب بغدادی اور حالانکہ جابر جعفی وغیرہ کاذب و متعصب ہیں چنانچہ کتاب حیوۃ الحیوان جلد اول صفحہ ۲۸۰ اور کتاب اقوال الصحیحہ صفحہ ۵۶ اور ابن حجر مکی نے کتاب خیرات الحسان صفحہ ۶۶ و ۶۷ میں لکھا ہے کہ یہ محض بے اصل اور افتراء امام صاحب پر ہے، امام صاحب مرجی نہ تھے اور علاوہ اس کے جو معترض نے غنیۃ الطالبین کا حوالہ دیا ہے پیر صاحب نے امام اعظم کوفی کو مرجیہ لکھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بڑے بڑے علمائے دین و مؤرخین نے کوثر النبی اور مولوی غلام قادر بھیروی نے کتاب نور ربانی کے اختتام پر لکھا ہے کہ یہ کتاب غنیۃ الطالبین جو مشہور ہے پیر صاحب کی نہیں اور بڑے بڑے بزرگان دین کی زبانی سنا گیا ہے کہ یہ کتاب پیر محی الدین سید عبد القادر کی نہیں ان کی کتاب واقعی فتوح الغیب ہے اور مولوی عبد الحکیم فاضل سیالکوٹی اسی کے ترجمہ فارسی میں لکھتے ہیں کہ یہ عبارت کسی معتقد نے ملا دی ہے اور میرا بھی یہی خیال ہے کہ یہ عبارت کسی متعصب دشمن مذہب حنفی نے اس میں درج کر دی ہے کیونکہ اسی کتاب غنیۃ الطالبین مترجم ترجمہ شیخ محی الدین مطبوعہ اسلامیہ صفحہ ۱۲۰ فصل "والذی یؤمر بہ وینکر علی صربین" میں لکھا

ہے کہ نہیں جائز واسطے فقیہ اور واعظ کے کہ تردید اور انکار کرنا مسائل اختلافیہ میں جن کو ائمہ اربعہ نے اجتہاد سے اخذ کیا ہے اور نہیں جائز واسطے شافعی اور حنبلی کے کہ تردید کرے مسائل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اور نہیں جائز کسی کو کہ اٹھائے دل کی تخم کا مذہب شافعی اور حنبلی سے کیونکہ اٹھانا ان کا جماعت میں تفرقہ ڈالنا ہے ..... الخ۔ پس اس عبارت سے معلوم ہوا کہ پیر صاحب کے نزدیک بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحب حق اور سچے مذہب والے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ جو اتہام امام صاحب کے مذہب پر مرجیہ ہونے کا اس میں درج ہے کسی متعصب ضدی حسدی وہابی نجدی کا بن بنایا ہے۔ پیر صاحب مذہب حنفی کو اعلیٰ جانتے تھے ورنہ اس مذہب کی تردید کرتے اور کتب تواریخ وتصوف میں لکھا ہے کہ پیر صاحب مذہب حنفی کو اعلیٰ جانتے تھے اور آخری عمر کے حصہ کو اسی مذہب پر پورا کیا اور علاوہ اس کے اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ عبارت پیر صاحب کی ہے تو بھی اس سے امام صاحب کا مرجیہ ہونا ثابت نہیں ہوتا، وہو ہذا:

"واما الحنفية فهم اصحاب ابی حنيفة النعمان بن ثابت ..... الخ"

یعنی اے پر حنفیہ وہ یار ابوحنیفہ بن ثابت کے ہیں۔ انہوں نے یہ زعم کیا کہ تحقیق ایمان ومعرفت خدا کی اور اقرار کرنا ساتھ خدا اور اس کے رسول کے اور ساتھ اس چیز کے جو آئی ہے خدا کے پاس سے اجمالی طور پر جیسے کہ ذکر کیا اس کو برہوتی نے کتاب شجرہ میں، انتہی۔ پس اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ اس میں کہاں لکھا ہے کہ امام صاحب مرجی تھے۔ فقط

﴿ انَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾

سوال: کتاب بخاری میں کوئی حدیث ضعیف ہے یا نہیں، اگر اس میں ضعیف ہیں تو پھر ان کو اصح کتاب بعد کتاب اللہ کس لئے کہا جاتا ہے اور ترمذی ونسائی وابن ماجہ وابوداؤد کا کیا حال ہے؟

جواب: کتاب بخاری ومسلم وابن ماجہ وترمذی ونسائی وابوداؤد ومسند امام احمد حنبل کے بارہ میں علمائے دین محدثین نے لکھا ہے کہ یہ کتابیں ضعف سے خالی نہیں مانند دیگر کتابوں کے ہیں اور یہ کتابیں جو صحاح ستہ کہلاتی ہیں مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید میں بہت اعلیٰ اور صحیح ہیں۔ کیونکہ ان کے مؤلف شافعی المذہب تھے اور بخاری شریف کو اصح وجہ تغلیب کے کہا جاتا ہے کیونکہ ان میں اکثر حدیثیں صحیح ہیں اور اس میں بہت کم ضعیف چنانچہ نصرۃ المجتہدین وشرح نخبہ ملا علی قاری وابن حجر وتذکرہ محمد طاہر پٹنی اور الاجوبۃ الفاضلۃ عن الاسئلۃ العشرۃ الکاملہ مولانا مولوی عبدالحی وغیرہ میں دیکھو اگر کسی صاحب کو شک ہو تو جلد اول کتاب سلطان الفقہ کے ضمیمہ میں اصل عبارتیں اور صفحہ نوٹ دیکھ لے ورمرد میدان ہو کر صحاح ستہ کے صحیح ہونے پر دلائل بیان کرے۔

سوال: بخاری شریف کی تمام حدیثیں موافق ومطابق قرآن مجید کے ہیں یا نہیں؟

جواب: بخاری شریف کی بہت سی حدیثیں کتاب اللہ کے برخلاف ہیں چنانچہ کتاب بخاری جلد دوم کتاب

خصومات باب " اذا اظلم المسلم یھودیا " میں حدیث مذکور ہے:

" عن ابی سعید عن النبی ﷺ لا تخیروا بین الانبیاء "

یعنی کہا ابوسعید نے کہ فرمایا آپ نے کہ بعض پیغمبر کو بعض سے بہتر مت کہو:

﴿ تلک الرُّسُلُ فضّلنا بعضھم علی بعض ﴾

یعنی دی اللہ نے فضیلت بعض کو بعض پر۔

﴿ ولقد فضّلنا بعض النّبیّین علی بعض ﴾

بے شک ہم نے بزرگی دی بعض پیغمبروں کو بعض پر

پس ان ہر دو آیت کے برخلاف حدیث مذکور ہے اور یہ کوئی بھی فرد تسلیم نہیں کر سکتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے خلاف قرآن مجید کے حکم فرمایا ہوگا اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں درج ہیں جن کا ذکر تیسری جلد میں ان شاء اللہ ہو گا۔

سوال : کیا بخاری میں حدیثیں ایک دوسرے کی مخالفت میں بھی وارد ہیں یا نہیں؟

جواب : بے شک بخاری میں ایک دوسرے کے خلاف بھی بہت حدیثیں درج ہیں چنانچہ کتاب الصوم باب الحجامت میں لکھا ہے:

" ویروی عن الحسن عن غیر واحد الخ مرفوعاً فطر الحاجم والمحجوم الخ "

یعنی روایت کی جاتی ہے حسن سے وہ کئی ایک سے مرفوع کر کے کہ روزہ کھولا سنگی لگانے والے اور لگوانے والے نے:

" عن ابن عباسٍ ان النبی ﷺ احتجم وھو محرم واحتجم وھو صائم "

یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ آپ نے سنگی لگوائی باوجودیکہ آپ روزہ دار تھے یہ دونوں حدیثیں بالکل ایک دوسرے کی مخالف ہیں، پہلی حدیث سے تو یہ ثابت ہوا کہ خون نکالنے والے اور نکلوانے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور دوسری سے ثابت ہوا کہ آپ نے حالت روزہ میں خون نکلوایا، پس اگر پہلی حدیث کو صحیح مانا جائے تو دوسری غلط اور اگر دوسری کو صحیح تصور کیا جائے تو پہلی غلط۔

سوال : بخاری میں کوئی حدیث ضعیف بھی ہے یا نہیں؟

جواب : بخاری میں بہت حدیثیں ضعیف ہیں لیکن ناظرین کے واسطے صرف ایک ہی حدیث لکھ دیتا ہوں وہو ہذا:

" ویروی عن ابن عباس وجرھد و محمد بن جحش عن النبی ﷺ الفخذ عورۃ و قال انس حسر النبی ﷺ عن فخذہ الخ "

(کتاب بخاری صفحہ ۳ باب ما یذکر فی الفخذ)

یعنی روایت کی جاتی ہے ابن عباس اور جرہد اور محمد بجش سے وہ روایت کرتے ہیں حضور سے کہ ران ستر ہے کہا اس نے کہ کپڑا اٹھایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ران اپنی سے ۔۔۔ الخ۔ اس حدیث کو علمائے محدثین نے ضعیف لکھا ہے اور اسی طرح مولوی عبدالجبار غزنوی صاحب نے اسی حدیث کے حاشیہ پر بایں طور لکھا ہے اور وہ عبارت بعینہٖ یہ ہے۔

(۲) ابن عباس کی روایت کو ترمذی موصولاً لایا ہے مگر اس کی اسناد میں ابو یحییٰ قتات ضعیف ہے اور جرہد کی روایت کو مالک موطا میں الخ اور خود امام بخاری، اپنی تاریخ میں بسبب اضطراب اس کو ضعیف لکھا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

سوال: چار مذہب کس نے بنائے جب کہ دین محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک ہے تو یہ کیوں ایک نہیں؟

جواب: ان چار مذاہب کا ہونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی سے ثابت ہے چنانچہ کتاب بحر الاسرار صفحہ ۱۶۰ میں لکھا ہے، وہو ہذا:

"وقد ذکر الشعرانی فی المیزان سند الائمة الاربعة وقدم الامام فقال الامام ابو حنیفة عن عطاء عن عباس عن النبی ﷺ عن جبرائیل عن اللہ عزوجل ثم اعقبه بالامام مالک فقال الامام مالک عن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ عن جبرائیل عن اللہ عزوجل ثم اعقبه بالامام الشافعی فقال الشافعی عن مالک الیٰ اخر السند ثم اعقبه بالامام احمد بن حنبل عن الشافعی عن مالک الیٰ اخر السند رضی اللہ تعالیٰ عنهم الخ"

یعنی تحقیق ذکر کیا شعرانی نے میزان میں سند چاروں اماموں کی اور مقدم کیا ابو حنیفہ کو اور کہا امام ابو حنیفہ نے روایت کی ہے عطا سے انہوں نے ابن عباس سے انہوں نے حضرت ﷺ سے انہوں نے جبرائیل اور انہوں نے اللہ عزوجل سے، پھر پیچھے لایا اس کے امام مالک کو پس کہا امام مالک نے روایت ہے نافع بن عمر سے انہوں نے حضرت سے انہوں نے جبرائیل سے انہوں نے اللہ عزوجل سے اور پھر اس کے پیچھے لے آیا امام شافعی کو پھر کہا شافعی نے مالک سے یعنی روایت کی آخر سند تک پھر اس کے پیچھے لایا امام احمد حنبل کو، روایت ہے شافعی سے انہوں نے مالک سے آخر سند تک راضی رہے اللہ تعالیٰ ان سب سے اور ایک روایت ابو ہریرہ سے بایں طور مذکور ہے کہ فرمایا آپ ﷺ نے:

"ان آدم افتخر بی وانا افتخر برجل من امتی اسمه نعمان و کنیته ابو حنیفة وهو سراج امتی"

یعنی آدم علیہ السلام نے فخر کیا ساتھ میرے اور میں فخر کرتا ہوں ایک مرد سے اپنی امت میں سے نام جس کا نعمان اور کنیت جس کی ابو حنیفہ ہے اور وہ میری امت کا چراغ ہے اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا آپ نے کہ تمام فخر کرتے ہیں مجھ سے اور ہم فخر کرتے ہیں ابو حنیفہ سے جو شخص اس کو دوست رکھے اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے اس کو دشمن رکھا اس نے مجھے دشمن رکھا، ہکذا فی تقدمۃ ابی اللیث اور تقلید شخصی برائے دفع فساد اور باعث مصلحت دین معین ہے چنانچہ کتاب عقد الجید

۳۶ میں محدث دہلوی نے تحریر کیا ہے:

" اعلم فی اخذ بهذه المذهب الاربعة مصلحة عظيمة وفی الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة الخ "

یعنی تقلید آئمہ اربعہ دین اسلام میں بہت بڑی مصلحت ہے اور اس کے چھوڑ دینے میں بہت خرابی ہے چنانچہ ہمارے زمانہ میں مشاہدہ ہو رہا ہے کہ دیکھا دیکھی عوام الناس جن کو نہ علم عربی نہ فارسی نہ مشکلات فقہ سے آگاہی ہے وہ تارک تقلید شخصی کو بدعت اور شرک کہنے لگے اور اپنے آپ کو میاں منھ طوطا کہلوایا، باقی ذکر اس کا تیسرے جلد میں مفصل بادلائل قاطعہ کیا جائے گا۔

سوال: محدث کس کو کہتے ہیں اور یہ جو ہمارے زمانہ میں فرقہ غیر مقلدین صرف صحاح ستہ یا مشارق الانوار و مشکوٰۃ پڑھے ہوئے کو محدث کہہ دیتے ہیں یہ کیونکر ہے؟

جواب: محدث وہ ہوتا ہے جس کے دل پر خداوند کریم کی طرف سے القاء اور الہام اور فرشتے اس سے کلام کریں چنانچہ کتاب تفریح الاحباب صفحہ ۱۲۷ کے حاشیہ پر حدیث ابو ہریرہ مسطور ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

" قال قال رسول الله ﷺ لقد كان فيما قبلكم محدثون وان يكن فی امتی احد فكان عمر "

(رواہ البخاری)

یعنی فرمایا آپ نے کہ پہلے نبیوں کی امتوں میں محدث ہوتے رہے ہیں اگر میری امت میں محدث ہے تو عمر اور محدث ہونے کے لئے بہت حدود مقرر ہیں چنانچہ نبراس میں لکھا ہے کہ جب کوئی طالب علم امام بخاری کے پاس حدیث سیکھنے کے لئے آتا تو فرماتے:

" يا ابنی الا تدخل فی امر الا بعد معرفة حدوده الوقوف على مقاديره "

یعنی اے بیٹے میرے مت داخل ہو کسی امر میں مگر بعد پہچاننے حدود اور واقف ہونے اس کے اندازوں کے اور کہا:

" اعلم ان الرجل لا يصير محدثا كاملاً فی حديثه الا بعد ان يكتب اربعاً مع اربع كاربع مثل اربع فی اربع عند اربع باربع على اربع لاربع عن اربع لاربع ـــ الخ "

یعنی جان لو تحقیق آدمی نہیں محدث کامل ہوتا اپنی حدیث میں مگر بعد اس کے لکھے چار کو ساتھ چار کے مشابہ چار کے مثل چار بیچ چار کے نزدیک چار کے ساتھ چار کے اوپر چار کے واسطے چار کے واسطے چار کے ـــ الخ اور یہ تمام رباعیات نہیں پورے ہوتے مگر بسبب چار کے ساتھ چار کے، پس جب کہ پوری ہو جائیں واسطے اس کے تمام آسان ہوں گے اوپر اس کے ـــ الخ۔

(نقل از عبد الحی علامہ فرنگی محلی صفحہ ۲۲)

ان شاءاللہ اس کا ذکر جلد چہارم میں کیا جائے گا۔ کتاب ط باب ۳ فصل ۴ میں لکھا ہے:

" واما فی زماننا هذا فلا یوله فیه حافظ الحدیث ایضاً بل المحدث الکامل بل شیخ الفاضل بل عدم فیه الطالب الصادق والمبتدی الراغب "

(هکذا فی نسخ صفحه ۲)

یعنی ہمارے اس زمانہ میں کوئی محدث نہیں ہوتا اور نہ ہی حافظ حدیث بلکہ شیخ کامل اور طالب صادق اور مبتدی راغب بھی معدوم ہے اور صدیق حسن قنوجی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

"فالحدیث فی هذه الزمان قراة الصبیان دون اصحاب الایقان وهم فی غفلتهم یعمهون الخ"

یعنی حدیث اس زمانہ میں بچوں کے پڑھنے کے لئے ہے نہ واسطے اصحاب یقین کے اور وہ اپنی غفلت میں حیران ہیں۔ پس ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں محدث کامل چھوڑ ناقص بھی نہیں رہا لہذا صاحبان کو چاہئے اس قدر پڑھے ہوئے کو محدث نہ کہیں ورنہ مستوجب سزا کے ہوں گے چنانچہ حدیث میں ہے:

" احثوا التراب فی وجوه المداحین "

یعنی فرمایا آپ نے کہ خاک ڈالو ان کے مونہوں میں جو بے جا مدح کرتے ہیں.....الخ۔

واللہ اعلم بالصواب

سوال: مناظرہ کرنا جائز ہے یا نہیں اور مناظر کو بوقت مناظرہ کیا کیا کام کرنا چاہئے؟

جواب: بیشک مناظرہ کرنا بالغرض طلب حق و بانیت خیر جائز ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾

یعنی جب کہ حضور نے مذاہب باطلہ کو اسلام کی طرف دعوت کی تو ان میں سے اہل علم مذاہب باطلہ وعقائد فاسدہ نے کہا کہ ہم تمہاری دعوت کو نہیں مانتے اور نہ ہی ہم تجھ کو صادق سمجھتے ہیں۔ تب کہا اللہ تعالیٰ نے کہ اے میرے حبیب کہو ان کو کہ اگر تم کو شک ہے۔ اس چیز میں جو اتاری اللہ نے اپنے بندہ پر پس لے آؤ اس کو مانند اس کے اور پکارو شاہدوں اپنوں کو سوائے اللہ کے اگر ہو تم سچے، غرض یہ کہ تاریخ معینہ پر مناظرہ ہوا اور وہ تمام عاجز ہو گئے اور ائمہ سلف وخلف سے اس کا ثبوت کتب تواریخ میں موجود ہے اور مناظرہ کو بوقت مناظرہ مضبوط اور پختہ بات کہنی چاہئے اور بے معنی اور کلمہ مہملہ اور ہنسی اور مذاق اور فحش و بیہودہ بات سے اجتناب کرے اور فریق ثانی کی بات کو غور سے سنے اور اپنے وقت معینہ کا خیال رکھے اور غضب اور زبان درازی کو روک رکھے چنانچہ کتب مناظرہ میں لکھا ہے:

" ویجب علی المناظر ان یتجرز عما لا مدخل له فی المقصود لئلا یخرج الکلام عن الضبط ولئلا یلزم البعد عن المطلوب "

یعنی واجب ہے مناظر کو کہ بچے اس سے جس کو دخل نہیں مقصود میں تا کہ نہ جائے کلام ضبط سے اور نہ لازم آئے دوری مطلوب سے۔

سوال : غیر مقلد کہتے ہیں کہ ہم لوگ امام صاحب کے پیرو ہیں کیونکہ امام صاحب نے کہا جب میرا قول حدیث صحیح کے برخلاف ہو تو اس کو چھوڑ دو اور حدیث صحیح کو مان لو تو ہم لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنے میں فی الواقع وہ امام صاحب کے پیرو ہیں؟

جواب : ان لوگوں کا یہ کہنا کون صاحب عقل سلیم مان سکتا ہے۔

کی بناوٹ بہت سی باتوں میں پھر کہیں چھپتی ہے بنائی بات

خدا تعالیٰ ان کے دھوکے سے مسلمانوں کو بچائے اور یہ ہر ایک فرد اہل سنت و جماعت اس بات کا واقف ہے کہ یہ لوگ ہر وقت ہر مسئلہ میں امام صاحب پر اعتراض کرتے رہتے ہیں اور کتب فقہ حنفیہ کو گندگی اور گوبر سے تعبیر کرتے ہیں اور امام صاحب کو مرجیہ اور لاعلم اور کم عقل اور بے سمجھ اور ضدی اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں دیکھو کتاب بوئے خسلین از عبدالجلیل سامروی اور بوئے سرگین غلام یٰسین دہلوی اور الانصاف از عبدالکریم وغیرہ وغیرہ اور یہ جو بعض غیر مقلدین ہر دلعزیز وعظ میں عوام الناس کے سامنے مناقب اور تعریف امام صاحب کی کرتے ہیں یہ ان کی محض دھوکہ بازی ہے ورنہ کسی مسئلہ میں تو امام کی پیروی کرتے اور یہ جو امام صاحب نے فرمایا ہے کہ:

"اترکوا قولی بخبر رسول اللہ اذا صح الخ"

یعنی جب کہ میرے قول کو مخالف حدیث صحیحہ کے پاؤ تو اس وقت اس کو چھوڑ دو، معترض صاحب پہلے تو امام صاحب کا ایسا کوئی مسئلہ ہی نہیں جو کہ قرآن مجید اور حدیث شریف کے برخلاف ہو اور جس کے ثبوت پر فقیر نے قلم اٹھایا ہے لیکن پھر بھی امام صاحب (ا) کا یہ فرمانا ان کے کمال تقویٰ و دیانت و احتیاط عمل بصحیح الروایات پر دلالت کرتا ہے کہ امام صاحب نے باوجود تحقیق مسائل شرعیہ و تحقیق دلائل اصلیہ و فرعیہ و قوت توفیق احادیث تاقفہ و ملکہ ترجیح مسلک مختار صحابہ و تنقید رجال و تصحیح اسانید علی درجہ کمال اپنے شاگردوں کو یعنی امام محمد و ابو یوسف وغیرہ جن کو یہ طاقت و قوت اجتہاد و استنباط کی تھی کہ بلا کسی غرض وطرفداری کے فرمایا:

"اترکوا قولی بخبر الرسول اذا صح"

(نقل از فصل الخطاب صفحہ ۲ و فتح المنان صفحہ ۳۹۸)

یعنی جب کہ قول میرے کو حدیث صحیح کے برخلاف پاؤ تو اس کو چھوڑ دو اور صاحب موہبی نے بحوالہ رد المختار و میزان الشعرانی کے لکھا ہے:

" ولا یخفی ان ذلک لمن کان اھلا للنظر فی النصوص ومعرفة محکمھا من منسوخھا فاذا نظر اھل المذھب فی دلیل وعمل بہ صح نسبتہ الی مذھب ـــــ الخ "

یعنی ظاہر ہے کہ یہ اشارہ امام کا اس شخص کے حق میں ہے جو نصوص شرع میں نظر اور ان کے محکم و منسوخ کو پہچاننے کی لیاقت رکھتا ہو تو جب صاحب مذہب دلیل ہی میں نظر فرما کر اس پر عمل کرے تو اس وقت اس کی نسبت مذہب کی طرف صحیح ہے اور بے شک جو شخص چار منازل جو کہ مجتہد فی المذہب کے لئے مقرر ہیں ان کو طے کیا جائے جیسا کہ امام محمد و امام ابو یوسف ہیں تو ایسے شخص کو یہ منصب حاصل ہے نہ کہ صحاح ستہ و توضیح تلویح وغیرہ کتب عبور کنندہ کے لئے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اور صاحب فتح المبین علامہ شعرانی نے لکھا ہے:

" وھو محمول علی من اعطی قوة الاجتھاد ـــــ الخ "

یعنی یہ امر اس کے لئے کہ جو شخص طاقت اجتہاد کی رکھتا ہو۔ صاحبان فرقہ وہابیہ کے فریبوں سے بچنا اور ان کے ظاہری معنوں پر مت چلنا فقط۔

سوال: امام صاحب کے کئی مسائل میں صاحبین کس لئے مخالف ہوئے اور ہم مولویوں کو بھی ان پر اعتراض کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

جواب: اوپر کی عبارت سے واضح ہو چکا ہے کہ وہ صاحب مجتہد فی المذہب تھے اور ان کو اجازت تھی اور امام ابو یوسف صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے امام صاحب کے کسی مسئلہ میں کبھی مخالفت نہیں کی، دیکھو الفضل الموہبی صفحہ ۱۳ بحوالہ تذکرۃ الخطباء:

" ماخالفتہ فی شیٔ قط فتدبرتہ الا رایت مذھب الذی ذھب الیہ انجی فی الاخرة وکنت ربما ملت الی الحدیث فکان ھو ابصر بالحدیث الصحیح منی "

یعنی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے کسی مسئلہ میں امام صاحب کے خلاف کر کے غور کیا ہو مگر یہ کہ انہیں کے مذہب کو آخرت میں زیادہ سبب نجات کا پایا اور بارہا ہوتا کہ میں حدیث کی طرف جھکتا پھر تحقیق کرتا تو امام صاحب مجھ سے زیادہ حدیث کی نگاہ رکھتے تھے الخ۔ اگر صاحبین اور امام صاحب کے درمیان کہیں اختلاف مسائل میں واقع ہوا ہے تو وہاں مسائل فروع میں ہے نہ اصول مذہب میں اور علامہ شیخ الاسلام نے بایں طور لکھا ہے کہ خبردار کہ کسی مجتہد کے قول پر انکار یا اس کو خطا کی طرف مت نسبت کرنا جب تک کہ ان کے معانی اور رستے جان نہ لو الخ۔ پس اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کسی عالم فاضل اجل کو بھی یہ حق نہیں کہ ان بزرگان پر اعتراض کرے یا ان کے مخالف ہو کر چلے، فتدبروا۔

سوال : بدون لیاقت وطاقت اجتہاد واستنباط یعنی فقہ کے علم حدیث پڑھنے سے کیا ہوتا ہے؟

جواب : امام سفیان ابن عیینہ محدث جو کہ امام بخاری ومسلم وشافعی واحمد کے استاذ ہیں فرماتے ہیں:

" الحدیث مضلة الا للفقهاء "

(نقل از موضح صفحہ)

یعنی حدیث سخت گمراہ کرنے والی ہے مگر مجتہدوں کو یعنی جس کو، قوت اجتہاد کی ہے اس کو نہیں گمراہ کرتی۔

سوال : غیر مقلد کہتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو علم حدیث نہ تھا، صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں کیا ان کا یہ کہنا درست ہے یا غلط؟

جواب : یہ محض ان کا تعصب ہے، دیکھو کتاب خیرات الحسان میں ابن حجر مکی نے کیا لکھا ہے ایک روز امام اعمش محدث نے امام صاحب سے چند مسائل دریافت کئے، آپ نے ان کو ہر مسئلہ کا جواب باصواب دیا اور امام اعمش نے کہا کہ یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کئے، آپ نے کہا جو آپ نے حدیثیں سنی ہیں۔ پھر امام صاحب نے وہ حدیثیں سنا بھی دیں۔ پھر امام اعمش نے کہا:

" حسبک ما حدثتک به فی مائة یوم لتحدثنی به فی ساعة واحدة ما علمت انک تعلم بهذه الاحادیث یا معشر الفقهاء انتم اطباء ونحن الصیادلة وانت ایها الرجل اخذت بکلا الطرفین الخ "

یعنی بس کیجئے جو حدیثیں میں نے آپ کو سو دن میں سنائی تھیں وہ آپ ایک ساعت میں سنا دیتے ہیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ حدیثوں پر عمل کرتے ہیں۔ اے فقہ والو تم لوگ طبیب ہو اور ہم محدث لوگ عطار ہیں، یعنی دوائیں پاس ہیں لیکن ان کے استعمال کرنے کا طریقہ یاد نہیں اور تم لوگ مجتہد اچھی طرح جانتے ہو۔

﴿ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ﴾

سبحان اللہ جب کہ بڑے بڑے محدث مثلاً امام حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ وامام موفق رحمۃ اللہ علیہ وامام کروری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مناقب میں کتابیں تیار فرمائیں تو ان متعصبین کی بات کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے **فافهم**۔

سوال : کوئی شخص صرف کتب صحاح ستہ وترجمہ قرآن مجید اور قدرے علم معقول بھی جانتا ہو کیا ایسے شخص کو کسی مجتہد کے فتوی پر عمل کرنا چاہئے، یا صرف قرآن مجید واحادیث کے ظاہری معنوں پر عمل اور فتوی دینا چاہئے؟

جواب : ایسے شخص کو ظاہر معنی قرآن مجید وحدیث شریف پر عمل کرنا اور فتوی دینا نہ چاہئے چنانچہ فاضل سندھی کتاب ذوالفقار صفحہ ۸۴ بحوالہ کتاب نضرۃ الحنفیہ علامہ ملا علی قاری میں لکھا ہے:

" اما العمل بظواهر القرآن والاحادیث فلیس شان المحققین ولا برهان المدققین من اهل

السنة وانما هو طريق واتباع الظاهري واعماله من اهل البدعة"

یعنی قرآن اور احادیث کے ظاہر معنی پر عمل کرنا شان محققین فقہاء کرام کی نہیں کیونکہ یہ طریقہ داؤد ظاہری اور ان کے اور اہل بدعت کا تھا۔

غرض یہ کہ جب تک علم قرآن مجید اور حدیث شریف کی واقفیت پورے طور پر نہ کرے اور علم معانی ولغات عرب ناسخ و منسوخ صحیح اور غیر صحیح اور طاقت اجتہاد پیدا نہ کرلے اس کو قرآن مجید اور حدیث شریف کے ظاہری معنوں پر فتویٰ نہ دینا چاہئے اور نہ ہی ظاہر معنوں پر عمل کرنا چاہئے چنانچہ کتاب غلط الجید صفحہ ۳۳ میں مذکور ہے:

"وفی المسئلة قولٌ اخر وهو انه اذ لم يجتمع الاف الاجتهاد لايجوز له الحمل الحديث بخلاف مذهبه لانه لايدرى انه منسوخٌ او مؤل او محكمٌ محمولٌ على ظاهره ومال الى هذا القول ابن الحاجب فى مختصره وتابعوه"

اس مسئلہ میں ایک اور قول ہے وہ یہ ہے کہ جب تک سامان اجتہاد کے نہ ہوں تو مذہب کے خلاف حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ یہ حدیث منسوخ ہے یا اس کی کوئی اور تاویل کی گئی ہے یا یہ حدیث محکم اپنے ظاہر پر ہے اور ابن حاجب مع اپنے تابعین اپنی کتاب مختصر میں اس قول کی طرف مائل ہے۔

(نصرة المحسنين)

فتدبروا ، والله اعلم

سوال: قرآن مجید وحدیث سمجھنے کے لئے کس قدر علم ہونا چاہئے؟

جواب: علم صرف ونحو، لغت اور معانی وغیرہ قواعد سے ضرور اور ماہر ہونا چاہئے، تاکہ دھوکہ میں نہ پڑ جائے چنانچہ کتاب نبراس بحوالہ کتاب حط فصل وباب اول سے لکھا ہے:

"لا بد ان يتقدمه العربية لانه متوقف عليها وهى علم اللغة والبيان ونحو ذلك الخ"

یعنی ضروری ہے کہ سیکھے پہلے علم عربی اس لئے کہ علم قرآن مجید وحدیث شریف اس پر موقوف ہے اور وہ علم لغت ونحو، بیان وغیرہ ہے۔

"عن هذا العلم وهى كونه حقيقة و مجازا و كنايةً وصريحاً و عاماً وخاصاً ومطلقاً و مقيداً و محذوفاً و مضمراً و منطوقاً و مفهوماً و اقتضاء واشارة وعبارة و دلالة تنبيهاً وايماء ونحو ذلك مع كونه على فان العربية الذى بينه النحاة بتفاصيله وعلى قواعد الاستعمال العرب وهو المعبر عنه بعلم اللغة"

یعنی جو شخص نہ جانے زبان عربی ساتھ اقسام اس کے کہ وہ ایک طرف ہے اس کے سمجھنے سے اور ہونا اس کلام کا حقیقت ومجاز وکنایہ وصریح وعام وخاص ومطلق ومقید ومحذوف ومضمرات ومنطوق ومفہوم واقتضاء واشارت عبارت ونبہ

والیماء اور مانند اس کے قادر ہو اوپر قاعدہ کے جو بیان کیا اس کو نحویوں نے اوپر استعمال کرنے قاعدہ عرب کے جس سے تعبیر کرتے ہیں ساتھ علم لغت کے الخ۔ پس جس کو اس قدر علم نہیں اس کو قرآن مجید کی تفسیر کرنا جائز نہیں۔

سوال: علم فقہ کا کیا ثبوت ہے؟ اس کو کس نے رواج دیا؟ قرآن مجید اور حدیث شریف سے جواب دو؟

جواب: علم فقہ کا ثبوت قرآن مجید و احادیث صحیحہ سے ہے، وہو ہذا القولہ تعالیٰ:

﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ، فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ ﴾

یعنی مومنوں کو یہ بات جائز نہیں کہ تمام وہ غزا میں جائیں کیوں ہر فرقہ سے باہر نہیں گیا اور باقی لوگ فقاہت حاصل کریں یعنی سمجھ دین میں حاصل کریں، القولہ تعالیٰ:

﴿ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ﴾

یعنی جس کو سمجھ دین کی ملی اس کو بہت بھلائی حاصل ہوگی ..... الخ اور فقہ کے معنی سمجھنے اور جاننے کے ہیں اور اس کا پڑھنا ہر ایک مسلمان کو ضروری ہے اور اس کی فضیلت پر کتب علم حدیث مالا مال ہیں چنانچہ بخاری و ترمذی و سنن دارمی وغیرہ میں یہ حدیث مذکور ہے:

"من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین"

یعنی فرمایا آپ نے کہ جس کے ساتھ اللہ نیکی کرنا چاہتا ہے تو اس کو دین میں سمجھ اور شریعت کا بھید اس پر کھول دیتا ہے اور مشکوٰۃ شریف میں ابن عباسؓ سے مروی ہے:

"فقیہ واحدٌ اشد علی الشیطان من الف عابد"

یعنی فرمایا آپ نے کہ ایک فقیہ ہزار عابد سے بڑھ کر شیطان پر سخت تر ہے اور ترمذی اور ابوداؤد میں ہے کہ آپ نے معاذ بن جبل کو قاضی بنا کر یمن کو بھیجا اور فرمایا کہ اگر کوئی مقدمہ تیرے پاس آئے گا تو اس کا کس طرح فیصلہ کرے گا، انہوں نے کہا کتاب اللہ سے، آپ نے فرمایا کہ اگر تو اس سے نہ پائے تو پھر کیا کرے گا۔ انہوں نے کہا سنت رسول اللہ سے آپ نے فرمایا اگر یہ بھی نہ پائے تو پھر کیا کرے گا۔ انہوں نے کہا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ نے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور انہوں نے شکریہ ادا کیا اور حدیث میں ہے کہ آپ کی ذات ایک دو صحابہ کے گروہ پر گذری تو فرمایا کہ یہ ایک گروہ دوسرے سے افضل ہے، ایک تو رغبت اور عاجزی کے ساتھ دعا مانگتا ہے چاہے اللہ تعالیٰ ان کا مقصود دے یا نہ دے اور دوسرا گروہ فقہ سیکھتا ہے اور جاہلوں کو سکھاتا ہے۔ لیکن یہ ان سے افضل و اکمل ہے اور مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ فرمایا آپ نے آئیں گے آدمی تمہاری طرف اقطار زمین کے سے سمجھ لینے کے لئے پس جب آئیں تو تم ان کے ساتھ بھلائی کرو اور ان کو قبول کرو اور صاحب شامی نے لکھا ہے کہ فقہ کا کھیت عبداللہ بن مسعود نے بویا اور علقمہ بن قیس نے اس کو سینچا اور ابراہیم نخعی

نے اس کو کانا اور حماد بن مسلم نے اس کو ماٹھا، یعنی بھوسہ سے اناج کو جدا کیا اور ابو حنیفہ نے اس کو پیسا اور ابو یوسف نے اس کو ہندھا اور محمد بن حسن نے اس کی روٹیاں پکائیں اور باقی اس کے کھانے والے ہیں غرض یہ کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو کمال پر پہنچایا اور بابوں پر کتابیں مرتب کیں اور امام مالک نے بھی انہی کی پیروی کتاب موطا میں کی، یہاں تک کہ علم فقہ کی ترقی ہوتی گئی۔

(ھکذا فی کتاب التحف صفحہ)

سوال: مسائل مذہب حنیفہ کے کتنی قسم پر ہیں؟

جواب: تین قسم پر ہیں پہلی قسم ظاہر الروایۃ جو کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وصاحبین سے مروی ہو اور ظاہر الروایۃ کی چھ کتابیں ہیں اور انہی کو اصول ستہ بھی کہا جاتا ہے وہ ہیں:

(۱) مبسوط (۲) جامع الصغیر (۳) جامع الکبیر (۴) زیادات (۵) سیر صغیر (۶) سیر کبیر

اور یہ سب کتابیں امام محمد کی تصنیف ہیں اور ان کتابوں کے سوا جو امام محمد و امام ابو یوسف و حسن بن زیاد کی تصانیف ہیں وہ نادر الروایت کہلاتی ہیں اور جو کتابیں ان کے شاگردوں نے تصنیف فرمائی ہیں ان کا نام واقعات رکھا گیا ہے اور بوقت تعارض فتویٰ ظاہر الروایت پر دیا جاتا ہے نہ نادر و واقعات پر اور مولانا مولوی حاجی نور بخش صاحب فاضل صوفی لاہور نے لکھا ہے کہ افسوس کہ ہر یک کتاب جامع الصغیر کے یہ سب اب تک غیر مطبوع ہیں اور ان کا ایک جا ملنا بھی دشوار ہے۔ پس مفتی کو چاہئے کہ ان امور کو یاد رکھے۔

سوال: اگر کسی عورت کا خاوند عرصہ چھ سال سے گم ہو گیا ہو اگر وہ عورت کسی عالم حنفی سے فتویٰ لے کر دوسری جگہ نکاح کر لے تو جائز ہے یا نہیں اگر عالم حنفی المذہب کو اس صورت میں جواز نکاح کا فتویٰ دینا جائز ہے یا نہیں۔ اگر عالم حنفی نے یہ نکاح پڑھا دیا تو اس پر کچھ تعزیر ہے یا نہیں، جواب دو؟

بقلم حود ہذا محمد الدین حکیم حمام (کلاسکیر)

جواب: عورت مذکورہ جس کا خاوند عرصہ چھ سال سے مفقود الخبر ہے۔ وہ نکاح دوسری جگہ بدون خبر پانے موت یا طلاق مثلاً شاہے خاوند کی سے نکاح نہیں کر سکتی اور شارح علیہم اسلام نے اس کی حلت کے دو سبب بیان کئے ایک تو طلاق دوسرا موت اور شک سے کبھی نکاح ٹوٹ نہیں سکتا اور اس کے نکاح منعقد ہونے پر یقین ہے اس لئے اس کا نکاح دوسری جگہ کرنا حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿ والمحصنٰت من النساء ﴾ یعنی منکوحہ عورتیں تم پر حرام ہیں یعنی ان سے نکاح کرنے کا قصد مت کرو اور اسی پر فتویٰ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واصحاب وتابعین وتبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ وہ ہذا:

"عن المغیرۃ بن شعبۃ قال قال رسول اللہ ﷺ امرأۃ امرأۃ المفقود امرأتہ حتی یاتیہا البیان اخرجہ دار قطنی"

(دیکھو بقیہ صفحہ ۳۰)

یعنی روایت ہے ابن شعبہ سے فرمایا آپ نے کہ عورت گم شدہ مرد کی زوجہ ہے یہاں تک کہ آئے اس کے پاس کوئی واضح خبر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بایں طور مذکور ہے:

" ان علیاً رضی الله عنه قال فی المرأة المفقود هی امراءته ابتلیت فلتصبر حتی تأتیها موت او طلاق اخرجه عبدالرزاق "

کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیچ حال گم شدہ مرد کے وہ عورت مبتلا ہے پس چاہئے کہ وہ صبر کرے یہاں تک کہ آئے اس کے پاس خبر موت یا طلاق کی اور کتب معتبرہ میں لکھا ہے:

" روی نحوه عن عثمان وعلی قیل واجمع الصحابة علیه ولم یعلم مخالف فی عصرهم وعلیه جماعته من التابعین الخ "

(عینی شرح ہدایہ جلد اول صفحہ ۳۰۰)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بعد اختلاف کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس بات پر متفق ہوئے کہ وہ عورت مفقود الخبر کی ہے یہاں تک کہ آئے اس کو خبر موت یا طلاق کی اور عالم حنفی المذہب کو فتویٰ اس امر میں امام مالک وغیرہ کے مذہب پر نہ دینا چاہئے ورنہ اس پر تعزیر ہوگی چنانچہ ردالمحتار شرح درالمختار جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۹۲ میں مذکور ہے:

" حنفی ارتحل الی مذهب الشافعی یعزر ، ای اذا کان ارتحالاً لا لغرض محمود شرعاً کما فی التاتارخانیه "

اور صفحہ ۱۹۱ میں ہے کہ:

" اما انتقال غیره من غیر دلیل بل لم یرغب من غرض الدنیا او شهوتها فهو المذموم الاثم المستوجب التادیب والتعزیر لارتکابه المنکر فی الدین واستخفافه بدینه ومذهبه الخ "

یعنی حنفی شافعی مذہب کی طرف پھر گیا تو تعزیر دی جائے جس وقت کہ اس کی غرض نیک نہ ہو چنانچہ تاتارخانیہ میں ہے اگر وہ صاحب اجتہاد کا نہیں اور غرض دنیا اور شہوت پرستی کے لئے یہ کام کیا تو اس پر تعزیر ہونی چاہئے کیونکہ اس نے اپنے مذہب اور دین کو حقیر سمجھا اور بدکار اور گناہگار ہوا اور ردالمحتار باب القضاء میں لکھا ہے:

" واما المقلد المحض فلا یقتضی الا بما علیه العمل والفتوی فلیس الحکم الا بالتصحیح المفتی به فی مذهبه "

یعنی قاضی مقلد کو چاہئے کہ فتویٰ نہ دے اور اس طرح تفسیر احمدی میں ہے اور کتاب نورالہدایہ صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے:

" لا خیر فی ان یکون حنفیاً فی بعض المسائل وشافعیاً فی بعض اخر الخ "

یعنی نہیں بہتر کہ حنفی ہو بعض مسائل میں اور شافعی ہو بعض میں اور شرح عین العلم میں ہے کہ چاہے شافعی ہو یا حنفی ہو

اس کو اسی مذہب پر رہنا چاہئے اور اگر عالم حنفی المذہب ہو کر ایک دو مسئلہ میں ایک دو وقت دوسرے مذہب پر عمل کرے گا تو ایسے عالم کا کچھ اعتبار نہ ہوگا اور نہ ہی ایسا شخص مذہب معین کا مقلد ہو سکتا ہے کیونکہ جب مقلد نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جس مذہب پر چاہا فتویٰ دے دیا اور عمل کر لیا تو اس میں تلفیق ہے اور وہ باطل ہے، ایسا شخص مرتکب حرام کا ہوتا ہے کیونکہ موصل الی الحرام ہوا کرتا ہے لہذا ایسے عالم سے پرہیز کرنا چاہئے۔

واللہ اعلم بالصواب

سوال: موطا امام مالک بروایت حضرت عمر فاروق ہے کہ کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہ جس عورت کا خاوند چار برس سے گم ہو جائے تو وہ عورت چار ماہ عدت گذار کر بے شک دوسری جگہ نکاح کر لے اور اسی پر فرقہ غیر مقلدین جیسا کہ مولوی ثناء اللہ امرتسری و میاں عمر الدین وزیر آبادی وغیرہ نے فتویٰ دیا ہے اور بعض ملا حنفی بھی اس پر فتویٰ دیتے ہیں چنانچہ مولوی تاور شاہ سمرالی و مولوی عبداللہ ٹونکی فاضل اجل و گنگوہی صاحب وغیرہ وغیرہ یہ کیونکر ہے؟

جواب: بے شک یہ حدیث موطا امام مالک میں ہے لیکن ہم لوگ حنفی چند وجہ سے اس کا جواب دیتے ہیں اول تو یہ فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قرآن مجید و حدیث مرفوع اور فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و اصحابہ تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے برخلاف ہے اور جس کو خود فرقہ غیر مقلدین خاص کر مولوی ثناء اللہ امرتسری رسالہ اہل حدیث صفحہ ۱۷ وقوع طلاق ثلاثہ سے انکار کرتے ہیں وہ عبارت بعینہ یہ ہے۔

"اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عمر کا یہ حکم شرعی ہے کچھ شک نہیں کہ یہ شرعی نہیں، یعنی ایسا نہیں کہ یہ حکم شریعت کا مسئلہ قرار دیا جائے ... الخ۔"

سبحان اللہ جب کہ یہ جواب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فتویٰ اس شخص کے بارہ میں دیا تھا جس کو جن اٹھا کر لے گئے تھے۔ پھر اس کے بعد حضرت عمر فاروق نے خود حضرت علی کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا چنانچہ کتاب عینی شرح کنز و فتاوی عبدالحی جلد ۳ و غایۃ الاوطار صفحہ ۵۵۴ و ہدایہ جلد ۲ مذکور ہے:

" ولان النکاح عرف لبوته والغیبة لاتوجب الفرقة والموت فی حیز الاحتمال فلا یزال النکاح بالشک وعمر رضی الله عنه رجع الیٰ قول علی رضی الله عنه "

یعنی " ثبوت نکاح معلوم است و غائب شدن شوہر موجب فرقت نیست و موت آن محتمل است پس نکاح آن زوال نخواہد شد ، بسبب شک جواب مالک اینست که عمر رجوع نمودہ بسوئے قول علی رضی اللّٰہ عنہ "

پس اس عبارت سے معلوم ہوا کہ زوجہ مفقود الخبر کا دوسری جگہ نکاح جائز نہیں کیونکہ نکاح اس کا معروف ہو چکا ہے

اور موت احتمال شک ہے اور شک سے نکاح نوٹ نہیں سکتا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رجوع کر لیا تھا لہذا معترض کو فیصلہ عمر رضی اللہ عنہ کا پیش کرنا کچھ مفید نہیں اور مولوی ہدر شاہ ہمز یالی و عبدالرشید گنگوہی کو علمائے احناف نے فرقہ غیر مقلدین میں گنا ہے اور مولوی عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ نہیں بلکہ یہ کسی غیر مقلد متعصب نے ان کے فتاویٰ میں یہ عبارت ملا دی ہے صرف یہی نہیں بلکہ کئی اور مسائل میں بھی ایسا ہی کیا ہے دیکھو کتاب تعزیر المفتری اور علمائے احناف کو چاہئے کہ فتاویٰ عبدالحی مرحوم پر سوچ کر فتویٰ دیا کریں اور مولانا مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی کا حال تو نا گفتہ بہ ہے، بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾

سوال: غیر مقلد کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بحالت غضب اپنی منکوحہ موطوءہ کو ایک جلسہ میں یکبارگی تین طلاق دے دے تو ایک ہی واقعہ ہوگی چنانچہ کتب صحاح ستہ وغیرہ میں ہے اور علمائے حنفی غلطی پر ہیں یہ کیونکر ہے جواب دو؟

جواب: علمائے احناف سلف وخلف و آئمہ اربعہ وغیرہ کے نزدیک ایک دفعہ ایک جلسہ میں تین طلاق دینے سے تین ہی واقع ہو جاتی ہیں۔ اس میں کسی اہل سنت و جماعت کو شک و اختلاف نہیں۔ صرف اختلاف تو اس امر میں ہے کہ یہ امر مشروع ہے یا نہیں۔ امام شافعی وثوری واحمد بن حنبل اس کو مشروع کہتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے اور امام مالک وابوحنیفہ واوزاعی ولیث وغیرہ اس طور پر طلاق دینا حرام وممنوع سمجھتے ہیں لقولہ تعالیٰ:

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ﴾

یعنی طلاق دوبارہ ہے پھر یا تو بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے (یعنی رجوع کر لینا) یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور اگر کوئی اس مقام پر اعتراض کرے کہ جب یہ امر جائز نہیں تو نفاذ کیا معنی تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی امر کا ممنوع ہونا اور چیز ہے اور نافذ ہونا دوسری چیز ہے چنانچہ باپ کو اولاد میں کم وبیش جائیداد سے حصہ کر دینا ممنوع اور حرام ہے۔ اگر کسی نے ایسا کر بھی دیا تو اس امر کا نافذ ضرور ہوگا۔ دیکھو تاریخ شبلی اور ایسا ہی اگر کسی نے اپنی زوجہ کو یکدفعہ تین طلاق دے دی تو تین کی واقعہ ہو جائیں گی لیکن طلاق دینے والا گنہگار ہوگا چنانچہ سورۂ طلاق میں مذکور ہے:

﴿ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ﴾

یعنی جس نے حدود الٰہی سے تجاوز کیا (یعنی خلاف سنت کے تین طلاق دے دیں) بے شک اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۷۶ پر حدیث بایں طور مذکور ہے:

"عن مالک بلغہ ان رجلاً قال لعبد اللہ بن عباس انی طلقت امرأتی مائۃ تطلیقۃ فماذا ترٰی علی فقال ابن عباس طلقت منک بثلثۃ وسبع وتسعون اتخذت بھا ایٰت اللہ ھزوا رواہ فی المؤطا"

عمک عصی الله فالمه واطاع الشیطان فلم یجعل له مخرجاً فقلت کیف تری فی رجل یحلها له فقال من یخادع الله یخادعه رواه الطحاوی "

یعنی مالک بن حارث سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس سے مسئلہ پوچھا کہ میرے چچا نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں آپ نے کہا کہ چچا نے نافرمانی کی اللہ کی اور گناہ کیا اور شیطان کا حکم مانا، اب اس کے نکلنے کی اللہ نے کوئی تدبیر نہیں کی اور ابن حارث نے کہا جو شخص اس عورت کو اس پر حلال کر دے اس کے حق میں آپ کی کیا رائے ہے آپ نے فرمایا جو شخص اللہ کو فریب دے گا اللہ اس کے فریب کی اس کو خوب سزا دے گا، پس مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے شخص کے ساتھ موافقت نہ کریں۔

واللہ اعلم بالصواب

سوال: خلع کرنا جائز ہے یا نہیں اور خلع طلاق ہے یا فسخ اور اس کی عدت کیا ہے؟

جواب: بے شک خلع کرنا جائز ہے جب کہ عورت اور خاوند کے درمیان ایسی کوئی نزاع پیدا ہو گئی ہے کہ وہ باہم مل نہیں سکتی، پس اس صورت میں عورت مبارح ہے کہ خلع کرا لے چنانچہ آیت کریمہ میں ہے:

﴿ فان خفتم الا یقیما حدود الله فلا جناح علیهما فیما افتدت به ..... الخ ﴾

یعنی اگر خوف کرو تم کہ نہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو تو نہیں گناہ ان دونوں پر اس چیز میں کہ بدلہ دے عورت ساتھ اس کے اور خلع طلاق ہے نہ فسخ اور اس کی عدت بھی مانند عورت مطلقہ کے ہے چنانچہ کتاب تقویم صفحہ ۲۸۷ و دار قطنی و ابن عدی و مسند امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ و موطا امام مالک میں ہے، وہو ہذا:

" عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ الخلع تطلیقة بائنة اخرجه الدار قطنی "

یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ خلع کرنا طلاق بائنہ ہے اور ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۴ میں بایں طور حدیث مذکور ہے:

" لقوله علیه السلام الخلع تطلیقة بائنة ولانه یتحمل الطلاق ..... الخ ، وعن ابن عمر رضی الله عنهما انه قال عدة المختلعة عدة المطلقة اخرجه مالک فی الموطا "

یعنی فرمایا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہ بے شک عدت خلع والی عورت کی مانند عدت طلاق والی کی ہے۔ پس ان دلائل قاطعہ سے معلوم ہوا کہ یہی فیصلہ آپ کی ذات اور صحابہ کرام و ائمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے اور ان کے برخلاف فتویٰ دینے والا گمراہ اور مبتدع ہے فقط۔

سوال: نماز جنازہ فرض کفایہ ہونے کی کیا دلیل ہے اور غائب میت پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور کئی مرتبہ ایک میت پر مختلف گاؤں میں جنازہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: نماز جنازہ کے فرض ہونے پر یہ دلیل ہے:

﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾

یعنی اے نبی ان پر نماز پڑھو کیونکہ نماز تمہاری ان کے واسطے آرام ہے اور فرض کفایہ پر یہ دلیل شاہد ہے کہ آپ نے ایک مردے پر خود نماز نہ پڑھی اور اصحابوں کو کہا کہ تم اپنے صاحب پر نماز پڑھو پس اگر فرض ہوتی تو آپ ترک نہ کرتے اور خود پڑھتے اور نزدیک علمائے محققین اہل سنت و جماعت کے غائب پر نماز جنازہ پڑھنی جائز نہیں اور جو حدیث بخاری و طحاوی شریف میں مذکور ہے کہ آپ نے ایک نجاشی بادشاہ حبش کے رہنے والے پر نماز جنازہ جماعت سے پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خاصہ آپ کی ذات کا تھا اور خصوصیت محض اس کے لئے تھی چونکہ اس کا تخت سامنے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رکھا گیا تھا اور مولوی عبدالجبار غزنوی بخاری شریف پارہ پانچ صفحہ ۲۰۷ باب الصفوف علی الجنازہ حدیث ابوہریرہ کے حاشیہ پر بعینہٖ بایں طور لکھا ہے: "اس حدیث سے جنازہ غائب پڑھنے کے جواز پر سند پکڑتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ یہ حدیث ہر ایک صورت میں دلیل نہیں ہو سکتی اس وجہ سے کہ نجاشی پر حبش میں جنازہ نہیں ہوا تھا کیونکہ وہاں کوئی مسلمان نہ تھا۔ سو اگر کسی میت پر ایک شہر والے جنازہ پڑھ چکے ہیں تو دوسرے شہر میں اس کا جنازہ پڑھنے پر کوئی دلیل اس حدیث میں نہیں ہے علاوہ ازیں اس صورت کا جنازہ اگر مسنون یا مستحب ہوتا تو سلف صالحین سے اس کی کوئی نہ کوئی نظیر ضرور پائی جاتی۔ باوجودیکہ ایسے ہزار ہا واقعہ ہر زمانہ میں ہوتے رہتے ہیں اور سلف صالحین سے جو ہر طرح خیر پر حریص تھے اس کی کوئی نظیر نہیں پائی گئی الخ اور جو معاویہ بن معاویہ مزنی اور زید بن حارثہ اور جعفر طیار پر آپ نے جنازہ پڑھا تھا جیسا کہ واقدی اور طبرانی نے بیان کیا ہے یہ بات مان لی جائے تو آپ کے زمانہ میں کئی آدمی غیر ملکوں میں مرے تو پھر آپ نے ان کا جنازہ کس لئے نہ پڑھا جواب دو اور میت پر دوبارہ جنازہ پڑھنا جائز نہیں جب کہ اس کا وارث ادا کر چکا ہو چنانچہ شرح ہدایہ صفحہ ۱۶۱ میں ہے:

" و ان صلی الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعده' لان الفرض یتادی بالاول و النفل بها غیره مشروع و کذا راینا الناس ترکوا عن اخرهم الصلوة علی قبر النبی ﷺ وهو الیوم کما وضع "

" یعنی اگر ولی میت نماز جنازہ گذار دو دیگر را نمی رسد که اعاده آں نماند زیرا که بسبب گذار دن ولی نماز جنازہ فرض ادا میشود ، و بعد ازاں اگر کسے دیگر بار بگذار دپس ایں نفل خواہد بود و نماز جنازہ بطریق نفل مشروع نیست لہذا مردمان نماز جنازہ نمیگذارند برقبر بغیر صلعم وحالانکہ جسد مبارک آں حضرت موجود است در قبر الآن کما کان "

اور اگر کوئی کہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ چھ مرتبہ کس لئے پڑھایا گیا جب کہ جائز نہ تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ چھ مرتبہ عوام الناس نے پڑھا تھا اور پھر جب ان کے فرزند ارجمند حماد نے ادا کیا تو پھر کسی نے نہیں پڑھا چنانچہ کتاب خیرات الحسان صفحہ ۶۲ میں مذکور ہے:

" ومن صلی علیه فقیل بلغوا خمسین الفاً وقیل اکثرو اعیدت الصلوٰة علیه ست مرات احرها ابنه حماد الخ "

سوال: نماز جنازہ عورت یا مرد کا کس جگہ کھڑے ہو کر امام ادا کرے؟

جواب: اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہے لیکن صحیح تر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے وسط میں امام کو کھڑے ہونا چاہئے اور مرد کے سینہ کے برابر چنانچہ طحاوی صفحہ ۴۳۸ باسناد صحیح حدیث ابراہیم سے مذکور ہے:

"عن ابراهيم قال يقوم الرجل الذى يصلى على الجنازة عند صدرها "

یعنی مرد کے جنازہ میں سینہ کے برابر کھڑا ہونا چاہئے اور بخاری پارہ ۵ میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک عورت کے جنازہ کی نماز پڑھی اور وسط میں کھڑے ہوئے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بایں طور مذکور ہے:

" ان رسول الله ﷺ كان يقوم عند رأس الرجل وعجيزة المرأة الخ "

یعنی آپ مرد کے سر کے قریب کھڑے ہوا کرتے اور عورت کے جنازہ میں وسط اور ایک روایت صاحبین و امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بایں طور مذکور ہے:

" عن محمد بن الحسن عن ابى يوسف عن ابى حنيفة قال يقوم من الرجل والمرأة بحذاء الصدر "

اور شرح ہدایہ جلد اول صفحہ ۱۶۲ میں اس طرح لکھا ہے:

" يقوم الذى يصلى على الرجل والمرأة بحذاء الصدر لانه موضع القلب وفيه نور الايمان فيكون القيام عنده اشارة فى الشفاعة الايمان ، وعن ابى حنيفة انه يقوم من الرجل بحذاء رأسه ومن المرأة بحذاء وسطها "

یعنی زیر آنچه سینه موضع دل است و درآں نور ایمان است وپس استادن بمحاذی آں اشارت است بسوئے اینکه شفاعت درحق میت بجہت ایمان ویست وازابی حنیفة مردیست که ایستاده شود امام بر جنازنه مرد بمحاذی سراو وبرجنازنه زن بمحاذی کمروزیر آنچه انس رضی الله عنه چنیں کردو گفت که ایں سنت رسول خدا ﷺ است فقط.

واللہ اعلم بالصواب

سوال : جنازہ کی نماز میں چار تکبیریں کہنی چاہئیں یا پانچ؟

جواب : نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں چنانچہ کتاب بخاری جلد اول میں حدیث مذکور ہے:

"ان رسول الله ﷺ نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیه وخرج بهم الی المصلی فصف بهم وکبر علیه اربعة تکبیرات"

یعنی حضور نے نجاشی کی موت کی خبر سنائی کہ جس دن وہ فوت ہوا اور نکال لے گئے اصحابوں کو نماز جنازہ کی جگہ میں پھر صفیں بنوائیں اور کہیں اوپر اس کے چار تکبیریں الخ اور جو آپ سے مختلف جنازوں پر پانچ چھ سات آٹھ تکبیریں کہنی ثابت ہیں وہ تمام حدیثیں منسوخ ہیں چنانچہ شرح مسلم جلد اول صفحہ ۳۱۰ میں لکھا ہے:

"هذا الحدیث عند العلماء منسوخ دل الاجماع علی نسخه ـــ الخ"

یعنی یہ حدیث نزدیک علمائے دین کے منسوخ ہے اور دلالت کرتا ہے اجماع امت اس کے نسخ پر اور عبدالبر وغیرہ نے اجماع ثابت کیا ہے کہ چار تکبیروں سے زائد نہ کہی جائیں اور صحیح تر بھی یہی ہے اور صاحب نصرۃ المجتہدین صفحہ ۴۰ بروایت ابن عباس سند صحیح سے بایں طور مذکور ہے:

"اکبر ما کبر رسول الله ﷺ علی الجنائز اربعاً وکبر عمر علی ابی بکر اربعاً وکبر عبدالله بن عمر اربعاً وکبر الحسن علی علی اربعاً وکبر الحسین علی الحسن اربعاً وکبرت الملئکة علی ادم اربعاً"

یعنی آخر فعل آپ کا چار تکبیریں کہنا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنازہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اور عبداللہ بن عمر نے جنازہ عمر پر اور امام حسن نے جنازہ علی پر اور حضرت حسین نے جنازہ حسن پر اور ملائکہ نے حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام پر چار تکبیریں کہیں اور فتح المبین صفحہ ۱۴۸ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جنازہ کی نماز پڑھی اور چار تکبیریں کہیں اور حضرت علی اور زید بن ثابت اور عبداللہ بن ابی اوفی اور براء بن عازب اور ابن عمر اور ابوہریرہ اور عقبہ بن عامر وغیرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے چار تکبیریں کہیں اور اس پر اتفاق کیا اور سنن ابی حنیفہ کے حاشیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ میں لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ کا بھی چار تکبیریں کہنے پر اتفاق ہے، وہو ہذا:

"اعلم ان التکبیرات الجنازة باتفاق الائمة الاربعة اربع ـــ الخ"

فقط واللہ اعلم بالصواب

سوال : نماز میں رفع یدین و آمین بالجہر و فاتحہ خلف الامام و نماز جمعہ کے بعد احتیاط الظہر کا اور نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : ان تمام سوالات کا جواب جلد اول میں گذر چکا ہے ہاں اس جگہ صرف اتنا واضح کر دینا کافی ہے کہ سینہ پر

باتھ باندھنا ائمہ اربعہ کسی اہل علم سے ثابت نہیں ہوا، وہو ہذا:

" والعمل على هذا عند اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ والتابعين ومن بعدهم يروى ان يضع الرجل يمينه على شماله فی الصلوة ورأى بعضهم ان يضعهما فوق السرة ورأى بعضهم ان يضعهما تحت السرة وكل ذلك واسع عندهم "

صفحہ ۳۴ یعنی عمل اس حدیث پر اہل علماء اصحاب النبی ﷺ اور تابعین اور تبع تابعین وغیرہ کے نزدیک ہے کہتے ہیں کہ رکھے مرد اپنا ہاتھ داہنا بائیں ہاتھ پر نماز میں کہا بعض نے ناف کے اوپر کہا بعض نے نیچے ناف کے اور یہ ہر دو امران کے نزدیک جائز ہیں اور صاحب ترمذی نے دو گروہ بیان کئے ہیں لیکن سینے پر ہاتھ باندھنا تو کسی کا مذہب بیان نہیں کیا اور شرح مسلم صفحہ ۱۷۳ میں امام نووی نے بایں طور لکھا ہے:

" يجعلهما تحت صدره فوق السرة هذ مذهبنا المشهور به قال الجمهور من علمائنا وقال ابو حنيفة وسفيان الثورى واسحاق بن راهويه وهو اجل شيوخ البخارى وابو اسحق الخ "

یعنی رکھے دونوں ہاتھوں کو سینے کے نیچے ناف کے اوپر یہ ہمارا مذہب مشہور ہے اور یہی جمہور ہمارے علماء سے کہتے ہیں اور کہا امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری اور اسحٰق بن راہویہ بڑے استاذ امام بخاری میں سے ہیں اور ابو اسحاق ہمارے اصحاب سے یعنی شافعیہ سے کہ رکھے دونوں ہاتھ نیچے ناف کے الخ غرضیکہ مردوں کو سینے پر ہاتھ باندھنے کسی صاحب مذہب ومحدث کے نزدیک جائز نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ضرور صاحب مسلم و بخاری و ترمذی و امام نووی شافعی بیان کرتے اور حدیث حزیمہ کو لاتے اور جو بعض کتب فقہ میں لکھا ہے کہ شافعی مذہب میں ہاتھ سینہ پر باندھنا سنت ہے تو اس کا جواب علمائے دین نے بایں طور دیا ہے کہ یہ روایت غیر مشہور ہے جو قابل تسلیم نہیں ورنہ امام نووی وغیرہ محدث جو شافعی مذہب تھے کس لئے اس سے انکار کرتے اور حدیث حزیمہ کی تاویل کرتے اور تحت الصدور کا حکم لگاتے۔

(نقل از نصرۃ المقلدین صفحہ ۵۰)

سوال : نماز جنازہ مسجدوں میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : مسجدوں میں جنازہ کی نماز بدون کسی عذر شدید وخوف وفتنہ کے پڑھنی جائز نہیں چنانچہ ابوداؤد نے ابو ہریرہ سے بایں طور حدیث بیان کی ہے:

" قال رسول الله ﷺ من صلى على ميت فى المسجد فلا شيئا له "

یعنی فرمایا آپ نے جس نے نماز پڑھی میت پر مسجد میں نہیں اس کو کچھ ثواب

" وقال محمد لا يصلى على جنازة فى المسجد "

یعنی نہ نماز پڑھی جائے میت پر مسجد میں اور اگر نماز جنازہ مسجد میں جائز ہوتی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نجاشی کا

جنازہ مسجد سے باہر لے جا کر کسی لئے ادا کرتے۔

"روی عن النبی ﷺ لمّا نعی النجاشی خرج یصلی علیه فی المصلی ولو کان یجوز الصلوٰة فی المسجد لم یکن للخروج معنیٰ"

یعنی جب نجاشی کی موت کی خبر آپ نے دی اور اس پر نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور واسطے ادا کرنے نماز کے باہر گئے اگر جائز ہوتی نماز جنازہ مسجد میں تو نہ نکلتے بلکہ مسجد میں ادا کر لیتے اور شرح مسلم جلد اول صفحہ ۳۱۲ امام نووی نے لکھا ہے کہ اصحاب مسجد میں جنازہ پڑھنے کو عیب سمجھتے تھے، وہو ہذا:

"فبلغهن ان الناس عابوا ذلک وقالوا ما کانت الجنائز یدخل بها المسجد الخ"

یعنی خبر پہنچی ازواج مطہرات کو کہ صحابہ نے عیب جانا اس کو اور کہا نہیں جائز کہ جنازے داخل کئے جائیں مسجد میں اور جو حدیثیں مسجد کے بیچ جنازہ کے جواز پر آئی ہیں وہ تمام منسوخ ہیں، اگر شک ہو تو کتاب معانی الآثار صفحہ ۳۰۷ اور فتح المبین صفحہ ۱۱۲ میں مطالعہ کریں۔

سوال: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ منورہ کی زیارت کے لئے سفر کرنا اور اس سے حاجت طلب کرنا اور آپ کی ذات کو غیب داں سمجھنا جائز ہے یا نہیں؟

جوابا: بے شک بخاطر زیارت روضہ مدینہ منورہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر کرنا قرآن مجید و احادیث صحیحہ و اجماع امت سے ثابت ہے، وہو ہذا:

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴾

یعنی اگر یہ لوگ ظلم کریں اپنی جانوں پر (اے محمد ﷺ) اور آپ کے پاس حاضر ہو کر بخشش چاہیں اور آپ بھی ان کے لئے بخشش طلب کریں تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے اور رحم کرنے والا پائیں گے۔ ایضاً قولہ تعالیٰ:

﴿ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ﴾

یعنی جو شخص اللہ اور رسول کی محبت میں اپنے گھر سے بارادۂ ہجرت نکلا اور راستہ میں وہ فوت ہو گیا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا۔ پس ان ہر دو آیت سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ مبارک پر جانے میں بڑا ثواب حاصل ہوتا ہے اور آپ اور آپ کی ذات مہاجرین اور سائلین اور فاجرین کے لئے اللہ تعالیٰ سے طلب مغفرت کرتی ہے اور آپ کی ذات کا طلب مغفرت کرنا صرف زمانہ حیات میں مقید نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے چنانچہ کتاب جوہر المنظم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعد وفات چند روز ایک شخص آپ کی قبر مقدس پر آ کر کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ

میں بد کردار گنہگار آپ کے در پر طلب بخشش کے لئے آیا ہوں اب میرے لئے خداوند کریم سے مغفرت طلب کریں کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ جو بد کردار آپ کے دربار میں آئے تو آپ اس کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ قبر منور سے آواز آئی کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا ہے اور صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ کی ذات اہل بقیع اور شہداء احد پر تشریف لے جاتی ہے اور علامہ ابن حجر مکی کتاب الجواہر المنظم صفحہ ۱ میں لکھتے ہیں:

"من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی"

یعنی فرمایا آپ نے جو شخص حج کرے کعبہ کا اور نہ زیارت کرے میری پس اس نے مجھ پر جفا کیا، القول علیہ السلام:

"من زار قبری وجبت لہ شفاعتی"

یعنی فرمایا آپ نے جو شخص زیارت کرے مزار میرے کی پس اس کے لئے شفاعت میری واجب ہے۔ وقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام:

"من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی"

یعنی جو شخص بعد وفات میری زیارت کرے گا وہ گویا میری حیاتی میں زیارت کرے گا۔

(نقل از کتاب طبرانی و جوہر منظم و بیہقی و دارقطنی)

پس ان تمام احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ آپ کے روضہ منورہ پر جانا ضروری ہے جو شخص بدوں کسی عذر کے آپ کے روضہ مقدس پر نہ گیا اس نے حضور کی ذات پر ظلم کیا ان ظالموں کے لئے مطلق یہ فرمان خداوند کریم کا ظاہر ہے:

﴿ لعنۃ اللہ علی الظلمین ﴾

یعنی ظالموں پر خدا کی لعنت ہے اور یہ جو حدیث غیر مقلد پیش کرتے ہیں کہ فرمایا آپ ﷺ نے:

"لا تشدوا الرحال الا الی ثلثۃ مساجد الحرام ومسجدی ھذا والمسجد الاقصیٰ"

تو اس کے یہ معنی مراد ہیں کہ خیال نماز و تعظیم کی خاطر سفر کرنا سوا ان تینوں کے نہ چاہئے یعنی کعبہ و مسجد نبوی و بیت المقدس کے کیونکہ ان کی طرف تعظیم و نماز کی خاطر ضرور سفر کیا جاتا ہے اس لئے محدثین نے لکھا ہے کہ اس عبارت کا مقدر کرنا لازمی ہے ورنہ تمام سفر ناجائز ٹھہریں گے حالانکہ ان کا کوئی منکر نہیں اور دوسری حدیث جو مانعین اپنے دعویٰ باطلہ پر بیان کرتے ہیں کہ فرمایا آپ نے:

"لاتجعلوا قبری عیداً"

یعنی میری قبر کو عید نہ بناؤ تو اس کا جواب بایں طور محدثین نے دیا ہے کہ اول تو یہ حدیث چند وجہ سے قابل تسلیم نہیں کیونکہ اس کے سلسلہ اسناد میں بہت اختلاف ہے ایک روایت میں "لاتتخذوا قبری عیداً" وارد ہے اور ایک میں "لاتجعلوا

غیر ذی وذا " واقع ہے۔

اب خدا معلوم کہ " عید " کا لفظ صحیح ہے یا " وذا " کا اور علاوہ اس کے یہ حدیث بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کے طرق میں عبداللہ بن نافع ہے جو کہ مجروح ہے اور دوسرے طرق میں جعفر وہ مجہول الحال ہے۔ دیکھو رسالہ مولوی علاؤالدین صفحہ ۴۹ اور وسیلہ پکڑنا بوقت مصیبت آنحضور کے مزار اقدس کا جائز ہے چنانچہ مشکوۃ باب الکرامۃ اپنی جواز سے بایں مضمون حدیث مذکور ہے کہا انہوں نے کہ قحط زدہ ہوئے اہل مدینہ قحط سخت میں پس شکایت کی لوگوں نے پاس حضرت عائشہ کے، پس فرمایا حضرت عائشہ نے کہ دیکھو قبر پیغمبر کو اور کرو قبر شریف سے چند سوراخ طرف آسمان کے تا کہ نہ حائل رہے درمیان قبر اور آسمان کے چھت، پس لوگوں نے ایسا ہی کیا پس برسا پانی بہت یہاں تک کہ پیدا ہوئی گھاس اور فربہ ہوئے اونٹ یہاں تک کہ پھٹ گئے چربی سے یعنی کہ خوب تیار ہو گئے الخ۔ پس اس حدیث سے صاف صاف معلوم ہوا کہ زمانہ خیر القرون میں بھی لوگوں نے مزار اقدس ﷺ سے حاجت طلب کی اور پائی اور اگر لوگ بزرگان دین کے مزاروں پر حاجات بوقت مصیبت جا کر مانگیں اور فیض حاصل کریں تو اس میں کوئی گناہ نہیں اور ثبوت اس کا جلد اول میں مفصل گذر چکا ہے اور انوار الابتا بحوالہ کتاب موائب و مدخل ابن حاج مکی میں لکھا ہے:

" قد قال علماء نا رحمهم الله تعالیٰ لا فرق بین موته وحیاته ﷺ فی مشاهدته لامته و معرفته باحوالهم وعزائمهم و خواطرهم وذلک جلی عنده لاخفاء به "

یعنی کہا ہمارے علماء دین نے کہ نہیں فرق ہمارے نبی ﷺ کی حیات اور اس حالت میں کچھ اور دیکھتے ہیں اپنی امت کے تمام حال اور پہچانتے ہیں احوال اور نیات ان کی اور اس حال ان پر روشن ہیں کوئی ان پر پوشیدہ امر نہیں اور اسی طرح ملا علی قاری شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں:

" لا فرق لهم فی الحالین ولذا قیل اولیاء الله لا یموتون ولکن ینقلون من دار الی دار الخ "

اولیاء کی دونوں حالت حیات و ممات میں کچھ فرق نہیں اور ہر دو حال میں اپنے مریدوں کو مدد دیتے ہیں کما مر۔

سوال نمبر ۲ کا جواب: بے شک رسول اللہ ﷺ کو مطلق علم غیب و غیر استقلالی و بالعرضی تھا اور اس سے انکار کرنا کتاب اللہ و احادیث رسول اللہ ﷺ کا انکار لازم آتا ہے، وہو ہذا:

﴿ عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احدا الا من ارتضی ﴾

(سورہ جن)

یعنی وہ جاننے والا ہے غیب کا پس نہیں خبردار کرتا اوپر غیب اپنے کے کسی کو مگر جس کو پسند کرتا ہے اپنے خزینہ دل میں سے والقولہ تعالیٰ:

﴿ وما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبي من رسله من يشاء ﴾

یعنی نہیں اللہ خبردار کرتا تم کو اوپر غیب کے لیکن اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے پیغمبروں اپنے سے جس کو چاہے۔ لقولہ تعالیٰ: (۴۷)

﴿ وما هو على الغيب بضنين ﴾ (سورہ التکویر)

یعنی وہ نہیں اوپر غیب کے بخیل یعنی وہ غیب کی خبر بتانے پر بخیلی نہیں کرتا اور کتاب مواہب اللدنیہ باب اخبار الغیوب روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بایں طور مذکور ہے:

"ان الله قد رفع لي الدنيا فانا انظر اليها والى ما هو كائن فيها الى يوم القيامة كانما انظر الى كفي هذا"

یعنی فرمایا آپ ﷺ نے کہ خداوند تعالیٰ نے تمام دنیا کو میرے سامنے کیا اور میں اس کو دیکھ رہا ہوں جو کچھ اس میں ہے اور جو کچھ قیامت تک ہوگا اور دنیا کے تمام اطراف و جوانب میرے سامنے اس طرح ہیں جیسے ہاتھ کی ہتھیلی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے میدان بدر میں کہا کہ فلاں صحابی کے فلاں بیٹے کی یہاں اور یہاں قبر ہوگی سو ویسا ہی ہوا اور عینی شرح بخاری صفحہ ۶۸ جلد ۱۸ اور قسطلانی جلد ۶ صفحہ ۱۸۵ میں مذکور ہے کہ آپ کے سامنے ایک صحابی نے قصیدہ پڑھا جس میں یہ شعر تھا اور آپ سن کر خوش ہوئے اور دعا دی وہ شعر یہ ہے:

واشهد ان الله لا رب غيره وانك مامون على كل غيب

یعنی گواہی دیتا ہوں کہ سوا خدا کے کوئی معبود نہیں اور یہ بھی شہادت دیتا ہوں کہ آپ کی ذات تو ہر غیب پر مامون ہے پس ان تمام دلائل قاطعہ سے معلوم ہوا کہ آپ کی ذات کو علم غیب مطلق و بالعرض تھا اور اس سے انکار کرنا صریح کفر ہے اور جہاں کہیں نفی علم غیب حضور ﷺ وارد ہوئی ہے وہاں مراد علم غیب استقلالی و بالذاتی ہے جو خاصہ خداوند کریم کا ہے۔ نہ علم غیب مطلق حضور ﷺ کے سے۔

﴿ والله يهدي من يشاء الى صراط مستقيم ﴾

سوال: اپنے آپ کو مذہب محمدی کہلانا کیسا ہے؟

جواب: اپنے آپ کو محمدی مذہب سے مشہور کرنا محض جہالت اور بے وقوفی ہے چنانچہ کتاب تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۷۵ رد سوال شیعہ میں لکھا ہے کہ:

"امام نائب نبی است و نائب صاحب شریعت است نہ صاحب مذہب زیرا کہ مذہب نام رائے است کہ بعض امتیان رافہم شریعت کشادہ شود و بعقل

خود چند قاعده قرار دہد که موافق آں قواعد استنباط مسائل شرعیه از مأخذ آں نماید لہذا متحمل صواب و خطا میباشد ، وچوں امام معصوم از خطا است بزعم شیعه) و حکم نفی دارد نسبت مذہب بأو نمودن ہیچ معقول نیست لہذا مذہب رابسوئے خداوند جبرائیل ودیگر ملائکه وانبیاء نسبت کردن کمال بیخردی است چنانچه لا مذہبان خود رابمذہب محمدی مشہور میکنند پس اینہم کمال بیخردی شد الخ"

واللہ اعلم بالصواب

سوال : بوقت ملاقات مصافحہ اور بعد نماز عید وغیرہ کے معانقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : بے شک بوقت ملاقات مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا اور معانقہ بعد نماز عید وغیرہ کے بنیت اظہار محبت اور کپڑوں کے جائز بالاجماع ہے اور بخاری میں عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ کہا انہوں نے:

"علمنی رسول اللہ ﷺ وکفی بین کفیه التشہد الخ"

یعنی حضور علیہ السلام نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں لے کر مجھے تحیت تعلیم فرمائی اور نیز امام بخاری نے اپنی تاریخ میں بایں طور حدیث بیان کی ہے:

"حدثنی اصحابنا یحیی وغیرہ' عن اسماعیل ابن ابراھیم قال رأیت حماد بن زید وجاؤہ ابن المبارک بمکة بکلتا یدیه"

یعنی مجھ سے میرے اصحاب یحیٰی ابوجعفر بیکندری وغیرہ نے اسماعیل بن ابراہیم سے حدیث بیان کی کہ انہوں نے کہا کہ میں نے زید بن حماد کو دیکھا اور ابن مبارک ان کے پاس مکہ معظمہ میں آئے تھے تو انہوں نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور کتب فقہ معتبرہ میں ہے:

"یجوز المصافحة والسنة فیھا ان یضع یدیه من غیر حائلٍ من ثوبٍ او غیرہ کذا فی خزانة الفتاوی"

اور قنیہ وشرح تنویر سے علامہ مجددمائہ حاضرہ نے لکھا ہے:

"السنة فی المصافحة بکلتا یدیه"

اور شرح مشکوٰۃ فارسی محدث دہلوی نے بایں طور لکھا ہے:

"مصافحه سنت است نزد ملاقات و باید که ہر دو دست بود"

اور اسی طرح فتاوی عالمگیری میں ہے اور جن حدیثوں میں لکھا ہے کہ اصحاب ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا کرتے تھے وہ تمام حدیثیں ضعیف ہیں اور قابل عمل نہیں۔ اگر غیر مقلد کسی حدیث صحیح سے دکھادیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں

ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کو منع فرمایا یا ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کا حکم فرمایا تو دس روپیہ انعام لیں اور معانقہ کرنا بھی جائز ہے چنانچہ کتاب خانیہ و مجمع الانہر میں لکھا ہے۔

"ان کانت المعانقة من فوق قمیص او جبة جاز عند الکل الخ ان کان علیهما قمیص او جبة جاز بالاجماع وهو الصحیح هکذا فی درمختار و شرح وقایه"

اور صاحب ابی دینا نے دیلمی سند الفردوس ابو جعفر سے حدیث بیان کی ہے:

"قال سالت رسول الله ﷺ عن المعانقة فقال تحیة الامم وصالح الخ"

یعنی فرمایا آپ نے معانقہ امتوں کی اور ان کی اچھی دوستی بے شک پہلے معانقہ کرنے والا ابراہیم خلیل اللہ ہے اور بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ خاتون جنت کے گھر میں تشریف لے گئے اور حسنین کو طلب کیا اور اس وقت خاتون جنت نماز پڑھ رہی تھیں۔ اس لئے دیری ہوئی اور حسنین جب نماز پڑھ چکے تو دوڑتے ہوئے آئے اور ان کے گلے میں ہار تھا اور آپ نے ان کو گلے سے لگا لیا اور وہ آپ سے لپٹ گیا و ام المومنین سے مروی ہے:

"قالت رایت النبی ﷺ التزم علیا وقبله الخ"

یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ دیکھا میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہ آپ نے مولا علی کو گلے سے لگا لیا اور بوسہ دیا اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حدیث بیان کی ہے کہ حضرت حسین وہ اپنے والد سے بایں طور حدیث بیان کرتے ہیں:

"ان رسول الله ﷺ عانق عثمان بن عفان وقال قد عانقت اخی عثمان فمن کان له اخ فلیعانقه الخ"

یعنی آپ نے عثمان بن عفان سے معانقہ کیا اور فرمایا کہ میں نے اپنے بھائی سے معانقہ کیا اور جس کا کوئی بھائی ہو وہ بھی چاہیے تو اپنے بھائی سے معانقہ کرے اور سنن ابوداؤد میں ام المومنین سے بایں طور مروی ہے۔

"کانت اذا دخلت علیه ﷺ قام علیها فاخذ بیدها فقبلها واجلسها فی مجلسه و کان اذا دخل علیها قامت علیه فاخذت بیده فقبلته واجلسته فی مجلسها الخ"

یعنی جب حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضور پرنور قیام فرماتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے اور جب کہ آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ حضور کے لئے قیام فرماتیں اور ہاتھ مبارک پکڑ کر بوسہ دیتیں اور حضور والا کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں اور سید احمد طحطاوی حاشیہ انوار الانبیاء میں لکھتے ہیں:

کذا تطلب المصافحة فهی سنة عقب الصلوة"

اور حاشیہ درمختار میں ہے:

"تستحب المصافحة بل هی سنة عقب الصلوات کلها وعند کل لقاء"

یعنی سنت ہے بعد ہر نماز کے مصافحہ کرنا اور بوقت ہر باری ملاقات کے اور اگر کسی صاحب نے مفصل حال دیکھنا ہو تو یہ نامہ حاضرہ کو مطالعہ کرے فقط۔

سوال: ضاد کو ظ یا ز یا ذ پڑھنا قرآن مجید میں جائز ہے یا نہیں اور ض کو مشابہ ظ کے پڑھے جانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں جواب دو؟

جواب: ضاد کو مشابہ ظ، یا، ز، یا، ذ، کے پڑھنا سخت حرام و گناہ عظیم ہے کیونکہ ان کے تبدل ہونے سے معنوں میں بھی تغیر آ جاتا ہے اور یہ صریح مفسد نماز ہے جیسے کہ عظیم و عذیم و ضالین، ظالین و مغضوب مظلوب و مغذوب میں کس قدر معنوں میں تبدیلی ہو گئی ہے۔ اس لئے علامہ امام برہان الدین محمود نے محیط برہانی میں لکھا ہے کہ جو شخص قصداً ض کو ظ پڑھتا ہے کافر ہے وہو ہذا:

"سئل الامام الفضلی عمن یقرأ الظاء المعجمة مکان الضاد المعجمة او علی عکس فقال لاتجوز امامته' وتعمد یکفر"

اور قاضی خان میں لکھا ہے:

"ان قرأ غیر المغضوب بالظاء وبالذال تفسد صلوته"

یعنی جو غیر المغضوب کی جگہ مغظوب یا مغذوب پڑھے تو نماز فاسد ہو گئی اور ایسے شخص کی امامت بھی جائز نہیں اور فتاحی بحوالہ فتاوی حمادی میں لکھا ہے۔

اگر ظاء سے پڑھے گا ضالین — وہ نماز اس کی ہے فاسد بالیقین
اور امامت فاسد ہے اس کی تمام — یاد رکھ یہ مسئلہ اے ذی احترام

(نقل از ضیاء الرضا صفحہ ۱۳)

اور حدیث شریف میں ہے:

"اقرأ القرآن بلحون العرب واصواتها رواه البیهقی"

یعنی فرمایا آپ نے کہ قرآن کو لہجہ عرب و آواز عرب سے پڑھے کیونکہ وہ بہت فصیح ہے بنسبت تمام عجمی کے اور مولوی عبدالجبار غزنوی امرتسری غیر مقلد صاحب نے اپنے فتاوی صفحہ ۲۲۷ میں بایں طور لکھا ہے کہ ضالین ظالین اور مشابہ ض کو ظ پڑھنا بالکل قائل نہیں ہوں۔

سوال: جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اکثر فرقہ غیر مقلدین و مرزائی اس کے قائل ہیں اور اس پر حدیثیں بھی

بیان کرتے ہیں۔ یہ کیونکر ہے؟

جواب: اگر جرابیں مجلدین و منعلین اور چلنے پھرنے اور دوڑنے سے اپنی جگہ پر قائم رہیں اور نہ گریں تو بے شک ان صورتوں میں ان پر مسح کرنا جائز ہے ورنہ ناجائز چنانچہ ہدایہ جلد اول صفحہ ۳۸ میں ہے:

"ولا یجوز المسح علی الجوربین عند ابی حنیفة والا ان یکونا مجلدین او منعلین وقالا یجوز اذا کانا ثخینین لا یشفان ، ولو کان الخرموق من کرباس لا یجوز المسح علیه الخ"

اور جو حدیثیں جرابوں کی مسح کے جواز ترمذی و ابوداؤد میں آئی ہیں وہ نزدیک محدثین کے ضعیف ہیں قابل عمل نہیں چنانچہ بیہقی نے لکھا ہے کہ کہا سفیان ثوری و عبدالرحمن بن مہدی و احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین نے کہ حدیث مغیرہ جو ترمذی میں ہے وہ ضعیف ہے

"الق علی الحفاظ علی تضعیفه ولا یقبل قول الترمذی انه حسن صحیح"

اور جو حدیث ابوداؤد میں موسیٰ سے مروی ہے:

"لیس بالمتصل ولا بالقوی"

اور علاوہ اس کے خود مولوی عبدالجبار غزنوی نے اپنے فتاویٰ صفحہ ۱۰۲ میں لکھا ہے کہ "جرابوں پر مسح بالکل جائز نہیں اور نہ ہی اس بارے میں کوئی حدیث صحیح اس کے جواز پر وارد ہوئی اور یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ وہ جراب جس پر مسح کیا گیا تھا۔ وہ چمڑے کی تھی یا سوت کی یا اون کی کیونکہ جراب کا اطلاق چمڑے کی جراب پر بھی آتا ہے لہذا ان جرابوں پر مسح کرنا نہیں چاہئے۔

☆☆☆☆☆

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین ان مسائل میں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں، ان کا جواب مدلل صحیح سے دیا جائے۔

سوال اوّل : یہ قدم جو پتھر پر لگا ہوا اکثر گدا گر لوگ لے کر گلی کوچوں میں چلتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ قدم مبارک آنحضرت ﷺ کا ہے آیا صحیح ہے؟

سوال دوم : نکاح کی اجرت نکاح خواں کو لینی جائز ہے یا نہیں اور ہاکرہ اور ثیبہ کی اجرت میں فرق ہے یا نہیں؟ اور کتنی اجرت لینی چاہئے؟

سوال سوم : یہ عام لوگ جو زراعت پیشہ ٹھلیان (خلوارہ) نو پہ غلہ ملا کو دیتے ہیں جس کا نام رسول والی ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال چہارم : یہ جو غیر مقلد کہ اگر کوئی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کو ایک جلسہ میں ہزار طلاق دے تو ایک ہی واقعہ ہوتی ہے کیا یہ ٹھیک ہے؟

سوال پنجم : اگر کوئی شخص مشرف باسلام ہو اور اس کے والدین کفر پر ہی مرے ہوں تو اس کو نماز میں ان کے لئے بخشش کی دعا مانگنی جائز ہے یا نہیں جیسے کہ نماز میں آتا ہے:

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ ﴾ وغیرہ وغیرہ۔

بقلم خود خاکسار غلام رسول امام مسجد جامع دینکے تارڑ، جموری مورخہ ۱۵/۱/۱۹۱۹ء

جواب سوال اوّل : کتب حدیث وتواریخ میں لکھا ہے کہ یہ قدم جو ہندوستان میں پتھر پر لگا ہوا ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ صرف بعض مداحوں نے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کر دیا ہے چنانچہ کتاب "قرۃ العیون" جلد ۱ صفحہ ۳۶ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے:

" ذکر کثیرٌ من المداح ان النبی ﷺ کان اذا مشی علی الصخرۃ غاصت قد ماہ فیہ ولا وجود لذالک فی کتب الحدیث الخ وقد انکرہ امام برہان الدین الناجی دمشقی الخ "

"وقال انہ لم تکف لہ' علی اصل ولا سند ولا رای من خراجہ فی شی من کتب الحدیث لایوجد فی کتب الحدیث والتواریخ کیف یسوغ نسبۃ النبی ﷺ الخ "

یعنی ذکر کیا بہت سے مداحوں نے کہ جب چلتے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو گھس جاتے تھے دونوں قدم ان کے پتھر میں اور حالانکہ نہیں وجود اس کا کتب حدیث میں اور انکار کیا اس کا امام برہان الدین ناجی دمشقی نے اور کہا انہوں نے نہیں پائی

بداتی اصل اور سند اس کی اور نہ دیکھا کسی کو سلف معتبرین سے کہ اس کا کچھ اصل بیان کرتے اور کہا صاحب شافی نے کہ جس کا ثبوت کتب حدیث اور تواریخ میں نہ پایا گیا ہو پھر کب جائز ہوگا نسبت کرنا اس کا طرف آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور بال مبارک اور پارچہ جات وغیرہ اشیاء آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ثبوت کتب حدیث وتواریخ میں موجود ہے اور ان کی زیارت کرنا غایت درجہ کا ثواب اور برکت ہے چنانچہ "قرۃ العیون" جلد ۶ صفحہ ۵۸ میں لکھا ہے کہ داہنی طرف کے بال آپ نے سب ابوطلحہ کو دیے اور بائیں طرف کے بالوں کو لوگوں میں تقسیم کرنے کا حکم فرمایا اور اصحاب آپ کے بالوں کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتے تھے اور یہ اس لئے کیا تا کہ لوگوں کے پاس باقی رہے اور یادگیری ہو۔

مرا از لف تو مونے پسند است فضولی میکنم بونے پسند است

جواب سوال نہم: اجرت نکاح کی نکاح خواں کو لینی جائز ہے کیونکہ اس ملک اور زمانہ میں دستور ہے کہ جب لوگ نکاح مسجد مقرر کرتے ہیں تو اس سے پہلے یہ وعدہ کر لیتے ہیں کہ اس قریہ یا محلہ میں جو کچھ آمدنی ہوگی وہ سب ملک تیرا ہوگا جیسا کہ قربانی کی کھالیں اور لوپہ غلہ فی کھلیان (خلوازہ) اور فی نکاح پانچ روپیہ وروپیہ بانگ وغیرہ جو ہوگا وہ سب تجھ کو ملے گا تو اس صورت میں ضرور ان کو دینا واجب ہوگا ورنہ سخت گنہگار ہوں گے کیونکہ قرآن مجید وحدیث شریف میں ہے کہ ایماندار لوگ جو کسی سے وعدہ کرتے ہیں اس کو پورا کرتے ہیں لیکن منافق پورا نہیں کرتے:

﴿ والموفون بعهدهم اذا عاهدوا ﴾

اور حدیث شریف میں ہے:

" لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهد له "

(رواہ البیہقی)

یعنی جو امانت میں خیانت کرے یا وعدہ کو پورا نہ کرے وہ منافق اور بے دین ہے اور فتاویٰ الفصول العمادی میں ہے:

" اذا عینوا لامامهم شیئ من الاوقاف والصدقات والهدایا وغیرها لزمهم ادائها الخ "

اور علامہ ابن نجیم نے اپنی کتاب وجیز صفحہ ۳۴ میں لکھا ہے:

" واگر بظاہر نگفته اند وقت نصب مقرر بطریقه رسم و عادت و رواج بلاد خود اورا مقرر کردند پس درین صورت ہم حصه مرسومه آن بلاد بریشاں ادا کردن پس امام خود واجب است "

" لان المعروف کالمشروط الخ "

اور فتاویٰ نوادر صفحہ ۲۳۶ بحوالہ فتاویٰ جامع میں لکھا ہے:

" عن المشتغل بتعلم العلم وجب علی المسلمین کفایة الخ فقط "

جواب سوال سوم : رسول وای معلوم ہوتا ہے کہ اصل لفظ رسول اردو ای ہے اور رسول وای بھی درست ہے کیونکہ رسول لفظ عربی ہے اور وای ہندی ہے جس کے معنی پہنچے ہوئے کھیت کے ہیں یعنی کھیتی انجام پہنچ گئی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اصحاب انصار جو زمینداری کا کام کرتے تھے جب ان کی کھیتی پکنے لگتی تو ان سے عمدہ اور اعلیٰ میوہ اور غلہ چن کر مسجد نبوی کے کونے میں جا کر رکھ دیتے تا کہ مہاجرین محتاج اور مفلس کھائیں اور دعا کریں اور ایک روز ایک زمیندار نے اس مال میں دو سو صاع کھجوریں ناقص لا کر ڈال دیں، یہ فعل اس کا خداوند کریم کو ناپسند آیا اور فرمایا:

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ ... الخ ﴾

یعنی اے ایماندارو خرچ کرو راہ خدا میں اس چیز سے جو کمایا تم نے اور اس چیز سے جو نکالا ہم نے واسطے تمہارے زمین سے اور نہ قصد کرو بُری چیز دینے کا اور سیپارہ ربع اول میں ہے:

﴿ اِذَا اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ... الخ ﴾

یعنی ہر ایک کھیت اور میووں سے جس وقت پھل لائے اگر چہ کچا ہو اور وہ حق میوے کا یعنی صدقہ کرو جس دن کھیت کاٹو اور درخت گرا اور میوے چنو۔ یہ اہتمام سے صدقہ دینے اور دیر نہ کرنے کے لئے ہے تفسیر حسینی وغیرہ اور مولوی عبداللہ نے انوار جلد دوم صفحہ ۱۶۶ میں بحوالہ فتاویٰ عالمگیری لکھا ہے کہ ضرور جب غلہ ماڑا جائے اور بھوسہ سے غلہ صاف ہو جائے تو اس طواوڑہ سے پہلے گنتی ٹوپہ کے صدقہ کیا جائے۔

واللہ اعلم بالصواب

جواب سوال چہارم : سوال کا جواب نہایت توضیح سے اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۸۰ سے شروع ہوتا ہے مطالعہ فرمائیں۔

جواب سوال پنجم : دعا، طلب مغفرت کی مسلمان شخص کو اپنے والدین کے لئے جو بحالت کفر مرے ہیں نماز وغیرہ میں نہیں مانگنی چاہئے۔ لقولہ تعالیٰ:

﴿ وما كان لنبیّ والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ ﴾

یعنی نہیں لائق واسطے نبی ﷺ کے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں یہ کہ بخشش مانگیں مشرکوں کے واسطے اگر چہ وہ صاحب قرابت ہی کیوں نہ ہوں اور ایسے شخص کو چاہئے کہ اور دعائیں پڑھے جیسا کہ بخاری وغیرہ میں الفاظ وارد ہیں:

"اللھم انی اعوذ بک من عذاب القبر واعوذبک من فتنة المسیح الدجال"

سوال: بعض لوگ نجدی خیال کے کہتے ہیں کہ قبر میں عذاب نہیں ہوتا اور نہ ہی میت کو زندہ کیا جاتا ہے یہ کیونکر ہے؟

جواب: عذاب قبر برحق ہے اس کا ثبوت قرآن مجید و احادیث شریف و اجماع امت سے ثابت ہے اور اس سے انکار کرنا کفر و ضلالت ہے۔ لقولہ تعالیٰ

﴿ سنعذبهم مرتين ثم يردون الى عذاب عظيم ﴾

یعنی قریب عذاب کریں گے ہم ان کو دو بارہ پھر پھیرے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔ آیت دوم:

﴿ وحاق بال فرعون سوء العذاب ☆ النار يعرضون عليها غدوا وعشيا ويوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب ﴾

یعنی گھیر لیا فرعون والوں کو عذاب کی برائی نے وہ آگ کہ حاضر کیے جاتے اوپر اس کے صبح و شام اور جب ہوگی قیامت کہا جائے گا داخل کرو فرعون والوں کو سخت عذاب میں پس ان ہر دو آیت سے عذاب قبر اور عذاب قیامت ثابت ہوا اور بخاری شریف سیپارہ ۵ میں براء بن عازب سے مروی ہے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ جب بٹھلایا جاتا ہے مومن کو بیچ قبر کے پھر آتے ہیں آنے والے (ملائکہ) اور پھر گواہی دیتا ہے کہ نہیں کوئی لائق بندگی کے مگر اللہ اور پیغمبر اس کا رسول ہے:

"فذلک قوله يثبت الله الذين امنوا بالقول الثابت فى الحيوة الدنيا وفى الآخرة"

پس قول اللہ تعالیٰ جس کے معنی یہ ہیں کہ ثابت رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ساتھ بات محکم کے بیچ زندگانی دنیا کے اور آخرت میں اور کہا صحابہ نے یہ آیت نازل ہوئی ہے بیچ عذاب قبر کے اور بخاری میں ہے کہ سوال کیا حضرت عائشہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عذاب قبر سے فرمایا آپ نے عذاب قبر برحق ہے اور سعید بن عاص سے مروی ہے کہ:

"سمعت النبى ﷺ وهو يتعوذ من عذاب القبر"

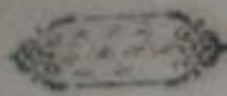
یعنی سنا میں نے نبی ﷺ سے کہ آپ پناہ مانگتے ہیں عذاب قبر سے اور کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے:

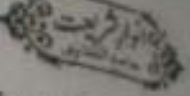
"فما رأيت رسول الله ﷺ بعد صلى صلوة الا تعوذ من عذاب القبر"

یعنی کہ نہیں دیکھا میں نے رسول خدا ﷺ کو بعد اس کے کہ پڑھی ہو کوئی نماز مگر پناہ مانگی آپ نے عذاب قبر سے اور کتاب بخاری باب الجنائز میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے:

"ان رسول الله ﷺ قال ان العبد اذا وضع فى قبره ويتولى عنه اصحابه انه يسمع قرع نعالهم اتاه ملكان فيقعد انه فيقولان ما كنت تقول فى هذا الرجل لمحمد الخ"

یعنی فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ جب بندہ رکھا جاتا ہے قبر میں اور پھیرتے ہیں ساتھی اس کے تحقیق وہ





ہے سنتا ہے آواز جوتیوں ان کی اور آتے ہیں اس کے پاس دو فرشتے پس بٹھلاتے ہیں اس کو اور کہتے ہیں یا کہتا تھا تو پیچ اس شخص کے پس کہتا ہے مومن میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ بندہ اللہ کا ہے اور پیغمبر اس کا ہے:

"انه يفتح له فی قبره"

یعنی پھر اس کو جنت کی بشارت دی جاتی ہے اور قبر اس کے لئے فراخ کی جاتی ہے اور کہ [illegible] رضی اللہ عنہ نے کہ کافر سے بھی ایسا ہی سوال ہوتا ہے پس کہتا ہے:

"لا ادری کنت اقول ما یقول الناس فیقال لا دریت و[illegible] ویضرب من [illegible] فیصیح صیحة الخ"

پس کہتا ہے میں نہیں جانتا اور میں کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے، پس کہا جاتا ہے نہ [illegible] نے [illegible] مارا جاتا ہے لوہے کی گرزوں سے یکبارگی مارا جاتا پس نہایت چیختا چلاتا ہے اور سوائے جنوں اور آدمیوں کے سب آس پاس والے اس کی آواز کو سنتے ہیں الخ۔ ان دلائل کے سوا ہزار ہا اور بھی دلائل اس پر شاہد ہیں اور تمام کا اس بات پر اتفاق ہے اور عقل بھی اس سے مانع نہیں کہ خدا تعالیٰ اس کے تمام بدن یا اس کے کچھ حصہ میں روح ڈال دے اور اس کو دکھ یا سکھ پہنچائے اور اگر کہو کہ انسان قبر میں ایک ساعت بھی زندہ نہیں رہ سکتا کیونکہ وہاں ہوا بالکل بند ہوتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ خدا قادر ہے جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کے لئے کچھ مشکل نہیں چنانچہ اصحاب کہف کا قصہ اس پر شاہد ہے، وہو ہذا:

"ولبثوا فی کهفهم ثلث مائة سنین وازدادوا تسعاً"

یعنی رہے وہ بیچ غار اپنی کے تین سو برس اور زیادہ رہے نو برس اور وہ پس سوتے تھے اور کروٹیں بدلتے ہیں ہم ان کی داہنی طرف اور بائیں طرف اور کتا ان کا پھیلا رہا ہے دونوں ہاتھ اپنے الخ۔ پس ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں اور نہ ان کو وہاں کچھ پہنچتی ہے اور نہ ان کو کچھ خبر ہے چنانچہ اس آیت میں ہے:

﴿ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ الخ ﴾

کہا ایک کہنے والے نے ان میں سے کتنا رہے تم، کہا انہوں نے ایک دن یا تھوڑا حصہ دن سے الخ۔ غرضیکہ خداوند کریم جس جگہ کسی بشر وغیرہ کو رکھنا چاہتا ہے اسی جگہ کے موافق اس کے مزاج کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں معترضین کو جنین کی حالت پر غور کرنا چاہئے کہ باوجودیکہ کئی پردوں میں رحم کے اندر جہاں اس کو کسی طرف سے بھی ہوا نہیں ملتی کس طرح زندہ رہتا ہے پرورش پاتا اور پیٹ کے اندر حرکت ڈال کر زندہ کر دیتا ہے۔ فقط قادر کی کس قدر حکمت پائی جاتی ہے۔ اس طرح خدا تعالیٰ قبر کے اندر بھی مردہ میں روح ڈال کر زندہ کر دیتا ہے، فقط۔

سوالات از جانب چوہدری غلام یٰسین
از فیض پور چک نمبر ۴۴۰ علاقہ سمندری

سوال: جو اشیاء خوردنی ہندو یا عیسائی یا اور کسی غیر مذہب کے ہاتھوں کی بنی ہوئی ہوں ان کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ۔ شک ہندو و عیسائی وغیرہ بد مذہب کی دستی اشیاء ماکولہ بنی ہوئی سے مسلمانوں کو اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ یہ لوگ ناپاک و پلید پانی استعمال کرنے سے پرہیز نہیں کرتے اور ان سے عیدوں میں ہدیہ نہ لیا جائے چنانچہ خزانۃ الروایات و محیط ذخیرہ میں مذکور ہے:

"لا ینبغی للمؤمنین ان یقبل ھدیۃ الکافر فی یوم عیدھم ولو قبل لا یرسل الیھم شیئاً"

اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے فتاوی عزیزی صفحہ ۱۱۷ میں لکھا ہے کہ عیسائیوں کے ساتھ نہ کھانا مل کر کھایا جائے اور نہ ہی ان کے برتنوں میں کھانا کھایا جائے کیونکہ یہ لوگ مشرک ہیں اور شراب و خنزیر و حرام اشیاء کو حلال تصور کرتے ہیں لیکن اگر کسی خاکروب کو کوئی مسلمان لاٹھی سے یا کھاری میں روٹی باندھ یا رکھ کر دے اور خاکروب اسی طرح الٹا کر دوسرے مسلمان کو جاوے تو اس میں کوئی قباحت نہیں آتی جیسا کہ فتاوی عبدالحی میں ہے، فقط۔

سوال: کفار کی نوکری کرنی جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کونسی نوکری جائز ہے؟

جواب: "نوکری کفار ان دربعض امور جائز و دربعض ناجائز چنانچہ درفتاوی شاہ عبد العزیز جلد۲ صفحہ۱۱۱ مذکور است اگر نوکری ارتکاب معصیت کبیرہ متوقع باشد مانند محاربہ بامسلمین در پلٹنہا و مانند آں شراب و گوشت مردار و خنزیر وغیرہ خدمتگاران را ایں قسم روزگار ممنوع است ودیگر روزگار کہ در آں ایں چنیں منہیات نباشد مانند نوشتن امور عدالت و مانند منشی گری و مانند قافلہ رسانی و نگہبانی پولیس و مانندآں ممنوع نیست فقط"

سوال: کتب فقہ کو تہمت لگانے والا اور منکر فقہ کون ہوتا ہے؟

جواب: کتب فقہ معتبرہ سے انکار کرنے والا محقق علماء کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے بالعکس شافعیہ حنفیہ وغیرہ کے چنانچہ فتاوی عزیزی جلد اول صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے کہ:

"اگر منکر شود بجہت آں کہ ایں کتاب از علوم دینیہ است پس ایں خود کفر است"

اور اسی طرح فتاوی عبدالحی جلد اول صفحہ ۱۸ میں لکھا ہے:

" لانه اهان الدين ومن اهان الدين فقد كفر "

اور فتاوی بزازی میں ہے:

" اذا القى الفتوى على الارض او قال عند رؤيه الفتوى ردى او قال " اين چه شرح است يكفر لانه رد حكم شرع "

فقط واللہ اعلم

سوال: جو عورت حیض سے پاک ہو اور غسل نہ کیا ہو اس سے وطی کرنی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بے شک اگر عورت ایام معینہ حیض سے پاک ہو جائے اور اس پر وقت نماز کا بھی گزر جائے تو پھر قبل از غسل اس سے وطی کرنا جائز ہے لیکن بہتر ہے کہ غسل کے بعد وطی کرے چنانچہ فتاوی عالمگیری و جامع الفوائد و شرح وقایہ و برجندی میں مذکور ہے:

" وحل وطی من قطع دمها الا اكثر الحيض او النفاس قبل الغسل دون من قطع الاقل منه الا اذا مضى وقت يسع الغسل والتحريمة "

اور انوار مولوی عبداللہ دفتر اول صفحہ ۱۵ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ " بمجرد پاك شدن وطی او حلال گردد، ولیکن مستحب است که بعد از غسل وطی کنند. اما زینکه پیش از عادت خود پاك شود وطی حلال نبود اگرچه غسل کند تادمیکه ایام عادت او تمام نگزرد "

فقط واللہ اعلم

سوال: نماز کی ہر رکعت میں بسم اللہ شریف پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بے شک سورۂ فاتحہ کے قبل ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنی چاہئے، ہکذا فی کتب الفقہ۔

سوال: بڑا بھائی یا کوئی اور ولی نکاح بالغہ کا جبراً کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: بے شک لڑکی عاقلہ بالغہ کا نکاح برصیغہ جبر نہیں ہو سکتا چنانچہ ہدایہ و شرح وقایہ و قدوری میں ہے:

" ولا يجوز لولى اجبار البكر البالغة على النكاح "

یعنی نہیں جائز ولی کو جبر کرنا کنواری بالغہ کو نکاح پر (ہاں) اکراہ سے نکاح جائز ہے۔

" والبكر البالغة لاينجبه عندنا "

سوال : ورثہ جو کہ شرعی حساب سے لڑکیوں کو ملتا ہے اس ملک میں چونکہ رواج نہیں ہے پھر مومن ورثہ اپنا لڑکیوں کو دیتا ہے، کیا اس ملک میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب : ضروری دینا چاہئے کیونکہ رواج زمانہ بمقابلہ نص ربانی معتبر نہیں بلکہ مردود ومتروک ہوا کرتا ہے اور قرآن مجید میں ہے:

﴿ يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾

یعنی اللہ تمہیں وصیت کرتا ہے۔ تمہاری اولاد کے حق میں، مردوں کے لئے ہے مانند حصہ دو عورتوں کے الخ اور ترکہ لڑکیوں کو بوجہ رفتار زمانہ کے نہ دینا سخت گناہ ہے اور منکر اس کا کافر ہے۔ ہکذا فی کتب الفقہ، فقط۔

سوال : بیع فاسد کون کونسی ناجائز ہے اور کون کون سی جائز ہے؟

جواب : ہر ایک اشیاء بن بیع فاسد ناجائز ہے اور وہ مثل مردار خون وشراب وخنزیر وحر وبیع ام ولد ومدبر مطلق وکاتب اور اسباب عوض شراب وغیرہ کے ہے اور بیع باطل بھی جائز نہیں اور ان کی مثالیں بہت ہیں، فقط۔

سوال : اگر نفاس کی حد کے اندر خون بند ہو جائے تو نماز روزہ تلاوت وطی جائز ہے یا نہیں؟

جواب : بے شک اگر عورت نفاس سے ہمیشہ چالیس یوم کے اندر پاک ہو جاتی ہے اور خون پھر بالکل اس کو چالیس یوم کے اندر کبھی نہ آتا ہو تو اس عورت سے وطی وغیرہ جائز ہے۔

بہتی مدت حیض دی وہ چالی نفاس　　تھوڑی مدت نہ کجھ جتھے رہے تتھے پاک

(از انواع صدقہ)

سوال : بیعت کسی بزرگ سے کرنی فرض ہے یا واجب یا سنت؟

جواب : بیعت بزرگان سنت ہے۔ خواجہ کائنات علیہ السلام اور آل واصحاب کرام ومشائخ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے یہ محمول ہے چنانچہ قرآن مجید واحادیث صحیحہ میں مذکور ہے آیت شریف:

﴿ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ آیت شریف ﴿ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ﴾

یعنی جو شخص میری طرف رجوع ہوا اس کے رستے کی پیروی کرو اور فتاوی عزیزی صفحہ ۱۴ میں لکھا ہے کہ یہ طریق سنت ہے اور قرآن مجید میں ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ ﴾

سوال : جس شخص کو مرض سلسل البول کی ہو وہ کپڑا کتنی مدت کے بعد دھوئے اور اس کے وضو کی حد کتنی ہے؟

جواب: وضوء کی مدت وقت نماز تک ہے کپڑا بار بار دھونے اور بدلانے کی چنداں ضرورت نہیں تاوقتیکہ عذر دور نہ ہو۔فقط۔

سوال: محبت کفار وشیعہ ونیچری ومرزائی وغیرہ سے کرنی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بے شک ان کے ساتھ موانست ومجالس ومواکلت کرنا حرام ہے چنانچہ تفسیر عزیزی وغنیہ وصواعق محرقہ میں ہے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:

" ان الله اختارنی واختارلی اصحاباً وانصاراً وسیاتی قومٌ یسبونهم فلا تجالسوهم ولا تشاربوهم ولا تواکلوهم ولا تناکحوهم ولا تصلوا علیهم الخ "

باقی حال سلطان الفقہ حصہ اول وسیف النعمان میں دیکھیں۔

سوال: مونچھوں کا بڑھانا اور داڑھی کا منڈوانا اسلام میں کیسا ہے؟

جواب: بے شک داڑھی کا منڈوانا اور مونچھوں کا بڑھانا گناہ کبیرہ ہے چنانچہ مشکوٰۃ باب الترجل وترمذی میں ہے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:

" قال من لم یاخذ من شاربه فلیس منا "

یعنی جو شخص لبوں یعنی اپنی مونچھوں کو نہیں لیتا یعنی کترتا وہ ہم سے نہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کتراؤ یہ حدیث مسلم وبخاری میں ہے۔:

" خالفوا المشرکین اوفروا اللحی واحفوا الشوارب "

اور قرآن مجید میں ہے:

﴿ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي ﴾

یعنی حضرت ہارون نے اپنے بھائی کو کہا کہ میری داڑھی نہ پکڑ اور کتاب شیعہ اطواق الحمایت میں لکھا ہے:

" ثم قبض علی لحیته وهی بیضاء وقال علیه السلام من قطع اللحیة قبل القبض اسود وجهه یوم القیامة ولم ینک شفاعتی "

یعنی فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو داڑھی قبل مشت ہونے کے کٹاتا ہے۔ اس کا منہ قیامت کے دن سیاہ ہوگا اور میری شفاعت سے محروم ہوگا۔

" قال اخبرنا ابو حنیفة عن الهیثم عن ابن عمر انه کان یقبض علی لحیته ثم یقص ما تحت

القبضة قال محمد وبه ناخذ وهو فعل ابی حنیفة "

(نقل از آثار امام محمد صفحہ ۲۲۳)

" روی الامام الطحاوی انه قال النبی ﷺ من قطع شعرة من لحیته او من تحت لحیته لا یستجاب دعاؤه ولا تنزل علیه الرحمة ولا ینظر الله الیه نظر رحمة وتسمیة الملئکة ملعوناً وهو عندالله بمنزلة الیهود والنصاری "

یعنی فرمایا آپ نے جو شخص کٹاوے بال داڑھی اپنی سے نہیں قبول کی جاتی دعا، اس کی اور نہیں اترتی اس پر رحمت اللہ کی اور نہ نظر کرے گا اللہ طرف اس کے رحمت کی اور فرشتے اس کا نام ملعون رکھتے ہیں اور نزدیک اللہ تعالیٰ کے ہوتا ہے بمنزلہ یہود و نصاریٰ کے اور شرح وقایہ میں ہے:

" ان من حلق او قصر لحیته لا تجوز امامته وفی صلوة نفسه کراهة "

یعنی جس نے داڑھی منڈائی یا کترائی اس کی امامت جائز نہیں اور فی نفسہ بھی اس کی نماز مکروہ ہے۔

سوال : گلے میں زنجیر اور سونے کی انگوٹھی مرد کو جائز ہے یا نہیں؟

جواب : دست چپ انگشت خنصر چاندی بقدر سہ ماشہ کی انگشتری اگر بادشاہ یا قاضی یا نمبردار یا متولی وغیرہ کو جسے مہر لگانے کی ضرورت ہو جائز ہے سوائے ان کے اوروں کو اس سے ترک افضل ہے اور سونے کی انگشتری مردوں کو بالاتفاق حرام ہے۔

"وہر کسے را کہ حاجت مہر کردن باشد مثل متولی وغیرہ نیز حکم قاضی دارد کذا فی درالمختار" اور مالا بدمنہ میں ہے" بادشاہ وقاضی را انگشتری برائے مہر داشتن سنت است و دیگراں را ترک افضل است "وزنجیر سونے اور چاندی کی مردوں کے لئے حرام ہے اور لڑکوں کو زیور پہنانا بھی ناجائز ہے۔

سوال : رشوت کس کو کہتے ہیں؟

جواب : "کسے کہ مے آید و میر و دمیاں راشی و مرتشی و زیادہ میکند برائے یکے زیادہ میکند برائے دیگر آنرا بلغت عرب رانش میگویند و رشوت دادن و گرفتن حرام است و مرتکب و مستحق حرام ناراست چنانچہ ترمذی وابن ماجہ از عبداللہ بن عمر روایت میکند"

"لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی"

یعنی "لعنت کردہ رسول اللہ ﷺ رشوت دہندہ ورشوت گیرندہ را" اور مالا بدمنہ میں

لکھا ہے مگر " آنکه دادن رشوت برائے دفع ظلم جائز است " اور میرے خیال میں ہرگز دینا جائز نہیں اور ڈرا دھمکا کر لینا بھی مسلمان کو حرام ہے اور رشوت یہ ہے کہ زید اور عمر کے درمیان ہر کوئی امر خوف کا زائل کرنے کچھ لے لیوے یا ایک طرف سے کمی کرنا اور دوسری طرف ناحق زیادتی کرنا اور ان سے کچھ لے لینا رشوت ہے جیسا کہ اکثر اوقات محکوم لوگوں سے سرکاری آدمی کچھ لے کر چھوڑ دیا کرتے ہیں ہاں کسی کا کام اگر محض برصیغہ انوت کیا اور اسے کچھ بطور ہدیہ خود بخود دے کر اپنی رضامندی سے روانہ کر دیا تو یہ لے لینا جائز ہے یا اگر کسی نے کہا تو میرے ساتھ فلاں جگہ چل اور میرا کام کر دے تو میں اس قدر دوں گا اس نے کہا اس قدر روپیہ دے تب میں یہ کام کروں گا تو اس صورت میں یہ اجرت جائز ہے۔

سوال : سود خوار کی امداد اور سود دلوانا اور گواہی سود والے کی اگر بچی ہو تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب : بے شک از روائے شرح شریف امداد سود خوار اور سود دلوانا اور گواہی سود خوار کی عدالت میں جا کر دینا حرام ہے چنانچہ بخاری شریف پارہ ۶ میں ہے:

" اکل الربو وشاهده كاتبه "

یعنی ہر تینوں پر خداوند کریم کی لعنت ہے اور قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾

یعنی برے کاموں پر امداد مت دو کیونکہ برے کاموں میں کسی کو امداد دیتا ہے وہ مثل ہی شمار ہوتا ہے لقولہ تعالیٰ:

﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ﴾

" عن جابر لعن رسول الله ﷺ اكل الربوا وموكله وكتابه وشاهديه وقال هم سواء "

(رواہ مسلم)

یعنی جابر سے مروی ہے کہ لعنت کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سود کھانے والے کو اور سود کھلانے والے کو اور کاغذ لکھنے والے کو اور اس کے گواہوں کو روایت کیا اس کو مسلم نے اللہ تعالیٰ ایسے برے افعال سے ہر مومن کو بچائے۔

آمین ثم آمین

☆☆☆

﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم﴾

نقل فتویٰ اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت

مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عالم غیر مقلد جو کہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت کر جائے اور اس کی نماز جنازہ ایک غیر مقلد پڑھائے اور اس غیر مقلد کے پیچھے ایک عالم حنفی المذہب غیر مقلد متقی کے اعمال کو اور غیر مقلد کے اقتداء کو جائز سمجھ کر نماز جنازہ غیر مقلد امام کے پیچھے پڑھے حالانکہ خود عالم حنفی المذہب قبل ازیں لوگوں کو عقائد غیر مقلدین سے منع کرتا ہو پس اس حالت میں جب کہ عالم حنفی المذہب نے غیر مقلد کی نماز جنازہ غیر مقلد امام کے پیچھے جائز تصور کر کے ادا کی ہو تو اس پر از روئے شرع محمدی کیا تعزیر ہوتی ہے اور کیا بالا توبہ واستغفار ایسے عالم حنفی کی اقتداء جائز۔ عقائد وعملیات عالم غیر مقلد متقی وامام غیر مقلد وائمہ اربعہ مجتہدین کے مسائل اجتہادیہ کہ خلاف حدیث سمجھتا اور ان کے برعکس فتویٰ دینا اور عمل کرنا مثلاً:

۱: نماز تراویح ۲۰ رکعت سے کم پر گز کسی امام کے نزدیک نہیں۔ وہ آٹھ رکعت کا حکم دیتا اور عمل کرتا ہے۔

۲: مسئلہ طلاق مخالفہ جو کہ فی کلمۃ واحدۃ او جملۃ واحدۃ کے کہی گئی ہوں اس طلاق مخالفہ کو حکم رجعی طلاق کا دے کر بدون نکاح شوہر ثانی اس کے ساتھ نکاح کرا دیتا ہو اور تقلید شخصی سے بالکل انکار کرتا رہا ہو علاوہ ازیں آمین بالجہر کہنا امام کے پیچھے الحمد پڑھنا ہاتھ سینہ پر باندھنا سورۂ فاتحہ وغیرہ میں ض کی جگہ ظ پڑھنا وغیرہ وغیرہ جائز سمجھتا اور اس پر مداومت کرتا۔ بینوا توجروا

خاکسار محمد ظہیر الدین خان لمس برج وزیر آباد

جواب: سائل نے جو فہرست دی ہے وہ غیر مقلدین کے بعض فروعی مسائل باطلہ واعمال فاسدہ کی ہے ان کے عقائد اور ہیں جن میں بکثرت کفریات ہیں، ان میں بعض کی تفصیل رسالہ الکوکبۃ الشہابیہ میں ہے۔ جس میں ستر وجہ سے ان پر اور ان کے پیشوا پر حکم فقہا کرام بلزوم کفر ثابت کیا ہے۔ کسی جاہل صحبت نایافتہ کی نسبت احتمال ہوتا کہ وہ ان کے عقائد ملعونہ سے آگاہ نہیں۔ ظاہری صورت مسلمان دیکھ کر اقتداء کر لی اور نماز جنازہ پڑھ لی مگر جسے عالم ہونے کا دعویٰ ہو اور ان کے عقائد پر مطلع ہو اور لوگوں کو ان سے منع کرتا رہا ہو پھر انہیں اچھا جان کر ان کے جنازہ کی نماز پڑھے اور ان کی اقتداء کرے تو ضرور اس کے عقیدہ میں فساد اور اس کے ایمان میں خلل آیا اور وہ بھی منہم شمار ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

﴿ومن یتولھم منکم فانہ منھم﴾

اب اس شخص کے پیچھے نماز ہرگز جائز نہیں اور اس پر توبہ وتجدید اسلام لازم ہے اور اگر عورت رکھتا ہو تو تجدید توبہ وتجدید اسلام تجدید نکاح کرے۔

" والله يهدى من يشاء الى صراط مستقيم ، ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئاً ، ومن نكث فانما ينكث على نفسه ومن يتول فان الله هو الغنى الحميد ، ومن كفر فان الله غنى عن العلمين نسئل الله العفو و العافية ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم"

مہر مدرسہ اہل سنت والجماعت بریلی (مہر محمد اسمٰعیل ابومطہر بریلوی) (مہر محمد امجد علی رضوی بریلوی) (مہر مصطفی رضا خاں آل الرحمٰن ابوالبرکات محی الدین جیلانی) (مہر محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی (مہر عبدالمصطفی احمد رضا خاں حنفی قادری) الجواب صحیح ، واقعی فرقہ وہابیہ نجدیہ کے پیچھے نماز عالم حنفی کی جائز نہیں ہوتی کیونکہ ان کی توبت کفر تک پہنچ گئی۔

احقر المسکین امام الدین کھوکھر حنفی سکنہ جلال پور جٹاں

☆☆☆☆☆

نقل فتویٰ مولوی اصغر علی صاحب روحی:

اقول وباللہ التوفیق ، فرقہ غیر مقلدین جو وہابیہ نجدیہ کے طریق پر چلتے ہیں بوجہ چند عقائد باطلہ کے اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں لہذا وہ لوگ طریق حضرات سلف یعنی صحابہ وتابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ اجمعین کے برخلاف ہیں کیونکہ فرون ثلاثة مشهود لها پس فرقہ وہابیہ جن کے عقائد مشہور دور وزدیک ہیں اہل السنت کا فرقہ نہیں کہلا سکتا بلکہ اہل بدعت وہوا ہیں اور مبتدع از روئے احادیث صحیحہ ہرگز قابل حرمت نہیں ، بلکہ ان کے احترام پر وعید وارد ہوئی ہے۔ امامت منصب احترام ہے لہذا ایسے مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور جو حنفی ان کے عقائد کو جائز سمجھ کر پڑھے وہ بھی بدمذہب ہے اس کی امامت بھی جائز نہیں۔

فقط۔ خاکسار اصغر روحی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور۔

☆☆☆☆☆

نقل مختصر از فتویٰ مولوی نور اللہ شاہ صاحب

فاضل اجل چک ۱۶۰ بانگا علاقہ لائلپور:

بے شک فرقہ غیر مقلدین ضل اور مضلہ ہے ان کے پیچھے ہرگز نماز حنفی مذہب کی جائز نہیں اور جو ان کے پیچھے جائز سمجھ کر پڑھے اس کو علانیہ توبہ کرنی چاہئے اور تحریر، فقط۔

نقل فتوائے علمائے نعمانیہ لاہور:

ان تینوں فتووں کے ساتھ مجھ کو اتفاق ہے۔ یقیناً غیر مقلدین فرقہ ضالہ ہے اور قابل امامت نہیں۔ بے شک غیر مقلدین کے پیچھے نماز درست نہیں اور جو شخص دیدہ دانستہ ان کی اقتداء کرے مبتدع ہے۔

فقط نور محمد کیمبلپوری

واقعی غیر مقلدین قابل امامت مقلدین کے نہیں ہیں۔ مقلدین، اہل سنت والجماعت کو ان سے من کل الوجوہ احتراز لازمی ہے۔

۱۲ غلام محمد خان ساکن جنڈیال ضلع کیمبلپور

فرقہ وہابیہ کا اعتقاد ہے کہ انبیاء واولیاء خدا تعالیٰ کے نزدیک مثل چمار کے رتبہ رکھتے ہیں۔

(نقل از تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل پیشاوری لاہوری

اور اپنا نام موحد رکھا ہوا ہے اور حنفیہ کرام کو یہ لوگ مشرک کہتے ہیں اور ظاہر ہے جو مسلمان کو کافر کہے وہ کافر ہوتا ہے۔ مولانا مولوی شیخ احمد کاشمیری رسالہ رجوم الشہابیہ فی رد وہابیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

کہ بلاشک این ہمہ کافر مطلق اند　　کہ مبین انبیاء ومکفر اہل حق اند

پس جب ایسے اجل علماء کے ان کے کفر پر فتوے ہیں تو پھر ان کی نماز جنازہ اور ان کی اقتداء کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔ الغرض غیر مقلدوں کی اقتداء ہرگز جائز نہیں۔

کتبہ:

محمد عالم امام مسجد گمٹی بازار لاہور

غیر مقلدین کے پیچھے نماز مقلدین کی چند وجوہات سے ناجائز ہے۔ کتبہ:

محمد امین امام مسجد متصل برود خانہ لاہور

از جانب مولوی معنوی ابراہیم چک گاگر ضلع ملتان

سوال: حقہ پینا نزدیک علمائے دین شرع متین کے جائز ہے یا حرام؟

جواب: اس مسئلہ میں علمائے دین کا بہت اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک مکروہ اور بعض کے نزدیک حرام اور فقیر کہتا ہے کہ بہر حال اس کو ترک کرنا اولیٰ ہے کیونکہ مکروہ پر دوام عمل کرنا بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور کتاب درالمتین مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی صفحہ ۹ میں لکھا ہوا ہے کہ ایک شخص نے صرف حقہ مہمانوں کے لئے اپنے گھر میں بنا رکھا تھا اور اس سبب سے وہ آپ ﷺ کی زیارت سے محروم رہا، وہو ہذا:

" اخبرنی سید الوالد قال کان رجل من اصحابنا لا یشرب التناک ولکنہ کان قد ھیا القدرۃ لاضیافہ فرأی النبی ﷺ فی النوم الواقیظۃ لا ادری ای ذلک مقبلاً الیہ ثم اعرض وخرج ذلک المکان قال فشد تشذت الیہ وقلت یارسول اللہ ما ذنبی فقال فی بیتک القدرۃ ونحن نکرھھا ..... الخ "

جناب کے والد کا بیان ہے کہ ہمارے یاروں میں سے ایک شخص خود تو حقہ نہ پیتا تھا لیکن اس نے مہمانوں کے واسطے بنا رکھا تھا تو اس نے دیکھا نبی علیہ السلام کو خینہ یا بیداری میں (یہ دریافت نہیں) کہ آپ تشریف لائے اس کی طرف اور منہ پھیر لیا اور اس مکان سے باہر تشریف لے گئے اور کہا اس نے آپ گریزاں ہوئے۔ میں آپ کے پیچھے دوڑا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھ سے کیا خطا ہوئی۔ فرمایا تیرے گھر میں حقہ ہے جو ہمیں بُرا معلوم ہوتا ہے فقط۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جب اس کا بزرگان خدا کے نزدیک گھر میں رکھنا اس قدر برا ہے تو پھر اس کا استعمال کرنا کس طرح جائز ہوگا اور بخاری شریف میں حدیث بدیں مضمون وارد ہے کہ آپ کی ذات خوشبودار چیز کو بہت محبوب رکھتی تھی، نہ بدبو کو اور فرمایا کہ تم اپنے منہ کو مسواک سے صاف اور پاک رکھو اور مسجد میں تھوم و بصل خام کھا کر مت داخل ہو کیونکہ ان کے کھانے سے منہ سے بدبو آتی ہے اور فرشتوں کو ایذا پہنچتی ہے اور یہ حرام ہے اور فتویٰ جامع الفوائد ۴۳ بحوالہ علام الرحمن فی نفی علل شرب الدخان لکھا ہے۔

شعر

یہ حقہ بڑبڑ کرتا ہے یہ شیطون کا خایہ ہے — یہ لمبا کا نا ایسا ہے جیسا شیطون ڈکر چھپایا ہے
کتنے پیچ تو فیر گزرے کے نہ دھواں کھایا ہے — ہن ملاں قاضی پیون لگے انہاں بھی دین ڈبایا ہے

پس برادران اسلام و صوفیائے کرام کو چاہئے کہ اس سے اجتناب کریں اور راہ مستقیم پر چلیں اور باقی مفصل ذکر اس کا ان شاء اللہ جلد نمبر ۳ میں آئے گا۔

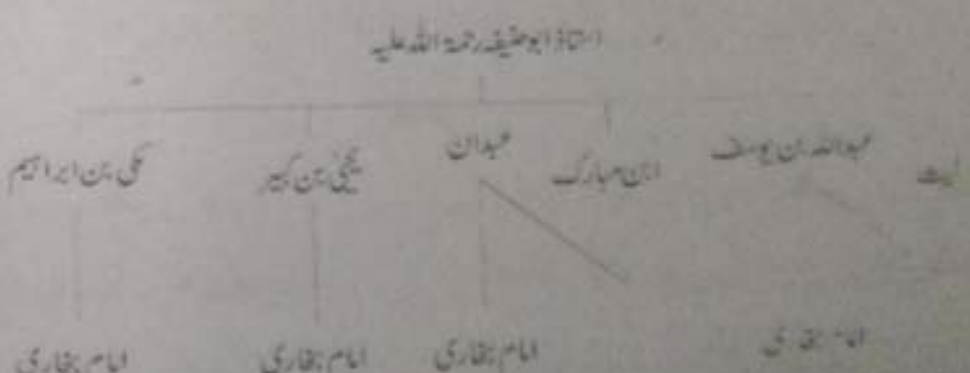
سوال : غیر مقلد کہتے ہیں کہ کتب صحاح ستہ میں یعنی بخاری و مسلم و ابن ماجہ و ترمذی و ابوداؤد میں کہیں امام صاحب کا نام نہیں اگر وہ محدث ہوتے تو ضرور ان کا نام اور ان سے روایات مسطور ہوتیں؟

جواب : کتاب الحطاء صفحہ ۱۳۱ میں محدث جونپوری نے بایں طور اس کا جواب تحریر کیا ہے کہ فرقہ وہابیہ نجدیہ کو ابتداء سے امام اعظم کوئی حامی سنت سے عداوت تھی، ممکن ہے کہ انہوں نے امام صاحب کا نام تمام صحاح ستہ سے بوجہ عداوت نکال دیا ہو، کیونکہ اول یہ کتابیں قلمی تھیں اور ان میں امام صاحب موصوف کا نام تھا اور جو ہندوستان میں چھپی ہیں ان میں کہیں نام و نشان امام صاحب کا نظر نہیں آتا چنانچہ کتاب ترمذی کے آخر کتاب العلل میں اس عبارت کو خاص اڑوایا ہے، وہو ہذا:

"حدثنا محمود بن غیلان نا ابو یحیی الحمانی قال سمعت ابا حنیفة یقول ما رایت اکذب جابر الجعفی ولا افضل من عطاء بن رباح"

یہ عبارت مصر کی چھپی ہوئی ترمذی میں موجود ہے اور اسی پر ناظرین کو قیاس کر لینا چاہئے اور علاوہ اس کے انہی کتابوں میں امام صاحب کے شاگردوں کے اسماء سے جب یہ کتابیں بھری ہوئی ہیں پھر امام صاحب لاعلم اور ضعیف کہلائیں، سبحان اللہ یہ کونسی عقل اور ایمانداری کی بات ہے۔ دیکھو بخاری کی سندوں میں عبدالرزاق، حفص، بن غیاث حفص بن عمر، حفص بن غیاث، عبدالرحمن بن مہدی، ابونعیم ابن ابی زائد، یونس ابن ابی مریم، عثمان ابن ابی شیبہ، وکیع ابن المبارک علی بن المدینی، علی بن الجعد، وغیرہ یہ سب امام صاحب کے شاگردوں میں سے ہیں اور خود امام بخاری امام صاحب کے شاگردوں کے شاگرد ہیں اور کوئی محدث امام صاحب کے بعد نہیں گزرا جس نے امام صاحب موصوف سے کسی نہ کسی واسطے سے علم حاصل نہ کیا ہو اور فقیر ان شاء اللہ تعالیٰ تیسرے اور چوتھے جلد میں بطور شجرہ دکھادے گا اور اس جگہ بھی بخاری کے شاگرد ہونے کا نقشہ لکھ دیتا ہے۔

(نقل از کتاب الحطاء صفحہ ۲۸)



پس اگر امام صاحب ضعیف ہیں تو یہ سب کے سب ان کے نزدیک ضعیف ٹھہریں گے اور تمام صحاح ستہ قابل عمل نہ رہا۔

سوال: از جانب میاں حسن محمد صاحب ٹھیکیدار ڈھوئیکے، ابراہیم غیر مقلد کہتا ہے کہ مذہب حنفی میں کتے کی کھال پر نماز پڑھنی جائز ہے، یہ کیونکر ہے؟

جواب: یہ محض ان کی دھوکہ بازی اور نا سمجھی ہے کیونکہ اب تک کسی عالم حنفی نے نہ یہ فعل کیا ہے اور نہ ہی اس پر فتویٰ دیا ہے اور علاوہ اس کے ابوالمکارم نے لکھا ہے کہ کتا نجس العین اور صحیح یہ ہے کہ کتا نجس العین نہیں کیونکہ اس کا شکار کیا ہوا کھانا جائز ہے چنانچہ فتاویٰ خان میں ہے اور جو بعض کتب فقہ حنفیہ میں لکھا ہے کہ اگر چمڑہ کتے کا دباغت دیا گیا ہو تو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے تو اس کا جواب بدیہ پر دیا جاتا ہے، اول تو یہ روایت مرجوح اور ضعیف ہے جو کہ قابل عمل نہیں چنانچہ کتاب نصر الجہد ین صفحہ ۲۴۳ میں مذکور ہے:

"ما وقع فی بعض الروایات الضعیفة المرجوحة من جواز لبس جلود السباع فذلک انما هو ضرورة ودفع الحرج عمن لا یجد غیرها واما مع وجود الثیاب فلم یقل بجواز لبسها احد ولم یذکر فی کتبنا الخ"

یعنی جو بعض روایات ضعیفہ مرجوحہ میں ہے کہ درندوں کا چمڑہ پہننا درست ہے پس وہ حکم بوقت ضرورت ہے اس شخص کے حق میں جس کو اور کوئی چیز ستر چھپانے کے واسطے نہ ملے اور بوقت کپڑوں کے ملنے کے کسی حنفی نے اس کے جواز کا حکم نہیں دیا اور نہ کسی کتب حنفیہ میں اس کا ذکر ہے، الخ۔ اور بوقت اشد ضرورت تو مردار و لحم خنزیر بھی مباح ہے خود قرآن مجید شاہد ہے

ترمذی میں حدیث ہے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:

"ایما اهاب دبغ فقد طهر"

یعنی جس قسم کا چمڑہ دباغت دیا جائے گا وہ بے شک پاک ہو جائے گا الخ۔ اب حضرات غیر مقلدین کو چاہیے کہ آئندہ کسی ضعیف اور مرجوحہ روایت پر فقہ حنفیہ میں جو درج ہے اعتراض نہ کریں اور ذرہ اپنے مذہب کی کتابوں کو بھی دیکھیں اور جواب دیں وہو ہذا:

"ایما اهاب دبغ فقد طهر شعر الانسان والمیتة والخنزیر طاهر"

(نور الحقائق صفحہ ۱۳)

یعنی کہا وحید الزمان نے کہ دباغت سے آدمی کے بال و چمڑا مردار و سوئر کا بھی پاک ہو جاتا ہے اور اسی صفحہ میں لکھا ہے کہ لعاب و پسینہ کتے کا بھی ایک قول میں پاک ہے اور طریقہ محمدیہ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ اگر پانی قلیل ہو تو نجاست پڑنے سے پلید نہیں ہوتا اور فتح المغیث صفحہ ۵۲ میں لکھا ہے کہ اگر بلی یا کتا یا سور کنوئیں میں گر کر مر جائے یا ایک لوٹا یا پیالہ یا گھڑے میں اس قدر گوبر یا موت یا شراب یا کوئی نجس شے پڑ جائے جس سے اس کا رنگ اور بو اور مزہ نہ بدلنے پائے یا اس میں نہ یا سور منہ ڈالے تو وہ پانی پاک اور پاک کرنے والا ہے۔ وضو، نماز اس سے درست اور پینا اس کا جائز اور طریقہ محمدیہ

صفحہ ۷ سے صاحب فتح المبین صفحہ ۴۵۶ میں بایں طور لکھا ہے۔ وہو ہذا:

بول پسر شیر خوار اور پیشاب اور گوبر سور کا اور بول کتے گدھے اور گھوڑے اور خچر اور بندر اور ریچھ اور بھیڑیئے اور بلی اور شیر وغیرہ حیوانات کا و براز و چربی و خون و منی و شراب یہ سب چیزیں پاک ہیں۔

(نقل از فتح المبین صفحہ)

پس اب حضرات غیر مقلدین اس پر عمل کریں اور اپنے بال بچوں اور بیبیوں کو بھی یہ تعلیم دیں اور ہم مذہب حنفیہ کو مہربانی فرما کر قرآن مجید و حدیث صحیح سے ان کا ثبوت دیں، فقط۔

سوال: کوئی ایسا بھی وظیفہ ہے جو ہر حاجت و ہر مراد دینی و دنیاوی کے لئے کافی ہو اور ہر مصیبت کے لئے مشکلکشا ہو؟

جواب: بے شک ایسے بہت سے وظائف ہیں لیکن بندہ کے نزدیک وظیفہ "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" کا بہت اعلیٰ اور ہر ایک مصیبت و رفع بلیات کے لئے تیر بہدف ہے اور بندہ نے کئی بار تجربہ کیا ہے اور اس کی ترکیب یہ ہے پہلے دو رکعت نماز نفل نیت طلب ... ت پڑھے اور ہر دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد گیارہ گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھے اور سلام کے بعد سر بسجود ہو کر یہ کلمات پڑھے:

"یا شیخ الثقلین یا قطب الربانی یا محبوب السبحانی یا محی الدین ابا محمد سید عبدالقادر جیلانی اغثنی وامددنی فی قضاء حاجتی ھذہ یا قاضی الحاجات"

پھر کھڑا ہو کر بغداد کی طرف گیارہ قدم چلے اور ساتھ ہر قدم کے بآواز بلند یہ کلمات پڑھے:

"یا شیخ الثقلین یا قطب الربانی یا غوث الصمدانی یا محبوب السبحانی ابا محمد السید عبدالقادر جیلانی"

اور بعد ازیں مراقبہ کرے اور مراقبہ میں ایک سو ساٹھ بار کلمہ توحید پڑھے پھر سجدہ کرے اور سجدہ میں یہ کلمات تیس بار پڑھے:

"یا روح القدس و یا جنود اللہ و عباداللہ اغیثونی وامددنی فی قضاء حاجتی ھذا یا قاضی الحاجات امین امین"

اور ان کلمات کے پڑھنے سے پہلے خوشبودار دھونی دہکاوے اور گیارہ مسکینوں کو حسب طاقت کھانا کھلائے یا صدقہ دے اور یہ کام بوقت شب بطہارت بدن و لباس جگہ صاف اور گوشہ میں کرے اور اپنے پاس خوشبوئی بھی رکھے، ان شاء اللہ جس کام کے لئے اور جس نیت سے اس کو بطریقہ مذکورہ بالا پڑھے گا وہ بفضل خدا پورا ہوگا اور قلب بھی منور ہو جائے گا اور اس کی اجازت عزیزان و خریداران فتاویٰ ہذا کے لئے ہے۔ بے شک آزمائیں اور فقیر کو دعا دیں اور اس کے جواز کا ثبوت جلد اول

میں مفصل گزر چکا ہے اور کتاب مجملہ امام یافعی وبہجۃ الاسرار وتفریح الخاطر صفحہ ۶۸ اور کتاب نور ربانی علامہ بحیرہ وی صفحہ ۵۶ بحوالہ قصیدہ شیخ عبدالقادر جیلانی سے بایں طور لکھا ہے:

﴿ابیات﴾

و مریدی اذا دعا نی بشرقٍ	او بغرب او نازل بحرظام
اغثه لو کان فوق هواء	انا سیف قضاء لکل خصام
انا فی الحشر شافع لمریدی	عند ربی فلا یرد کلامی
انا شیخ و صالح وولی	انا قطب وقدوة للانام
انا عبدالقادر لطاب وقتی	جدی المصطفیٰ شفیع الانام
فعلیه الصلوٰة فی کل وقتٍ	وعلی اله بطول الدوام

یعنی میرا مرید جب پکارے مجھ کو مشرق میں یا مغرب میں یا تلے دریا چڑھے ہوئے کے اس کی فریاد کو پہنچوں گا اگر ہو اوپر ہوا کے اگرچہ میں تلوار ہوں قضاء کی واسطے ہر خصومت کے میں قیامت میں سفارش کرنے والا ہوں اپنے مرید کا اپنے رب کے پاس سو میری کلام نہ رد کی جائے گی۔ میں شیخ الاسلام ہوں اور مقبول عنداللہ اور دوست خدا میں قطب ہوں اور پیشوائے خلق ہوں۔ میں عبدالقادر ہوں خوش ہو اوقت میرا، جد میرے مصطفیٰ ﷺ ہیں جو شفاعت کرنے والے ہیں خلق کے پس ان پر صلوات ہر وقت ہو اور ان کی آل پر بھی ساتھ درازی دوام کے۔

فقط اللهم اغفرلی ولمن سعی

☆☆☆☆☆

ان اعتراضوں کے جواب جو میرزائی اہل سنت والجماعت پر کرتے ہیں:

استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مسائل ذیل میں جو نمبروار درج کیے جاتے ہیں:

۱: حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم عنصری سے آسمان پر اٹھائے گئے یا صرف روح؟

۲: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب تک زندہ ہیں یا نہیں، اگر زندہ ہیں تو کیا کھاتے ہیں کیونکہ انسانی زندگی کا مدار اس پر ہے

۳: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول آسمان سے کب ہوگا اور کس شریعت پر ان کا عمل ہوگا اور اپنے آپ کو نبی کہلائیں گے یا امتی؟

۴: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس ذریعہ سے آسمان پر گئے، ہوا یا بجلی یا کسی تخت پر سوار ہو کر چلے گئے؟

۵: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں دفن ہوں گے اور کتنی مدت دنیا میں رہیں گے؟

۶: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ونزول آسمانی سے انکار کرنا کفر ہے یا نہیں؟

۷: نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟ اور خلیفہ کے کیا معنی اور اس کی تعریف کیا ہے؟

۸: مجدد کے کیا معنی اور کس کو کہتے ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی نے جو دعویٰ کیا کہ میں نبی اور رسول اور مجدد زماں اور کرشن جی ہوں اب اس کو کیا مانا جائے مسلمان یا اس کے برعکس یا اس کے دعویٰ کے موافق؟

۹: مرزا صاحب کو کوئی شخص نبی یا رسول یا مجدد کرشن جی مانے یا صرف اس کے افعال کو اچھا سمجھے تو ایسے شخص کا مذبوحہ یا ایسے شخص کے ساتھ کھانا پینا یا ناطہ لینا دینا از روئے مذہب اہل سنت والجماعت جائز ہے یا نہیں، قرآن وحدیث سے بلا تاخیر تحریر فرمائیں۔

جواب ۱: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع جسمانی ہوا ہے نہ کہ صرف روحانی کیونکہ قرآن شریف میں روح کا ذکر نہیں قتل وصلیب کی تردید کی گئی ہے کہ " وما قتلوہ وما صلبوہ " یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا اس نص قرآنی سے رفع جسمانی ثابت ہے کیونکہ قتل اور صلیب کا فعل جسم پر وارد ہوتا ہے نہ کہ روح پر پس جس چیز کو قتل

اور صلیب سے بچایا اسی کو اٹھایا اور روح کو نہ کوئی قتل کر سکتا ہے اور نہ صلیب پر چڑھا سکتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ جسم کا رفع ہوا کیونکہ قتل اور صلیب سے جسم ہی بچایا گیا۔

(۲) جسم وروح مرکبی حالت کا نام عیسیٰ تھا ﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ ﴾ میں جو ضمیریں ہیں وہ حضرت عیسیٰ جو کہ روح و جسم دونوں کی مرکبی حالت کا نام ہے ان کی طرف راجع ہیں جب عیسیٰ مرکبی حالت میں بچایا گیا اور اسی حالت میں اٹھایا گیا تو ثابت ہوا کہ رفع جسمانی ہوا۔ انجیل میں لکھا ہے کہ مسیح شاگردوں کو دعا دیتا ہوا اور شہد و روٹی کھاتا ہوا اٹھایا گیا جس سے ثابت ہوا کہ جسمانی ہوا کیونکہ صرف روح نہ کھاتا ہے اور نہ ہاتھ اٹھا کر دعا کر سکتا ہے، پس جسم مع روح کا رفع بحالت زندگی ہوا چنانچہ شیخ شہاب الدین المعروف ابن حجر تلخیص الحبیر مطبوعہ دہلی مطبع انصاری جلد ۲ صفحہ ۳۱۹، ۳۲۰ پر لکھتے ہیں:

"واما رفع عیسیٰ فاتفق اصحاب الاخبار والتفسیر علی انه رفع ببدنه حیاً"

یعنی اس پر اتفاق ہے حدیثوں اور تفسیروں کا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی بدن کے ساتھ بحالت زندگی اٹھائے گئے۔

جواب نمبر ۲: حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں جیسا کہ اجماع سے ثابت ہے حیا اٹھایا گیا، اس کے کھانے پینے اور بول و براز کا جواب یہ ہے کہ آسمانی کرہ ہر ایک زمین سے کئی حصے زیادہ ہے اور جدید علم حکمت سے ثابت ہے کہ ہر ایک دنیاوی اشیاء آسمانی تاثیرات سے معرض ظہور میں آتی ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَرِزْقُكُمْ فِي السَّمَآءِ ﴾

یعنی تمہارا رزق یعنی روزی آسمان میں ہے۔ دوم حضرت آدم علیہ السلام کا ہبوط آسمان سے نصوص قرآنی سے ثابت ہے پس جو کھانا پینا وغیرہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کو ملتا تھا وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملتا ہے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کھانا نہیں ملتا اور بھوکے رہتے ہیں، کوئی آسمان پر گیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکایت سن آیا ہے تو بتادے یہ صرف علوم حکمت وفلسفہ سے ناواقفیت کا باعث ہے کہ ایسے ایسے اعتراض کئے جاتے ہیں جب آسمان پر ہیولے یعنی مادہ اور عناصر موجود ہیں تو آسمانی مخلوق کو روزق کا ملنا کیا قیاس فاسد ہے جب کہ علوم جدیدہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ مریخ، چاند وسورج وغیرہ اجرام فلکی میں نہریں اور جنگل ہیں اور آبادیاں ہیں تو یہ اعتراض بالکل غلط ہے کہ عیسیٰ کھاتا کہاں سے ہوگا، سوم جب نص قرآنی سے ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کے واسطے خوانچہ بالکل تیار پکا پکایا آسمان سے نازل ہوتا تھا تو پھر ایسے ایسے اعتراض مضامین قرآنیہ سے ناواقفیت کا باعث ہے۔

جواب نمبر ۳: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کی دس نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ حضرت عیسیٰ کا نزول، دابۃ الارض کا نکلنا، دجال کا خروج وغیرہ وغیرہ پس جب قیامت آنے کو ہوگی تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی

ہوگا۔ معراج میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کو دیکھا تو قیامت کے بارہ میں گفتگو ہوئی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پہلے بات حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ڈالی گئی انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو خبر نہیں کہ قیامت کب ہوگی پھر حضرت موسیٰ پر بات ڈالی گئی انہوں نے بھی فرمایا مجھ کو خبر نہیں، پھر بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ڈالی گئی انہوں نے فرمایا کہ قیامت کی تو مجھ کو بھی خبر نہیں مگر اللہ تعالیٰ کا میرے ساتھ عہد ہے کہ میں زمین پر جا کر دجال کو قتل کروں گا۔ اس حدیث سے ثابت ہے کہ قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور دجال بھی نکلے گا، پس ثابت ہوا کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے ۱۲۔

جواب نمبر ۴: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع جسمانی بذریعہ بدلیوں کے ہوا جیسا کہ انجیل اعمال باب آیت ۹ میں لکھا ہے یہ کہ کے ان کے دیکھتے ہوئے اوپر اٹھایا گیا اور بدلی نے اسے ان کی نظروں سے چھپالیا یہ بدلی کا لفظ ثابت کر رہا ہے کہ رفع جسمانی ہوا اور نہ روح کے واسطے بدلی کا ہونا بالکل فضول ہے کیونکہ روح خود عالم علوی سے ہے اور تمام جہان جانتا ہے کہ روح اٹھانے کے واسطے کبھی بدلی نہیں آئی، پس مسیح آسمان پر بدلی کے ذریعے سے اٹھایا گیا ہے۔

جواب نمبر ۵: حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۴۵ برس زمین پر رہ کر پھر فوت ہوں گے اور مدینہ منورہ میں دفن ہوں گے جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں:

"فیدفن معی فی قبری"

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام میرے قبرہ میں مدفون ہوں گے چونکہ گنجائش ان مختصر جوابوں میں اس قدر نہیں کہ تمام حدیثیں لکھی جائیں، اگر کسی نے انکار کیا تو پھر پوری پوری حدیثیں لکھی جائیں گی۔

جواب نمبر ۶: نزول عیسیٰ علیہ السلام کا نزول شرائط الساعۃ میں سے ایک شرط ہے یعنی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿انہ لعلم للساعۃ﴾

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کی دس نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور یہ مسئلہ اصول ہے۔ کہ:

"اذا فات الشرط فات المشروط"

یعنی جب شرط فوت ہو تو مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے جب نزول عیسیٰ علیہ السلام شرط ہے قیامت کی جب شرط یعنی نزول عیسیٰ سے انکار ہوا، مشروط یعنی قیامت سے بھی انکار ہوا اور یہ ظاہر ہے کہ قیامت کا انکار کفر ہے پس ثابت ہوا کہ نزول عیسیٰ کا منکر منکر قیامت ہے اور قیامت کا منکر [illegible] نزول کے واسطے حیات شرط ہے کیونکہ طبعی مردے کبھی واپس

نہیں آتے زندہ شخص دوبارہ واپس آ سکتا ہے جس سے ثابت ہے کہ حیات مسیح کا منکر نزول اسامتا کا منکر ہے اور کافر ہے۔

جواب نمبر ۷: نبی و رسول میں یہ فرق ہے کہ نبی صاحب کتاب و شریعت نہیں ہوتا اور رسول صاحب شریعت ہوتا ہے۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اپنی کتاب فصوص الحکم فصل ۱۲ میں لکھتے ہیں:

نبی وہ ہے جو خلق کے پاس ہدایت کے لئے اور اس کمال کے راستہ بتلانے کے لئے بھیجا گیا ہو جو حضرت علیہ میں ان کے اعیان ثابتہ کے استعداد کے مقتضاء پر ان کے لئے مقدر ہے اور وہ نبی کبھی صاحب شریعت ہوتا ہے جیسے رسل علیہم السلام ہیں اور کبھی صاحب شریعت جدید نہیں ہوتا بلکہ پہلی ہی شریعت میں اس کے حقائق کو ان کی استعداد کے موافق تعلیم کرتا ہے جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء ہیں انتھی۔ شیخ اکبر کی عبارت سے صاف ظاہر ہے رسول صاحب شریعت جدید ہوتا ہے اور نبی صاحب شریعت جدید نہیں ہوتا یعنی نبی صرف نبی ہوتا ہے اور رسول نبی بھی ہوتا ہے اور رسول بھی خلیفہ تو صاحب حکومت ہوتا ہے اور حدود شریعت کا نگہبان ہوتا ہے وہ رسول و نبی نہیں ہوتا بعد خاتم النبیین کے صرف خلفاء ہوں جو شریعت کی حفاظت کریں گے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل ادب سکھائے جاتے تھے، نبیوں سے جب ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی مبعوث ہوتا مگر چونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے یعنی غیر تشریعی نبی جو شریعت سابقہ کی پیروی کرے اور خود بھی نبی کہلائے نہ ہوگا اس لئے میری امت کے امیر یا خلیفے یعنی بادشاہ حدود شریعت کی نگہبانی کریں گے اور چونکہ میں خاتم النبیین ہوں اس واسطے نبی کوئی نہیں کہلائے گا مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث ہے مفصل دیکھنا ہو تو دیکھ لیں اور خلیفوں کی صفات وغیرہ کا بھی ذکر اسی کتاب میں ہے یہاں گنجائش نہیں کہ صفات خلیفہ بھی لکھی جائیں، مختصر یہ کہ بزدل نہ ہو بہادر ہو تا کہ جنگ میں بھاگ نہ جائے اور اس قابل ہو کہ بیرونی دشمن اسلام کا مقابلہ کر سکے اور جنگ سے ہرگز نہ گھبرائے اور حدود شریعت کی نگہبانی کر سکے اور حدود جاری کرے تا کہ ملک میں امن قائم رہے۔

جواب نمبر ۸:- مجدد کی تعریف رسول اللہ ﷺ نے خود ہی فرما دی ہے کہ:

"من تجدد لها دينا"

یعنی مجدد ہر ایک صدی کے سر پر ہوا کرے گا جو دین اسلام کو تازہ کر دیا کرے گا، مرزا صاحب غلام احمد قادیانی ہرگز مجدد نہ تھے کیونکہ انہوں نے دین محمدی کو ہرگز تازہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی مردہ سنت نبوی کو زندہ کیا بلکہ دین عیسوی کو زندہ کیا اور عیسائیوں کے مسئلہ ابن اللہ کی تصدیق کی دیکھو الہام مرزا صاحب "انت منی بمنزلة ولدی" یعنی اے مرزا تو ہمارے ولد یعنی بیٹے کی جا بجا ہے۔

(دیکھو صفحہ ۸۶ حقیقۃ الوحی)

دوسری طرف مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ میں مثیل عیسیٰ ہوں اور عیسیٰ بقول عیسائیوں کے خدا کا بیٹا ہے تو مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ہونا اپنے الہام سے ثابت کر دیا کیونکہ جب مثیل عیسیٰ بمنزلہ یعنی بجائے خدا کے بیٹے کے ہے تو اصل عیسیٰ ضرور اصلی بیٹا خدا کا ثابت ہوا کیونکہ جب مثیل مسیح کو خدا کہتا ہے کہ تو میرے بیٹے کی جا بجا ہے تو ثابت ہوا کہ اصل مسیح خدا کا اصل بیٹا ہے، مجدد دین محمدی تو نص قرآنی ﴿ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ ﴾ کے برخلاف ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ خدا نے مجھ کو الہام کیا ہے کہ میرے بیٹے کی جا بجا ہے پھر مرزا صاحب نے مجسم خدا جو کہ عیسائیوں کا مسئلہ تھا اس کو تازہ کیا ہے کہ آپ اپنی کتاب البریہ صفحہ ۷۹ پر لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں، جب مرزا صاحب خود خدا بن گئے تو عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ثابت ہونے میں کیا شک رہا کیونکہ جب حضرت عیسیٰ کا مثیل خدا بن گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بغیر باپ پیدا ہوئے کیونکر نہ خدا بن گئے پھر مرزا صاحب نے یہ غضب کیا کہ خدا کے نطفہ سے حقیقی صلبی بیٹے بن بیٹھے چنانچہ اپنی کتاب اربعین نمبر ۳ کے صفحہ ۳۴ پر لکھتے ہیں کہ خدا نے مجھ کو الہام کیا کہ:

"انت من ماء نا وسهم من فشل."

یعنی اے مرزا تو ہمارے پانی (نطفہ) سے ہے اور وہ لوگ خشکی سے اس الہام میں تو مرزا صاحب حضرت عیسیٰ اور عیسائیوں کو بھی مات کر گئے اور خدا کے حقیقی بیٹے بن گئے اب آپ خود فیصلہ کریں کہ مرزا صاحب دین محمدی کے مجدد ہیں یا دین عیسوی کے جن جن باطل مسائل کو ۱۳ سو برس سے اہل اسلام نے مٹایا تھا وہ مرزا صاحب نے اسلام میں داخل کئے اور پھر مجدد دین محمدی:

کار شیطان میکند نامش ولی گر ولی اینست لعنت بر ولی

اگر یہی مجدد کا نشان ہے تو بے شک ایسے مجدد کا نہ آنا امت محمدی کے واسطے بہتر ہے پھر مرزا صاحب کا دعویٰ کرشن ہونے کا بھی ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ خدا نے مجھ کو الہام کیا کہ ہے اور گوپال تیری مہماں گیتا میں لکھی گئی ہے، دیکھو لیکھر سیالکوٹ اگر مرزا صاحب کا یہ الہام سچ ہے تو پھر مرزا صاحب کھلے بندوں اسلام سے خارج ہیں کیونکہ کرشن جی کا اوتار مرزا صاحب تب ہی ہو سکتے ہیں جب ان کے مذہب کی پیروی کریں اور کرشن جی کا مذہب یہی تھا جو آج کل آریہ صاحبان اہل ہنود کا ہے یعنی قیامت سے انکار اور آواگون یعنی تناسخ کا اقرار اور قیامت کا انکار صریح کفر ہے پس مرزا صاحب اپنے مقرر کردہ اصول سے کہ میں متابعت تامہ محمد ﷺ کے باعث محمد ہو گیا ہوں درستی اصول کی پابندی سے یعنی متابعت تامہ کرشن سے کرشن ہوئے، جب کرشن ہوئے تو تناسخ کے قائل ہوئے اور کافر ثابت ہوئے میں نیچے کرشن جی کا مذہب لکھتا ہوں، شری کرشن جی ارجن کو فرماتے ہیں سوچ لو ہم تم اور سب راجے مہاراجے کبھی تھے یا نہیں، آئندہ ان کا کیا جنم ہوگا ہم سب گزشتہ

جنموں میں بھی پیدا ہوئے تھے اور اگلے جنموں میں بھی پیدا ہوں گے جس طرح انسانی زندگی میں لڑکپن جوانی اور بڑھاپا ہوا کرتا ہے اسی طرح انسان بھی مختلف قالب قبول کرتا ہے اور پھر قالب کو چھوڑ دیتا ہے دیکھو گیتا مصنفہ کرشن جی مہاراج شلوک ۲۲ راد حائے دام شیخ فیضی نے بھی گیتا کا ترجمہ کیا ہے وہ بھی سن لو:

زکار نکو میرو ددر بہشت — بقعر جہنم برد کار زشت
بقید تناسخ کند داورش — بانواع قالب دروں آردش
بہ بتہائے معہود در میروند — بجسم سگ وخوک درمیروند

(صفحہ ۳۶ گیتا مترجمہ فیضی مطبوع حیدرآباد)

اب صاف ہوگیا کہ کرشن جی قیامت کے منکر تھے جب مرزا صاحب بھی قیامت کے منکر ہوئے تو کافر ہوئے کیونکہ متابعت تامہ سے یہ درجہ پایا ہے اور متابعت تامہ یہ ہے کہ پورا پورا پیرو ہو، پس کرشن جی کی پیروی یہی ہے کہ قیامت سے انکار کیا جائے اور تناسخ مانا جائے وغیرہ وغیرہ۔

جواب نمبر ۹: جب مرزا صاحب اصول اسلام کے پابند ہی نہیں رہے جس امر کے واسطے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے اور قیامت کی خبر دیتے آئے اور تناسخ کی تردید کرتے آئے پھر جب مرزا صاحب نے قیامت سے انکار کر دیا تو مسلمان کیسے؟ اب تو یہ معاملہ ہے۔

مصرع: جس جگہ تھا نور ایماں اب وہاں ہے آوا گون

یعنی تناسخ اور مرزا صاحب کے مرید بھی اسی اعتقاد کے ہوں گے کیونکہ پیر و مرید کا اعتقاد ایک ہی ہوتا ہے پس اگر مرزا صاحب کا یہ الہام سچا ہے کہ میں کرشن ہوں تو پھر ہرگز مسلمان نہیں اور مریدوں کو بھی ساتھ ہی لے ڈوبے ہیں پس ان سے لین دین اور معاملات مسلمانوں والے نہیں ہو سکتے، تاوقتیکہ توبہ نہ کریں اور تجدید اسلام نہ کریں، العجیب۔

پیر بخش صاحب ہیڈ ماسٹر

الجواب صحیح نظام الدین ملتانی

☆☆☆☆☆

بحث شیعہ

دنیا بھر کے اہل تشیع صاحبان اصحاب ثلاثہ کے حق میں ہمیشہ زہر اگلا کرتے ہیں اور ان کے اعتراضوں کے جواب بالصواب ان کی ہی کتابوں سے مکرر سہ کرر اہل سنت و جماعت کی طرف سے دیے جا چکے ہیں مگر پھر بھی یہ لوگ اپنے کرتوتوں سے باز نہیں آتے چنانچہ وزیر آباد کے شیعہ صاحبان نے بھی آج کل ایک ایسا انوکھا اعتراض کیا ہے کہ جس کا نہ سر نہ پاؤں، خدا کے فضل سے ہم نے اس اعتراض کا جواب نہایت سنجیدگی اور متانت سے ان کی ہی کتابوں سے ایسا دیا ہے کہ شائقین پڑھ کر خود داد دیں گے اور اچھی طرح سے معلوم کر لیں گے کہ شیعہ صاحبان ہمیشہ اوٹ پٹانگ ڈینگیں مارتے رہے ہیں۔ وہ اعتراض یہ ہے کہ جو عنایت علی شاہ صاحب وزیر آبادی مؤلف کتاب تربیت اولاد نے کیا ہے وہ عبارت ہم بعینہ لفظ بلفظ درج ذیل کرتے ہیں، شائقین ان کی علمی لیاقت کی ضرور داد دیں اور ان کی املاء کو پڑھ کر ان کی علمیت کا گیت گائیں اور وہ یہ ہے:

"جناب رسالت مآب کا جنازہ اصحاب ثلاثہ نے قبل از دفن ہونے آنحضرت ﷺ نہ پڑھا اور یہ بات کسی معتبر حدیث اہل سنت، اہل حدیث یا شیعہ سے ثابت ہو تو میں مذہب عشا عشری قطعاً ترک کر دوں گا (نوٹ) میرے عقیدہ میں اصحاب ثلاثہ دشمن رسول تھے"۔

سید عنایت علی

جواب: آیئے شیعہ صاحبان اور گوش ہوش ہو کر سنیے، آپ کے مذہب کی کتاب معتبر جلاء العیون میں بایں طور آپ کے افتراء کا جواب تحریر ہے کہ وقت نماز جنازہ حضرت رسول خدا ابو بکر نے چاہا کہ پیش امام ہو، امیر المومنین نے بتادیا ہے اور خود امامت کی بعد اس کے اجازت دی، اصحاب دس دس داخل ہوتے اور درود بھیجتے تھے، یہاں تک کہ اہل مدینہ واطراف مدینہ حضرت پر درود بھیجتے تھے الخ اور ایسا ہی کتاب اظہار الہدی صفحہ ۲۰۵ میں ہے اور اصول کافی ۲۳۶ معتبر کتاب شیعہ امام جعفر علیہ السلام سے مذکور ہے:

"عن ابی جعفر علیه السلام قال لما قبض النبی ﷺ وآله وسلم صلت علیه الملئکة والمهاجرون والانصار فوجا فوجا الخ"

یعنی کہا حضرت امام جعفر محمد باقر نے کہ جب آنحضور علیہ السلام نے انتقال فرمایا تو تمام ملائکہ وتمام مہاجرین وانصار نے فوج فوج نماز جنازہ آپ کی ذات پر پڑھی اور کتاب اخبار ماتم جلد اول صفحہ ۶۵ میں بھی لکھا ہے:

"عن ابی جعفر علیه السلام قال قال الناس کیف الصلوٰة علیه فقال علی علیه السلام ان

رسول الله ﷺ امامنا حيا و ميتا فدخلوا عليه عشرة عشرة فصلوا عليه يوم الاثنين وليلة الثلثاء حتى الصبح ، ويوم الثلثاء حتى صلى عليه صغيرهم و كبيرهم و ذكرهم وانثاهم و نواحي المدينة بغير امام ـــ الخ"

یعنی کہا امام جعفر نے کہ لوگوں نے آپس میں کہا کہ آپ کی ذات کا جنازہ کیونکر پڑھیں گے پس کہا حضرت علی مرتضیٰ نے کہ آپ کی ذات حیاتی و مماتی میں ہماری امام ہے لہٰذا آپ کی ذات پر دس دس آدمی کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھو پس روز دوشنبہ نماز شروع ہوئی سہ شنبہ و منگل تک برابر بارہ پہر تک نماز اسی صورت میں ہوتی رہی اور تمام چھوٹوں اور بڑوں اور عورتوں اور مردوں نے اور تمام گرد و نواح مدینہ والوں نے بغیر امام کے نماز ادا کی اور کتاب اہل سنت شمائل ترمذی صفحہ ۳۰ کے حاشیہ پر بایں طور مسطور ہے:

"قال ابوبكر يدخل قومٌ فوجا فوجاً وكل واحد منهم يصلى عليحدة وقال على ابن ابى طالب رضى الله عنه ما يوم عليه لانه امامنا حال حياته وامامنا حال مماته وقال ابوبكر ان النبى ﷺ كان اوصى بذلك الوجه وقع التاخير فى دفنه الخ"

یعنی فرمایا حضرت ابوبکر صدیق نے لوگ فوج فوج داخل ہو کر آنحضور علیہ السلام کے جنازہ کی نماز ہر ایک نے ان میں سے علیحدہ علیحدہ پڑھی اور کہا حضرت علی نے کہ کوئی امام نہ بنے، کیونکہ آپ کی ذات ہماری حیات و ممات میں امام ہے اور کہا حضرت ابوبکر صدیق نے اسی طرح حضور نے وصیت فرمائی تھی اور اسی لئے حضور کے دفن کرنے میں دیر ہوئی اور مع الخیر۔

المبین صفحہ ۱۴۸ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھی الخ۔ پس ان عبارات سے صاف صاف معلوم ہوا کہ تمام اصحاب مہاجرین و انصار نے آپ کو دفن کرنے سے پہلے نماز جنازہ کی ادا کی اور اس پر یہ دلیل بھی شاہد ہے کہ جب آپ کی ذات کا جنازہ تیار ہوا اور دس دس آدمی داخل ہوتے اور نماز پڑھتے تو حضرت عمر فاروق دروازہ میں کھڑے ہو کر لوگوں کو کہتے کہ خالی کرو جنازہ کو اہل اس کے کہ وہ یہ ہے:

"نادى عمر ابن الخطاب خلوا الجنازة واهلها ـــ الخ"

(نقل از مائت بالسنة صفحہ ۱۲۳ مؤلفہ شیخ عبدالحق)

اور اگر شیعہ صاحب کہیں کہ اصحاب ثلاثہ تو خلافت کے جھگڑے میں مشغول رہے اور جنازہ آپ کا نہ پڑھا۔ اگر پڑھا بھی تو بعد دفن کے پڑھا ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوپر کی تمام عبارتوں سے صاف معلوم ہو چکا ہے کہ قبل از دفن آپ کے تمام صحابہ نے جنازہ ادا کیا اور اگر معترضین صاحب کو سمجھ نہیں آئی تو فقیر دوبارہ تحریر کر دیتا ہے کہ کتاب ماثبت بالسنہ صفحہ ۱۱۸ میں ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے پیر کے روز ۱۲ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کو انتقال فرمایا، تو اس الم سے حضرت عمر و عثمان و علی و تمام صحابہ دیوانوں کی طرح ہو گئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق اپنے خانہ سے دوڑتے ہوئے آئے

اور آپ کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور رونے اور بوسہ پیشانی مبارک کا لیا اور جب ان کو ہوش آئی تو ابوبکر صدیق نے کہا صبر کرو اور خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ فنا کا مقام ہے ہر ایک چیز ماسوا اللہ کے فنا ہونے والی ہے اور اسی اثناء میں ایک مخلوق بنی ساعدہ میں تنازعہ در بارۂ خلافت شروع ہوا، اہل مدینہ یعنی سعد بن عبادہ کے گھر مشورہ کے لئے تشریف لائے اور وہاں تمام مہاجرین وانصار سے گفتگو کی اور تمام مہاجرین وانصار نے ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر خلیفہ اول نے منبر پر خطبہ پڑھا اور حضرت علی اور زبیر کو بھی طلب کیا اور انہوں نے بڑی خوشی سے خلیفہ اول کی بیعت کی اور یہ بہت صحیح ہے۔

(نقل از تصریح الاحباب صفحہ ۴۰)

اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے کتاب مذکورہ صفحہ ۱۲۶ میں لکھا ہے کہ یہ مقدمہ طے ہوا تو پھر تمام اصحاب مہاجرین و انصار آپ کی تجہیز وتکفین کی طرف متوجہ ہوئے، وہو ہذا:

"ولما فرغ الناس من بيعة ابى بكر و جمعهم الله ومما اهتم به اصحابه بعد موته ﷺ وتقرر الامر على ابى بكر اقبلوا على تجهيز النبى ﷺ والاشتغال به الخ"

یعنی جب لوگ ابوبکر کی خلافت سے فارغ ہوئے اور اللہ نے ان کو متفق کر دیا اور اس سے کہ جس کا صحابہ نے حضرت ﷺ کی موت کے بعد اہتمام کیا تھا اور خلافت ابوبکر پر ٹھیر گئی تو پھر حضور علیہ السلام کی تجہیز وتکفین اور اس کاروبار پر متوجہ ہوئے اور سب سے پہلے تمام صحابہ سے حضرت علی وابن عباس وبنو ہاشم نے آپ پر نماز پڑھی پھر مہاجرین میں سے ابوبکر صدیق وغیرہ نے پھر تمام اصحاب انصار رضی اللہ عنہم نے۔ پس اب معترض شیعہ صاحب کو لازم ہے کہ اس مذہب کو چھوڑ کر توبہ خالص سے مذہب حقہ میں داخل ہو کر نجات حاصل کرے اور اپنے وعدہ کو پورا کرے، ورنہ جواب دے تا کہ فقیر ۳ جلد میں اس کا جواب تحریر کردے۔

نظام الدين ملتانى بقلم خود

سوال: شیعہ کہتے ہیں کہ وضو میں پاؤں کا دھونا لازم نہیں صرف مسح کرنا کافی ہے کیونکہ اسی طرح قرآن شریف میں ہے۔ اب کتب شیعہ سے جواب دو؟

جواب: یہ ان کی غلطی ہے، دیکھو کتاب استبصار معتبر شیعہ میں لکھا ہے:

"عن على عليه السلام قال جلست اتوضأ فاقبل رسول الله ﷺ حين ابتدأت فى ضوء فقال لى تمضمض واستنشق واسبغ غسلت وجهى للثاً فقال قد يجزيك من ذلك المرتان قال غسلت ذراعى و مسحت برأسى مرتين فقال قد يتجزيك من ذلك المرة وغسلت قدمى فقال لى يا على خلل بين الاصابع لا تخلل بالنار ..... الخ"

راویت ہے حضرت علی سے کہا بیٹھا تھا میں وضو کرنے، پس آ گئے رسول خدا جس وقت شروع کیا میں نے وضو کو

پس فرمایا واسطے میرے کہ غرغرہ کر اور ناک میں پانی ڈال اور دانتوں کو صاف کر، پھر دھویا میں نے منہ اپنا تین بار پس فرمایا کافی ہے تجھ کو دو مرتبہ پھر دھوے میں نے کہنیوں تک ہاتھ اپنے اور مسح کیا میں نے سر کا دو مرتبہ پس کہا حضرت نے مجھ کو کافی ہے تجھ کو ایک مرتبہ پھر دھوئے میں نے دونوں پاؤں اپنے اور فرمایا مجھے علی خلال کرتا انگلیوں کے درمیان تا کہ نہ خلال کی جائیں آگ سے انتہ اور اسی کتاب ترتیب وضوء میں لکھا ہے:

"ان نسیت المسح راسک حتی غسلت رجلیک فامسح راسک ثم اغسل رجلیک"

(یعنی کہا حضرت ﷺ نے) اگر تو (علی) وضوء میں سر کا مسح کرنا بھول جائے یہاں تک کہ تو نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے (اور پھر تجھے سر کا مسح کرنا یاد آجائے) سر کا مسح کر لے پھر اپنے دونوں پاؤں کو دھو پس ان دلائل سے معلوم ہوا کہ پاؤں کا دھونا لازمی امر ہے ورنہ حضرت علی دوبارہ پاؤں نہ دھوتے اور نہ ہی آپ کی ذات یہ تعلیم تاکید فرمانی اور علاوہ اس کے یہ جو شیعہ نے کہا ہے کہ قرآن مجید سے بھی مسح پاؤں کا ثابت ہے سو یہ کہنا ان کا محض جہالت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں جو کلمہ: ﴿ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ ﴾ وارد ہے اس کے معنی دھونے منہ اور ہاتھوں کے ہیں۔ ﴿ وَاَرْجُلَكُمْ ﴾ ﴿ فَاغْسِلُوْا ﴾ کا مفعول معطوف ہے تو اس ترکیب نحوی کے مطابق بھی پاؤں دھونے کے معنی ہوئے، نتا اور اگر ﴿ وَامْسَحُوْا بِرُؤُوْسِكُمْ ﴾ کے متعلق ہوتا تو مجرور ہوتا اور قرآن مجید میں منصوب ہے فقط۔

سوال: محرم میں تعزیہ نکالنا و گریہ زاری و سیاہ کپڑے پہننا اور نوحہ کرنا اور ڈھول بجانا اور غیر محرم عورتوں کا اس میں داخل ہونا جائز ہے یا حرام؟ کتب شیعہ سے جواب دو؟

جواب: یہ تمام افعال ناجائز ہیں چنانچہ تفسیر عمدۃ البیان میں آیت:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ ﴾

کے ذیل میں لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت امام حسین کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ جو کچھ اس آیت میں لکھا ہے وہ ان کے حال پر ہی صادق آتا ہے اور رونا ان کی مصیبت پر ثواب عظیم رکھتا ہے لیکن اکثر آدمی محرم میں بدعتیں کر کے اپنے ثواب کو ضائع کرتے ہیں، باجے بجاتے اور بجواتے ہیں اور مرثیوں میں جھوٹی روایتیں اپنی طرف سے ایجاد کر کے داخل کرتے ہیں اور غلو کی روایتوں کو مجلس میں بیان کر کے لوگوں کے ایمان کو فاسد کرتے ہیں اور جو راگ شرع میں ممنوع ہے اس میں مرثیوں کو پڑھتے ہیں اور عورتیں بلند آواز سے مرثیوں کو پڑھتی ہیں اور نامحرم ان کی آواز کو سنتے ہیں ان امور سے مومنین کو ضرور اجتناب چاہئے اور تعزیوں میں محتاج آدمی اپنی احتیاج کی عرضیاں باندھتے ہیں اور ان میں تصویریں انسان کی بناتے ہیں یہ سب فعل ناجائز اور شرک ہیں، الخ اور کتاب معتبر شیعہ انارۃ البصار مطبوعہ نولکشور جلد ۲ صفحہ ۲۹۵ میں بروایت امام باقر علیہ السلام لکھا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے قریب وفات اپنی جناب سیدہ کو فرمایا کہ فاطمہ جب میں اس عالم سے انتقال کروں تو

اپنے منہ کو میرے لئے زخمی نہ کرنا اور اپنے بالوں کو پریشان نہ کرنا اور واویلا نہ کہنا اور میرے اوپر نوحہ نہ کرنا اور نوحہ کرنے والوں کو نہ بلانا جیسا کہ عرب میں رسم تھی۔

اور اسی کتاب جلد ۲ صفحہ ۲۹۷ میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی ہمشیرہ زینب کو کربلا میں کہا کہ میری مفارقت پر صبر کرو، پس جب میں مارا جاؤں تو ہرگز منہ اپنا نہ پیٹنا اور بال اپنے نہ نوچنا اور گریبان چاک نہ کرنا کہ تم فاطمہ زہرا کی بیٹی ہو جیسا انہوں نے پیغمبر خدا کی مصیبت میں صبر فرمایا تھا، اسی طرح تم میری مصیبت پر صبر کرنا، الخ۔ اور اسی طرح فروع الکافی مطبع نولکشور جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ باب الصبر والجزع اور نیز فروع کافی جلد ۳ صفحہ ۱۶۱ میں حدیث باسناد صحیح امام جعفر صادق سے مروی ہے:

" عن ابی عبد علیه السلام قال قال رسول الله ﷺ ضرب المسلم یده' علی فخذه عند المصیبة حاطَ لاجره الخ "

یعنی فرمایا آپ نے کہ بوقت مصیبت اپنا ہاتھ اپنی ران پر مارنا پیٹنا اس کے اجر کو باطل کرتا ہے۔ اور کتاب من لا یحضر الفقیہ باب نوادر میں بایں طور مذکور ہے:

" من جدد قبراً او مثل مثالا فقد خرج من الاسلام "

یعنی جس نے از سر نو قبر بنوائی یا تصویر کھینچی پس تحقیق وہ اسلام سے خارج ہوا۔

" سئل الصادق من الصلوة هل یلبسوا السواد فقال لا یصلین فیها فانها لباس اهل النار وقال امیر المؤمنین فیما علم اصحابه' لا یلبسوا السواد فانها لباس فرعون "

(نقل از کتاب شیعہ من لا یحضر الفقیہ و تکملہ اظہار الہدی صفحہ ۱۲۲)

یعنی سوال کیا گیا امام جعفر صادق سے کہ کیا سیاہ کپڑا پہن کر نماز پڑھیں فرمایا امام نے نہیں نماز ہوتی سیاہ کپڑے سے کیونکہ سیاہ پوشی لباس ہے اہل نار کا اور کہا امیر المؤمنین نے سیاہ پوشی کے بارہ میں کہ سکھلایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصحابوں کو کہ نہ پہنو تم سیاہ لباس کیونکہ یہ لباس فرعون کا ہے الخ۔ پس ان دلائل معتبرہ سے معلوم ہوا کہ تعزیہ میں جو امور ظاہر ہوتے ہیں سخت حرام ہیں کیونکہ اس میں اہانت اہل بیت کی ہے۔ اگر شیعہ صاحبان یہ کہیں کہ ہمارا مقصود اہل بیت کی شجاعت اور صدمات ظاہر کرنا ہے تو پھر میں کہتا ہوں کہ گھوڑے کو رنگدار کرنا ڈھول بجانا، راگ سے مرثیوں کا پڑھنا اور پیٹنا کیا معنی، اگر یہ کہیں کہ یزید کا غلبہ اور ظلم اس کا ظاہر کرنا مقصود ہے تو پھر بھی اس میں محبوب کی ذلت اور اہانت ظاہر ہوتی ہے۔ غرضیکہ دلائل عقلیہ و نقلیہ سے یہ تمام افعال ناجائز و حرام ہیں، اہل اسلام کو لازمی ہے کہ ایسے اعمال فاسدہ اور افعال باطلہ کو دیکھنے سے بھی اجتناب و پرہیز کریں ورنہ مثلہم شمار ہوں گے۔

نوٹ: فرقہ غیر مقلدین ومرزائی وشیعہ صاحبان کولازم ہے کہ اس سلسلہ فتاوی نظامیہ کا مطالعہ کریں اور تعصب وکینہ کی پٹی آنکھوں سے اتار کر اپنے عقائد باطلہ کی درستی کریں اور برادران اہل سنت وجماعت کو بھی واضح ہو کہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر غیر مذاہب کے عقائد باطلہ کے شور وشر سے بچنے کے واسطے سلسلہ سلطان الفقہ کا مطالعہ کیا کریں، ان شاء اللہ تعالیٰ تمام مسائل فقہ ضروریہ کو قرآن شریف، حدیث شریف سے دس جلدوں میں ثابت کر دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ہر ایک مذہب کے اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں تاکہ کسی کو کوئی اور کتاب دیکھنے کی ضرورت نہ رہے خریدیں اور مطالعہ کر کے مذہبوں کے اوچھے ہتھکنڈوں سے بچیں اور دوسرے مسلمان بھائیوں کو بچائیں۔

تمت بالخیر

☆☆☆☆☆

حصہ ششم

از فتاوٰی:

مناظرِ اسلام علامہ مولانا حضرت **نظام الدین** صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملتانی

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾

سوال: وضو میں فرض سنتیں اور مستحب کتنے ہیں؟

جواب: وضو میں چار فرض، دس سنتیں اور چھ مستحب ہیں۔

سوال: وہ کون کون سے ہیں؟

جواب: وضو کے چار فرض یہ ہیں اول منہ دھونا پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک، دوم ہاتھوں کا دھونا کہنیوں تک، سوم سر کے چہارم حصہ کا مسح کرنا، چہارم پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا چنانچہ قرآن مجید پارہ ۶ سورۃ مائدہ میں مذکور ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ (۱) اِلَى الْكَعْبَیْنِ﴾

یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اے ایماندارو! جس وقت تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے منہ کو دھولو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور سر کا مسح کرو اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھولو اور وضو کی سنتیں:

(۱) پہلے ہاتھوں کا دھونا پہنچوں تک (۲) بسم اللہ شریف کا پڑھنا (۳) کلی کرنا (۴) مسواک کرنا
(۵) داڑھی کا خلال کرنا (۶) ناک میں پانی ڈالنا (۷) ہر عضو کو تین تین بار پانی سے تر کرنا
(۸) کانوں کا مسح کرنا۔

اور مستحب یہ ہیں:

(۱) ترتیب سے وضو کرنا (۲) پے در پے ہر عضو کو پانی سے تر کرنا

۱: "وارجلکم" کا عطف "فاغسلوا وجوھکم وایدیکم" پر ہونا صحیح مذہب ہے چونکہ "الی الکعبین" کا قرینہ دال ہے جو کہ مسح کے لئے مانع ہے۔ خادم شریعت عفی عنہ

(۳) دائیں ہاتھ سے شروع کرنا اور گردن و تمام سر کا مسح کرنا وغیرہ اور ان کا ثبوت تمام کتب صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہے۔ کہا ابی امامہ رضی اللہ عنہ نے:

"توضأ النبی ﷺ فغسل وجهه ویدیه ثلثاً و مسح برأسه وقال الاذنان من الرأس"

(الفتح الربانی ملخص ص ۱۵)

یعنی وضو کیا نبی ﷺ نے پس دھویا اپنے منہ کو تین بار، اور ہاتھوں کو تین بار اور مسح کیا سر کا اور فرمایا آپ نے دونوں کان بھی شامل ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

"قال اذا توضأت فخلل الاصابع یدیک ورجلیک"

فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ جب تو وضو کرے تو ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر اور عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بایں طور روایت ہے:

"رایت رسول الله ﷺ یتخلل لحیته"

کہ میں نے دیکھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی ریش مبارک کا خلال کرتے ہوئے، نقل از ترمذی صفحہ ۱۷، نیز ابی حیہ سے ترمذی میں بایں طور حدیث مذکور ہے:

"قال رایت علیاً ان توضأ فغسل کفیه حتی انقاهما ثم مضمض ثلثاً واستنشق ثلثاً وغسل وجهه ثلثاً وذراعیه ثلثاً و مسح برأسه مرةً ثم غسل قدمیه الی الکعبین ..... الخ"

یعنی میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے دیکھا کہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھویا حتیٰ کہ ان کو خوب پاک کیا پھر تین دفعہ کلی کی اور تین دفعہ ناک میں پانی ڈالا پھر تین دفعہ منہ کو دھویا اور تین دفعہ بازوؤں کو کہنیوں تک تر کیا اور ایک بار سر کا مسح کیا پھر دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بایں طور مذکور ہے:

"عن النبی ﷺ قال ویل للاعقاب وبطون الاقدام من النار"

یعنی ایک روز آپ نے مکہ سے مدینہ شریف کی طرف سفر فرمایا تو کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم آگے آگے چلے آئے اور ایک جگہ انتظاری کرنے لگے کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آجائیں تو مل کر نماز ادا کی جائے، یہاں تک کہ انتظار میں عصر کی نماز کا وقت فوت ہونے لگا پس نماز کے فوت ہو جانے کے خوف سے جلدی جلدی وضو کیا اور اچھی طرح سے پاؤں کو نہ دھویا، کچھ تر ہوئے اور کچھ خشک رہے اتنے میں حضور علیہ السلام تشریف لے آئے آپ نے ان کا یہ حال دیکھتے ہی فرمایا:

"ویل للاعقاب من النار"

ہلاکت ہے واسطے ایڑیوں کے آگ سے۔ اور ایسا ہی حدیث متواتر سے پاؤں کا دھونا ثابت ہے اور اس سے کسی مجتہد کو انکار نہیں۔ اگر شیعہ صاحبان کہیں کہ حضرت علی اور ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہم اس سے برخلاف ہیں تو میں کہتا

ہوں کہ ان کا رجوع کرنا بھی اس مسئلہ میں ثابت ہے جس کا ثبوت فتاویٰ نظامیہ جلد دوم میں کتب شیعہ سے دیا گیا ہے جس کو شک ہو اس کا مطالعہ کرے:

" وعن ابی سلمة عن زید بن خالد الجهنی سمعت رسول الله ﷺ یقول لو لا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواک عند کل صلوة ولاخرت صلوة العشاء الی ثلث اللیل "

یعنی خالد جہنی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ جانتا تو ہر ایک نماز کے لئے ان کو مسواک کرنے کا حکم دیتا اور عشا کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرتا۔

(نقل از منکو)

اور ترمذی صفحہ ۱۱ میں ہے کہ فرمایا آپ نے:

" لا وضوء لمن لم یذکر اسم الله علیه "

یعنی اس شخص کا وضو نہیں جس نے وضو میں اللہ تعالیٰ کا نام یاد نہیں کیا، یعنی اس کا وضو کامل نہیں ہوا۔

عبداللہ بن زید سے مذکور ہے کہ آپ نے دونوں ہاتھوں سے مسح کیا اور دونوں ہاتھوں کو آگے لائے اور پیچھے لے گئے پھر لائے اس مقام پر جہاں سے وضو کیا، فقط۔

" قال رسول الله ﷺ اذا توضأتم فابدؤا بمیامنکم "

(نقل از قوت ص ۹ و بن حبیب)

یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب شروع کرو تم وضو، کو دائیں سے کرو۔

کتاب معانی الآثار و دیلمی نے سند الفردوس و تاریخ اصبہان و فتح المبین صفحہ ۴۲۵ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بایں طور نقل کی ہے:

" ان النبی ﷺ قال من توضاء و مسح عنقه امن الغل یوم القیامة "

یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص وضو کرے اور مسح کرے اپنی گردن کا، وہ محفوظ رکھا جائے گا طوق گردن کے عذاب سے روز قیامت میں۔

بخاری و مسلم میں ہے:

" اذا استیقظ احدکم من منامه لا یغمسن یده فی الاناء حتی یغسلها ثلاثا "

یعنی فرمایا آپ نے جب کوئی تم میں سے نیند سے جاگے تو برتن میں ہرگز ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ دھو نہ لے تین بار۔

سوال: کیا وضو کی آیت مجمل ہے یا مفصل، چکڑالوی کہتے ہیں کہ ہر ایک آیت جو قرآن شریف میں ہے مفصل

ہے یہ کیا حکم ہے؟

جواب: وضو کی آیت مجمل ہے مفصل نہیں کیونکہ اس میں وضو کے لئے ہر عضو کو دو تین دفعہ دھونے کا ذکر نہیں اور نہ مسح کا بھی مفصل ذکر نہیں کہ تمام سر کا مسح کرنا فرض ہے یا بعض حصہ سر کا، اگر "برؤوسکم" کی (باء) کو زائدہ تسلیم کیا جائے تو تمام سر کا مسح کرنا لازم آتا ہے اور اگر اسے بعیضہ مانا جائے تو چوتھا حصہ سر کا مسح کرنا ثابت ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ یہ آیت مجمل ہے اور اسی طرح اکثر قرآن مجید میں آیات بینات مجمل ہیں مفصل نہیں اور یہ کہنا فرقہ چکڑالوی کا محض فضول ہے

سوال: وضو کن چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے، قرآن مجید اور حدیث شریف سے جواب دو؟

جواب: وضو ان چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے جو آگے یا پیچھے کی راہ سے نکلیں، خواہ وہ چیزیں معتاد ہوں یا غیر معتاد چنانچہ قرآن مجید میں آیا ہے۔

﴿ اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ ﴾

یعنی وضو ٹوٹ جاتا ہے جب کہ آئے تم سے کوئی پاخانہ سے اور فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:

"لا وضوء الا من صوتٍ او ریحٍ"

یعنی نہیں ٹوٹتا ہے وضو مگر آواز سے۔

سوال: اگر خون اعضاء وضو سے یا ناک سے نکل کر اسی جگہ جم جائے یا جاری ہو جائے یا تے آجائے یا نیند آجائے ان سب صورتوں میں وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں۔ ثبوت قرآن مجید و حدیث شریف سے دو امام بخاری اور ان کے مقتدین کی ان امور میں کیا رائے ہے؟

جواب: سوال میں جن جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان سب سے وضو ٹوٹ جاتا ہے چنانچہ قرآن مجید اور احادیث شریف سے ثابت ہے۔

﴿ اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا ﴾

یعنی خون بہتا ہوا اور کتاب بیہقی اور تقویم ص ۱۳ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت ہے:

"عن ابی هريرة رضی الله عنه رفعه' يعاد الوضوء من سبع البول والدم السائل والقی ومن وسعة تملأ الفم و نوم المضطجع وقهقهة الرجل فی الصلوة"

فرقہ غیر مقلدین و امام بخاری کے نزدیک صرف جماع کرنے اور ذکر کو فرج میں غائب ہونے پر غسل واجب نہیں ہوتا ہے بلکہ دونوں کا انزال نہ ہو، نقل از نصر الباری شرح صحیح بخاری سپارہ ۴ صفحہ ۱۲۔

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے (اور اس کو پیغمبر خدا ﷺ تک پہنچایا ہے) کہ دہرایا جاتا ہے وضو سات چیزوں سے پیشاب اور بہتے ہوئے لہو اور قے سے جو منہ بھر کر آئے اور کروٹ کے بل لیٹنے سے اور آدمی کے ہنسنے سے فقط اور مشکوٰۃ باب الوضو میں بایں طور حدیث مسطور ہے:

" ان الوضوء علی من نام مضطجعاً "

یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تحقیق لازم ہے اس پر وضو جو سو جائے لیٹ کر حدیث دار قطنی و مشکوٰۃ میں ہے:

" الوضوء من کل دم سائل "

یعنی وضو لازم آتا ہے ہر بہنے والے خون سے اور ابی داؤد میں ہے:

'ان رسول اللہ ﷺ قاء و کان صائماً فتوضا "

یعنی کہا ابوداؤد نے کہ رسول اللہ ﷺ نے قے کی اور آپ روزہ دار بھی تھے، آپ نے وضو کیا۔

اور ایک حدیث مسند امام اعظم میں بایں مضمون درج ہے کہ ایک قوم نماز میں تھی اور ایک اندھا دیکھا کہ وہ گڑھے میں گر پڑا اور قوم نے اس کو دیکھ کر قہقہہ مارا پس فرمایا آپ ﷺ نے جو کھڑا ہوا تم سے قہقہہ مار کر" فلیعد الوضوء والصلوۃ "یعنی چاہئے کہ دہرائے وضو اور نماز کو۔

سوال: وضودار اگر ذکر کو ہاتھ لگائے یا آگ کی پکی ہوئی کوئی چیز کھائے تو اس فعل کے کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

جواب: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذکر یا فرج کے چھونے اور آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

" قال سئل رسول اللہ ﷺ عن مس الرجل ذکرہ' بعد ما یتوضاء قال وھل ھو الا بضعۃ منہ "

(نقل از ابوداؤد و ترمذی و نسائی و مشکوٰۃ)

روایت ہے طلق بن علی سے کہ پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنے ذکر کو چھوئے تو پھر اس کے بعد وضو دوبارہ کرے، فرمایا آپ نے وہ ایک ٹکڑا ہے اس کے گوشت کا۔

اور ابن عباس سے مروی ہے:

" ان رسول اللہ ﷺ اکل کتف شاۃ ثم صلی ولم یتوضاہ متفق علیہ "

یعنی بے شک رسول اللہ ﷺ نے گوشت شانہ بکری سے کھایا پھر نماز پڑھی اور وضو جدید نہ کیا

(نقل از مشکوٰۃ)

سوال: موزوں پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مسافر اور مقیم کے لئے کتنی مدت مقرر ہے، شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ بدعت ہے۔ اس کا جواب حدیث سے دو، اجر ملے گا۔

جواب: موزوں (۱) پر مسح کرنا حدیث صحیح سے ثابت ہے جیسا کہ کتاب تو یم صفحہ ۳۰ میں بایں طور مذکور ہے:

"عن جرير انه قال رائت رسول الله ﷺ بال ثم توضا و مسح على خفيه اخرجه ابو داؤد"

یعنی جریر سے روایت ہے کہا اس نے دیکھا میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہ آپ نے بول کیا، پھر وضو کیا اور پھر آپ نے موزوں پر مسح کیا اور مدت مسح مسافر کے لئے تین دن اور تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات ہے۔

چنانچہ مسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"عن علي رضى الله عنه ان رسول الله ﷺ جعل للمقيم يوماً وليلةً وللمسافر ثلثة ايام لياليها و اخرجه مسلم"

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظہر ابتدائی مدت مسح موزوں کی مقیم کے واسطے ایک دن رات اور مسافر کے واسطے تین دن اور تین رات، اخرجہ المسلم پس اس سے انکار کرنا مبتدع اور گمراہوں کا کام ہے اور جرابوں پر مسح کرنا ناجائز ہے ہاں اگر اس پر چمڑا لگا ہوا ہو تو کوئی خوف نہیں اور اس کا مفصل ذکر سلطان الفقہ جلد دوم میں گزر چکا ہے اور امام بخاری اور اس کے پیروؤں کے نزدیک مذکورہ بالا امور سے وضو نہیں ٹوٹتا، نہایت تعجب ہے۔

سوال: نہانے میں کتنے فرض ہیں؟

جواب: نہانے میں تین فرض ہیں۔ منہ اور ناک میں پانی ڈالنا اور تین بار تمام بدن کو خوب طور سے پاک صاف پانی سے تر کرنا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ﴾

یعنی اگر ہو تم جب میں تو خوب بدن کو پاک کرو اور حدیث ابوداؤد میں ہے:

"تحت كل شعرة جنابة"

یعنی فرمایا آپ نے کہ ہر بال کی نیچے جنابت ہے اور ترمذی میں ہے:

"فاغسلوا الشعر وانقوا البشرة"

---

۱ مسح موزوں پر کرنا اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ رافضی اس کے منکر ہے حالانکہ یہ مسئلہ اجماع و حدیث متواتر سے ثابت ہے ۱۲ خادم شریعت۔

یعنی دھوم تم بال اور صاف کرو بدن کو اور دار قطنی و تقویم ص ۱۴ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بایں طور مذکور ہے:

"عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قال المضمضة والاستنشاق للجنب فريضة"

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اسکے جب کے فرض ہے اور کہا عائشہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہ میں نے آپ کے نہانے کے لئے آڑ کیا اور آپ نہاتے تھے مقام میں پھر دھوے دونوں ہاتھ، پھر ڈالا دائیں ہاتھ سے بائیں پر پھر دھویا چھپانے کا بدن جہاں مجامعت تھی، پھر ملا اپنا ہاتھ اوپر دیوار کے پھر وضو کیا جیسے نماز کا وضو ہوتا ہے سوائے دونوں پاؤں کے پھر بہایا آپ نے اوپر اپنے پانی، پھر کنارہ کیا اور اپنے پاؤں کو دھویا یہ آپ کا غسل جنابت سے تھا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ:

"يفيض الماء على جسده كله متفق عليه"

یعنی آپ تمام بدن اپنے پر پانی بہاتے۔ فقط۔

سوال: سب نہانے کے کیا ہیں؟ اور کتنے ہیں؟

جواب: نہانے کے سبب چار ہیں، احتلام، جماع، ختان کے ملنے سے اور حیض و نفاس سے جب کہ عورت پاک ہو اس کو نہانا بھی فرض ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾

یعنی قریب نہ ہو تم ان سے یہاں تک کہ وہ خوب پاک نہ ہو لیں۔

بخاری و مسلم میں اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ

"فهل على المرأة من غسل اذا احتلمت قال نعم اذا رأت الماء فغطت سلمة وجهها"

یعنی پس کیا عورت پر بھی غسل فرض ہے جب کہ احتلام ہو، فرمایا ہاں جس وقت کہ وہ دیکھے پانی (یعنی آب منی) اس کو حاضر لیا ام سلمہ نے منہ اپنا۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

"اذا جلس احدكم شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب الغسل وان لم ينزل متفق عليه"

یعنی جس وقت کہ بیٹھے کوئی تم میں سے عورت کی چار شاخوں میں پھر کوشش کرے (یعنی جماع کرے عورت سے) پس واجب ہوا غسل اگر چہ منی نہ نکلے اور اس پر اتفاق کیا گیا ہے۔

اور مائی صاحبہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مشکوٰۃ و ترمذی و ابن ماجہ تقویم ص ۱۸ میں بایں مضمون حدیث مسطور ہے:

"اذا التقی الختان فقد وجب الغسل"

یعنی فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب کہ مل گئے دونوں ختنے یعنی تجاوز کیا محل اپنے سے پس واجب (لازم) ہوا غسل۔

اور ترمذی و مشکوٰۃ میں منقول ہے کہ کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہ آپ سے دربارۂ مذی سوال کیا گیا، کہ اس سے وضو ہے تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

"من المذی الوضوء ومن المنی الغسل"

یعنی مذی کے نکلنے سے وضو لازم ہے اور منی کے نکلنے سے غسل ہے۔

سوال: عیدین، جمعہ اور عرفہ کے دن نہانا کیسا ہے؟

جواب: مذکورہ بالا ایام میں نہانا سنت ہے چنانچہ تقویم صفحہ ۱۸ میں بحوالہ ترمذی مذکور ہے:

"ان النبی ﷺ کان یغسل یوم الفطر و یوم النحر ویوم عرفة"

یعنی رسول اللہ ﷺ غسل کرتے تھے روز فطر اور یوم قربانی اور عرفہ میں۔

اور ایسا ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پہلے عیدین کے غسل کرتے تھے اور ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بایں طور مذکور ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ غسل جمعہ کا واجب ہے ہر ایک بالغ مسلمان پر اور وہ حدیث یہ ہے:

"غسل الجمعة واجب علی کل محتلم"

اور ایک حدیث میں افضل بھی وارد ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

سوال: کنوئیں میں کتے بلی چوہے اور چڑیا وغیرہ کے گرنے سے پانی پاک رہتا ہے یا ناپاک کیونکہ فرقہ غیر مقلدین مسمی باہل حدیث کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا حیوانوں کے گر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، یہ کس طرح ہے؟

جواب: مذکورہ بالا حیوانوں کے کنوئیں میں گر جانے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور اس کا مفصل ذکر سلطان الفقہ

۱ فرقہ غیر مقلدین و امام بخاری کے نزدیک صرف جماع کرنے اور ذکر کو فرج میں غائب ہونے پر غسل واجب نہیں ہوتا تاوقتیکہ دونوں کا انزال نہ ہو نقل از نصر الباری شرح صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۴۔

جلد اول میں گزر چکا ہے۔ جس کا جواب اب تک فرقہ غیر مقلدین سے میسر نہیں ہو سکا۔

سوال: نماز میں کتنی شرطیں ہیں اور ان کا ثبوت کیا ہے؟

جواب: نماز میں چھ شرطیں ہیں جن کا ثبوت قرآن مجید اور احادیث شریف میں ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) بدن کا پاک ہونا نجاست حقیقی وحکمی سے (۲) کپڑے کا پاک ہونا (۳) جائے نماز کا پاک ہونا
(۴) چھپانا ستر عورت کا (۵) قبلہ کی طرف منہ کرنا (۶) نماز کی نیت کرنا

اور ان کا ثبوت یہ ہے:

﴿وثیابک فطھر﴾ اپنے کپڑوں کو پاک وصاف کر ﴿ان کنتم جنبا فاطھروا﴾ اگر تم جنبی ہو تو پاک کرو اپنے آپ کو ﴿خذوا زینتکم عند کل مسجد﴾ یعنی لو تم زینت اپنی کو ہر نماز کے وقت ﴿فولوا وجوھکم شطرہ﴾ یعنی پھیرو تم اپنے مونہوں کو قبلہ کی طرف۔

"لقولہ علیہ السلام انما الاعمال بالنیات"

یعنی حصول ثواب اعمال نیتوں پر منحصر ہے۔

سوال: نماز میں سات فرض ہیں؟ قرآن شریف اور احادیث شریف سے ثبوت دو۔

جواب: نماز میں سات فرض ہیں:

(۱) اللہ اکبر کہنا (۲) قیام کرنا (۳) مطلق قرأت کا پڑھنا قرآن مجید سے (۴) رکوع کرنا
(۵) سجدہ کرنا (۶) اخیر تشہد ادا کرنا (۷) نماز سے کسی کام کے واسطے بفعل خود باہر آنا

اور ان کا ثبوت یہ ہے:

﴿وربک فکبر﴾ اپنے رب کی بڑائی بیان کرو یعنی اللہ اکبر کہو۔ ﴿وقوموا للہ قانتین﴾ یعنی اللہ اکبر کے واسطے کھڑے ہو بخشوع وخضوع۔ ﴿فاقرءوا ما تیسر من القرآن﴾ یعنی پڑھو تم جو تم کو میسر ہو سکے قرآن شریف سے۔ ﴿ارکعوا واسجدوا﴾ یعنی رکوع کرو اور سجدہ کرو۔ اور ابوداؤد، دار قطنی وتقویم ونور الہدایہ وغیرہ میں بایں طور حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ جب سکھایا اس کو تشہد رسول اللہ ﷺ نے پس جب پڑھ چکا "عبدہ ورسولہ" پس فرمایا آپ نے کہ تمام کر چکا تو نماز اپنی کو اگر چاہے کہ تو کھڑا ہو تو کھڑا ہو جا اور اگر تو چاہے کہ بیٹھے تو بیٹھ جا۔

سوال: غیر مقلد کہتے ہیں کہ مذہب حنفی میں لکھا ہے کہ آمین بالجہر ورفع یدین کرنا مکروہ ہے علاوہ ان کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اگر ہے تو بیان کریں؟

جواب: یہ محض ان کی دھوکا بازی اور لاعلمی ہے کیونکہ کتب حدیث ان دلائل سے بھری ہوئی ہیں اور علاوہ اس کے قرآن مجید بھی اس پر شاہد ہے۔ فرد

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمہ آفتاب راچہ گناہ

کو بطور مشتے نمونہ از خروارے بندہ چند حدیثیں اور آیات تحریر کردیتا ہے تا کہ ناظرین کو یقین آجائے:

آیت نمبر ۱: القولہ تعالیٰ: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾

یعنی اپنے رب کو زاری اور آہستگی سے پکارو بے شک اللہ حد سے گذرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

آیت نمبر (۲): القولہ تعالیٰ: ﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا﴾

یعنی حضرت زکریا علیہ السلام نے جب اپنے رب کو آہستگی سے پکارا۔

آیت نمبر ۳: القولہ تعالیٰ: ﴿قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا مانگتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری دونوں کی دعا کو قبول کرلیا۔

(جلالین)

آیت نمبر ۴: ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ﴾

یعنی جب سوال کریں بندے میرے مجھ سے پس میں ان کے پاس ہوں۔

آیت نمبر ۵: ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ تَضَرُّعًا﴾

یاد کرو اپنے جی میں گڑگڑا کر۔

پس ان آیات سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے دعاء عاجزی اور آہستگی سے مانگنی چاہئے چنانچہ تمام انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ سے آہستگی اور گڑگڑا کر دعائیں مانگیں اور صاحب فتح المعین صفحہ ۳۹۸ میں عطاء سے نقل ہے کہ آمین دعا ہے:

" كما نقله البخاري قال عطاء امين دعاءٌ "

یعنی کہا عطاء نے کہ آمین دعا ہے اور صاحب فتح القدیر نے لکھا ہے کہ فرمایا ابن مسعود نے:

" اربع يخفيهن الامام التعوذ والثناء والتسمية والتامين "

یعنی چار چیزیں امام آہستہ کہے اعوذ اور " سبحانک اللھم " اور " بسم اللہ " شریف اور " آمین " اور

تبیین الحقائق باب صفۃ الصلوٰۃ میں بایں طور لکھا ہے:

" ولنا حدیث وائل انه علیه السلام قال امین وخفض بها صوته رواه احمد وابو داؤد والدار قطنی قال عمر بن الخطاب یخفی الامام اربعاً التعوذ والتسمیة وامین وربنا لک الحمد الخ "

ہمارے پاس دلیل وائل بن حجر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آمین کہی اور اخفا کیا اس کو بیان کیا اس حدیث کو امام احمد وابوداؤد اور دار قطنی نے اور فرمایا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہ امام چار چیزوں کو اخفاء کرے اعوذ باللہ اور بسم اللہ شریف اور آمین اور ربنا لک الحمد اور ایک بڑی جماعت صحابہ کا اس پر اتفاق ہے۔

حدیث نمبر ۱: " عن وائل ابن حجر انه صلی مع النبی ﷺ فلما بلغ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال امین واخفی بها صوته "

یعنی وائل بن حجر سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز پڑھی تو آپ جب پہنچے ولا الضالین پر تو آہستہ کہی آمین۔

حدیث نمبر ۲: " عن علقمة بن وائل عن ابیه ان النبی ﷺ قرأ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقال امین وخفض بها صوته "

یعنی علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں بے شک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب غیر المغضوب علیهم ولا الضالین پڑھا تو آمین کو آہستہ کیا۔ یہ ہر دو حدیثیں مسند امام احمد ومسند ابوداؤد ومسند ابو یعلی وترمذی وتہذیب الآثار ودار قطنی ومعجم طبرانی ومعلی شرح موطا ومستدرک وطبرانی سے صاحب فتح المبین نے صفحہ ۳۹۵ میں باسناد صحیح لکھا ہے۔

حدیث نمبر ۳: " عن شعبة عن سلمة بن کهیل عن علقمة عن وائل بن حجر قال صلیت خلف النبی ﷺ فلما قال ولا الضالین قال آمین وخفض بها صوته "

یعنی روایت ہے شعبہ رضی اللہ عنہ سے وہ روایت کرتے ہیں سلمہ بن کہیل سے وہ روایت کرتے ہیں علقمہ سے وہ روایت کرتے وائل بن حجر سے، پس فرمایا کہ نماز پڑھی میں نے پیچھے نبی ﷺ کے پس آپ نے " ولا الضالین " کہا تو کہا آمین آہستگی سے نقل کیا اس حدیث کو ترمذی وابوداؤد ودار قطنی وغیرہ نے۔

حدیث نمبر ۴: " عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقولوا امین "

از بخاری وموطا امام مالک، یعنی جب امام " ولا الضالین " کہے تو تم آمین کہو، یہ آپ نے نہیں فرمایا کہ جب امام

تمہارا آمین کہے تو تم بھی کہو اگر اس طرح سے ہوتا تو ضرور ثبوت آمین بالجہر کا ہو جاتا۔

حدیث نمبر ۵ : "عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا امین فان الملئکة یقولون امین وان الامام یقول آمین"

(نقل از نسائی)

یعنی جب امام کہے ﴿ولا الضالین﴾ تو کہو تم آمین اس واسطے کہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور امام بھی کہتا ہے آمین الخ۔ پس اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اگر جہر آمین کہتا تو آپ کی ذات نے یہ کیوں تعلیم فرمائی کہ امام بھی کہتا ہے اور علاوہ اس کے ﴿قولوا﴾ کے معنی پکارنے کے کہیں نہیں ثابت ہوئے بلکہ "کہو تم" کے ثابت ہوتے ہیں اگر غیر مقلدین کسی مسلمان حنفی کو شبہ میں ڈالیں کہ حدیث میں علقمہ راوی ہے تو اس نے اپنے آپ سے حدیث نہیں سنی اس لئے حدیث مجروح ہوئی سو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی کے باب الھدوئی المرأۃ میں سماع علقمہ کا باپ سے ثابت کیا ہے۔ وہو ہذا:

"عن علقمة بن وائل بن حجر سمع من ابیه وهو اکبر من عبد الجبار الخ"

یعنی علقمہ بن وائل بن حجر نے اپنے باپ سے حدیث سنی ہے اور وہ بڑا ہے اپنے بھائی عبدالجبار بن وائل سے اور عبدالجبار بن وائل نے اپنے باپ سے حدیث نہیں سنی اور اسی طرح صحیح مسلم باب ملازمت جماعۃ المسلمین میں مذکور ہے اور صاحب تہذیب التہذیب نے علقمہ کے باپ سے حدیث سننا ثابت کیا ہے اور جو صاحب تقریب نے لکھا ہے کہ علقمہ کا سننا باپ سے ثابت نہیں سو یہ کہنا ان کا محمول ہوگا ان کے عدم اطلاع پر یا کلام غیر نقل کرنے پر، اس واسطے کہ اثبات مقدم ہے نفی پر ورنہ کیوں حافظ صاحب خود اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں علقمہ کا باپ سے حدیث سننا ثابت کرتے۔

اور اگر حدیث نمبر ۳ پر فرقہ وہابیہ اعتراض کرے کہ شیعہ کے ثقہ ہونے میں کلام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب تقریب وصنی شرح بخاری میں لکھا ہے کہ یہ امام المحدثین میں سے ہے اور جو بعض روایت میں ہے:

"مد بها صوته"

وہ وہاں مدعا رضی ہے جو کہ اول کلمہ آخر کلمہ میں واقع ہوا کرتا ہے اور مقابل حذف کے ہے نہ مقابل خفض کے اور بعض محدثین نے اس کے معنی اطال کے لکھے ہیں یعنی اس کو کھینچ کر پڑھنا چاہئے۔

(نقل از فتح المنعم)

اور اس کا ذکر جلد اول سلطان الفقہ میں بھی گذر چکا ہے اور فرقہ غیر مقلدین اس بارہ میں اکیس ۲۱ حدیثیں پیش کرتے ہیں ان سے نہ تو اکثر فعل آپ کی ذات ﷺ کا ثابت ہوتا ہے اور نہ دائمی اور علاوہ اس کے وہ حدیثیں ضعیف اور منسوخ ہیں اور ان شاء اللہ جلد چہارم میں وہ اکیس حدیثیں جو فرقہ غیر مقلدین اکثر اوقات عوام الناس اور کم علم لوگوں کو دکھا

کر دھوکا میں ڈالتے ہیں تحریر کی جائیں گی اور ہر ایک حدیث پر روشنی ڈال کر جرح قدح کی جائے گی پھر ناظرین باتمکین کو اچھی طرح واضح ہو جائے کہ یہ لوگ سراسر جھوٹے ہیں ناحق امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتے ہیں اور اپنی زبان سے میاں مٹھو بنتے ہیں۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا کار طفلاں تمام خواھد شد

سوال دوم کا جواب: بے شک مذہب حنفی میں رفع یدین کرنا مکروہ ہے اور مذہب حنفیہ کے دلائل مفصلہ ذیل ہیں:

حدیث نمبر ۱: "عن علقمة قال قال عبداللہ بن مسعودٍ الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ ﷺ فصلی ولم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ"

(نقل از موطا)

یعنی علقمہ سے روایت ہے کہا کہ فرمایا عبداللہ بن مسعود نے کیا نہ پڑھاؤں میں تم کو نماز مانند نماز رسول اللہ ﷺ کے پھر پڑھی نماز اور نہ اٹھائے دونوں ہاتھ آپ نے مگر پہلی تکبیر میں اور کہا صاحب ترمذی نے کہ یہ حدیث بہت صحیح ہے اور اسی طرح کی حدیث براء بن عازب سے بھی آئی ہے اور اس حدیث کو صحابہ تابعین نے بھی پسند فرمایا ہے۔

حدیث نمبر ۲: "عن البراء بن عاذبٍ ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتح الصلوۃ رفع یدیہ قریب من اذنیہ ثم لا یعود"

(نقل از ابوداؤد و فتح القدیر)

یعنی کہا ابن عازب نے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے شروع نماز میں دونوں ہاتھ اٹھاتے قریب کانوں کے پھر ساری نماز میں کہیں نہ اٹھائے۔

حدیث نمبر ۳: حدثنا ابن ابی داؤد وقال حدثنا نعیم بن حمادٍ قال حدثنا وکیع سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود عن علقمة عن عبداللہ عن النبی ﷺ انہ کان یرفع یدیہ فی تکبیرۃ ثم لا یعود"

یعنی یہ تمام اصحاب رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے روایت بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ اٹھاتے تھے دونوں ہاتھ پہلی تکبیر میں پھر نہ اٹھائے نماز میں یہ حدیث طحاوی میں ہے۔

حدیث نمبر ۴: "عن عبداللہ بن مسعودٍ قال صلیت خلف النبی ﷺ و ابی بکرٍ و عمر فلم یرفعوا ایدیھم الا عند افتتاح الصلوۃ"

(فتح القدیر صفحہ ۲۰۲)

روایت کیا اس کو اپنی تصنیف میں امام شیبہ نے جو کہ استاد ہیں بخاری اور مسلم کے۔

یعنی کہا عبداللہ بن مسعود نے کہ نماز پڑھی میں نے پیچھے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اور ابو بکر اور عمر رضی

اللہ عنہما کے سوا انہوں نے رفع یدین نہیں کیا مگر بوقت شروع کرنے نماز کے۔

حدیث نمبر ۵: "عن الاسود قال رأیت عمر بن الخطاب رفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لا یعود"

(نقل از طحاوی و بیهقی و فتح المبین صفحه ۲۰۳)

یعنی اسود سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے حضرت عمر بن خطاب کو کہ وہ دونوں ہاتھ اٹھاتے اول تکبیر میں پھر نہ اٹھاتے ساری نماز میں۔

جواب نمبر ۶: "عن عاصم بن کلیب عن ابیه ان علیا کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوة ثم لا یعود"

(نقل از عینی و موطا امام محمد)

یعنی عاصم بن کلیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر ساری نماز میں نہ اٹھاتے تھے۔

جواب نمبر ۷: "عن ابن عباس رضی الله عنه ان العشرة المبشرة ما کانوا یرفعون ایدیهم الا فی افتتاح الصلوة"

(نقل از بیهقی و کفایه)

یعنی مروی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہ عشرہ مبشرہ رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر پہلی تکبیر میں۔

حدیث نمبر ۸: "عن عبدالله ابن عباس قال قال النبی ﷺ لا ترفع الایدی فی شئ الا فی سبع مواطن فی افتتاح وفی العیدین و عند استلام الحجر وعلی الصفا والمروة وعند عرفات وعند جمع و عند رمی الجمار"

یعنی کہا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نہ اٹھائے جائیں ہاتھ کسی جگہ نماز میں مگر سات جگہ تکبیر اولیٰ میں اور نماز عیدین کی تکبیروں میں اور بوقت بوسہ دینے حجر اسود کے اور صفا و مروہ میں اور عرفات میں اور مزدلفہ میں اور منیٰ میں بوقت کنکریاں مارنے شیطان کے۔ نقل کیا ہے اس کو امام بیہقی اور صاحب ہدایہ نے باختلاف الفاظ کے اور صاحب کفایہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ رفع یدین نماز میں نہ کیا جائے۔

حدیث نمبر ۹: "عن جابر بن سمرة قال خرج علینا رسول الله ﷺ ونحن رافعوا ایدینا فقال مالی اراکم رفعی ایدیکم کاذنا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوة"

(نقل از مسلم و ابوداؤد و نسائی و فتح المبین صفحه ۲۰۳)

جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ نکلے ہم پر رسول اللہ ﷺ دراں حالیکہ ہم اٹھانے والے تھے اپنے ہاتھوں کو نماز میں تو فرمایا آپ نے کہ کیا ہے مجھ کو کہ تم کو دیکھتا ہوں کہ تم اپنے ہاتھوں کو اس طرح ہو جیسے سرکش گھوڑوں کی دمیں ہیں ہاتھوں کو

سوال: غیر مقلد کہتے ہیں کہ خواہ نماز جہری ہو خواہ سری ہو جب تک امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھی جائے نماز ہرگز ادا نہیں ہوتی کیونکہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، جواب دو اجر ملے گا۔

راقم حسن محمد داروگیر حافظ آباد

جواب: امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا خواہ نماز جہری ہو یا سری ہرگز جائز نہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾

یعنی جس وقت قرآن مجید پڑھا جائے تم اس کو سنو اور چپ رہو تا کہ تم لوگ رحم کئے جاؤ اس آیت سے دو حکم ثابت ہوئے ایک سننا، دوسرا چپ رہنا اور ہمارا عمل ہر دو حکم الٰہی پر ہے کیونکہ ہم جہری نماز میں قرأت امام کانوں سے سنتے ہیں اور سری سے چپ رہتے ہیں اور نماز سری میں سننا غیر ممکن ہے لہذا ہم چپ رہتے ہیں چنانچہ صاحب فتح القدیر نے لکھا ہے:

" ان المطلوب من هذه الآية امران الاستماع والانصات فيعمل بكل منهما والاول يخص والثانى لا يجرى على اطلاقه فيجب السكوت عند القراءة مطلقاً "

اور تفسیر حسینی و تفسیر عماد بن کثیر و تفسیر معالم التنزیل وغیرہ مفسرین نے لکھا ہے کہ معتمد و معتبر و صحیح قول یہ ہے کہ آیت قرآن کے بارہ میں نازل ہوئی ہے وہو ہذا:

" قال على بن طلحة عن ابن عباس قوله واذا قرئ القران يعنى فى الصلوة المفروضة "

یعنی یہ آیت نماز فریضہ میں نازل ہوئی۔

" ذهب جماعة الىٰ انها فى القرأة الصلوة "

اور صاحب معالم نے اختلاف مخالفین کا بیان کر کے لکھ دیا کہ:

" والاوّل اولىٰ وهو انها فى القرأة الصلوة "

اور مدارک میں ہے:

" وجمهور الصحابة على انه فى استماع المؤتم "

یعنی بڑا گروہ صحابہ کا اس بات پر ہے کہ یہ آیت نماز کے بارہ میں نازل ہوئی۔

اور حافظ جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں لکھا ہے:

" اخرج حميد والبيهقى فى القرأة عن ابى العالية ان النبى ﷺ كان اذا صلى باصحابه فقرأ فرأصحابه فنزلت هذه الاية فسكت القوم وقرء النبى ﷺ "

یعنی روایت کی ہے عبداللہ بن حمید اور بیہقی نے باب قرأت میں ابو عالیہ سے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تھے اور قرأت فرماتے تو صحابہ بھی ساتھ ہی قرأت کرتے، پس نازل ہوئی یہ آیت تو چپ ہو گئے اور قرأت کی نماز علیہ الصلوٰۃ والسلام نے۔

اور اسی طرح تفسیر حسینی میں ہے، جس کی عبارت سلطان الفقہ میں تحریر ہو چکی ہے اور بھی بہت سی حدیثیں اس بات پر شاہد ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھی جائے کیونکہ یہ دونوں قرأتیں جمع ہو جائیں گی تو یہ امر غیر مشروع ہوگا۔

حدیث نمبر ۱: عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ رواہ ابن ماجۃ و مؤطا امام محمد"

یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ پڑھنا امام کا پڑھنا مقتدی کا ہے۔

حدیث نمبر ۲: عن ابی موسیٰ الاشعری قال قال رسول اللہ ﷺ اذا قرأ الامام فانصتوا"

یعنی روایت ہے ابوموسیٰ اشعری سے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ جب امام پڑھے تو تم لوگ چپ رہو۔

حدیث نمبر ۳: "عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ انما جعل الامام لیؤتم بہ اذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا"

(رواہ ابوداؤد والترمذی ونسائی و مشکوٰۃ صفحہ ۷۹)

یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مقرر کیا گیا ہے امام تاکہ پیروی کی جائے اس کی پس جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی کہو اور جب وہ پڑھنا شروع کرے تو تم اس کی قرأت کو سنو اور چپ رہو۔

حدیث نمبر ۴: "عن نافع عن ابن عمر انہ کان لا یقرأ خلف الامام رواہ ابن عدی"

یعنی نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر بے شک امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۵: سئل عن عبداللہ بن عمر و زید بن ثابت وجابر بن عبداللہ قالوا لا یقرأ خلف الامام فی شیٔ من الصلوٰۃ"

(نقل از طحاوی شرح معانی الآثار و حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ ۷۹)

یعنی عبداللہ بن عمر و زید بن ثابت و جابر بن عبداللہ سے سوال کیا گیا کہ پیچھے امام کے کچھ پڑھا جائے کہا تینوں

وہابی جواب دیں کہ الحمد شریف قرآن ہے یا نہیں، اگر قرآن ہے تو قرآن کا پڑھنا امام کے پیچھے منع ہے جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے۔ (خادم شریعت)

انہوں نے کہ نہیں پیچھے امام کے نماز میں کچھ نہ پڑھا جائے۔

حدیث نمبر ۶: "عن ابی هریرة (ا) ان رسول الله ﷺ انصرف من صلوة جهر فيها بالقرأة فقال هل قرء معی احد منكم انفا فقال رجل نعم يا رسول الله قال انی اقول مالی انازع القران قال فانتهى الناس عن القرأة الخ"

(نقل از ابو حنیفہ و شافعی و موطا و ابن حاجہ و مسلم و ص ۳۰)

یعنی ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پڑھ چکے نماز جس میں جہر قرأت پڑھی جاتی ہے۔ پس فرمایا کیا پڑھا ہے کسی نے ساتھ میرے تم سے اب پس بولا ایک شخص ہاں یا رسول اللہ ﷺ فرمایا آپ نے کہتا تھا میں کیا ہوا واسطے میرے کہ چھینا جاتا ہے مجھ سے قرآن مجید، پس کہا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ باز رہے لوگ پڑھنے سے اخ۔

حدیث نمبر ۷: "عن ابن عمر انه كان اذا سئل هل يقرأ احد مع الامام قال اذا صلى احدكم مع الامام فحسبه قرأة امام و كان ابن عمر لا يقرأ مع الامام"

یعنی کہا نافع نے کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا جاتا کہ امام کے ساتھ پڑھنا جائز ہے یا نہیں تو فرماتے کہ امام کا پڑھنا مقتدی کو کافی ہوتا ہے اور خود ابن عمر جب امام کے ساتھ ہوتے تو کچھ نہ پڑھتے۔

حدیث نمبر ۸: "ان سعداً قال رددت ان الذی يقرأ خلف الامام فی فمه جمرة"

یعنی حضرت سعد کہتے تھے کہ جو پیچھے امام کے پڑھے اس کے منہ میں انگیارہ ہو۔

حدیث نمبر ۹: "ان عمر بن الخطاب قال ليت فی فم الذی يقرأ خلف الامام الخ"

(از موطا امام محمد)

یعنی تحقیق فرمایا عمر بن خطاب نے کاش بیچ منہ اس شخص کو جو پڑھتا ہے پیچھے امام کے کنکریاں ہو۔

حدیث نمبر ۱۰: "اخبرنا مالک حدثنا وهب بن كيسان انه سمع جابر بن عبدالله يقول من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصل الا وراء الامام"

(نقل از موطا امام محمد ص ۳)

یعنی جابر بن عبداللہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ تحقیق فرمایا آپ نے جس شخص نے پڑھی ایک رکعت اس نہ پڑھا اس میں الحمد کو پس نماز نہ ہوئی، مگر وہ رکعت ہووے پیچھے امام کے۔

حدیث نمبر ۱۱: "عن موسى ابن سعد بن زيد بن ثابت يحدثه عن جده انه قال من قرأ خلف الامام فلا صلوة له"

(نقل از موطا)

امام موسیٰ بن سعد اپنے دادا سے حدیث کرتے ہیں تحقیق اس نے کہا کہ جو شخص پڑھے پیچھے امام کے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

حدیث نمبر ۱۳: "حدثنا ابو حنيفة قال حدثنا ابو الحسن موسىٰ بن ابی عائشة عن عبيد الله بن شداد عن جابر عن النبی ﷺ من صلی خلف الامام فان قراة الامام له قراة"

(نقل از موطا و آثار و مسند امام اعظم)

"عن ابی حنيفة و صحيح سنده فی الفتح ص ۱۴۶ ، قال العينی هو حديث صحيح اما ابو حنيفة و موسیٰ بن عائشة الكوفی من الثقات الاثبات من رجال الصحيحين و عبدالله بن شداد من كبار التابعين"

(نقل از جامع الآثار صفحہ ۵۰)

یعنی حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ بے شک فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو شخص پیچھے ۱۰ سے ہو پس قرأت امام کی اس کی قرأت ہوتی ہے۔ روایت کیا اس کو امام محمد نے اپنی موطا میں امام ابوحنیفہ سے ساتھ سند صحیح کے کہا علامہ عینی نے کہ یہ حدیث بہت صحیح ہے چونکہ اس کا راوی موسیٰ بن عائشہ کوفی ثقات میں سے ہے، یہ حدیث صحیحین کی حدیثوں سے زیادہ صحیح ہے اور عبداللہ بن شداد کبائر تابعیوں میں سے ہیں اور کفایہ میں ہے کہ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہ الحمد کا پڑھنا مقتدی کا خلاف دین محمد رسول اللہ ﷺ کے ہے اور صاحب فتح المبین نے عینی سے نقل کیا ہے کہ فرمایا عبداللہ بن مسعود نے کہ مٹی بھر جائے اس کے منہ میں جو امام کے پیچھے پڑھے وہ سنت پر نہیں، ذکر کیا اس کو صاحب طحاوی نے اور کہا ابوبکر بن ابی شیبہ نے جو امام کے پیچھے پڑھے وہ فاسق ہے اور یہ وہ ابی شیبہ ہے جو بخاری و مسلم کا استاذ ہے، فقط۔

(نقل از فتح المبین ص ۹۳)

اور علاوہ اس کے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ اسی اصحاب فاتحہ خلف الامام سے سخت منع کرتے تھے۔ ان میں سے چند صحابہ کے اسماء ہیں: جابر بن عبداللہ، ابی سعید خدری، ابوہریرہ، ابن عباس، انس بن مالک، عبداللہ بن مسعود، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس۔

(نقل از عینی و فتح المبین صفحہ ۷۰)

پس اس لئے صاحب ہدایہ نے اس پر اجماع صحابہ کا قائم کیا ہے اور جو حدیثیں غیر مقلد جواز فاتحہ خلف الامام کی پیش کرتے ہیں وہ ضعیف اور ناقابل عمل ہیں کیونکہ اس میں خلاف قرآن مجید و آثار صحابہ و جمہور کے ہے۔

سوال: کیا غیر مقلد لوگ جو حدیثیں جواز فاتحہ خلف الامام یعنی امام کے پیچھے فاتحہ کے پڑھنے کے واسطے پیش کرتے ہیں، ضعیف ہیں اور خلاف قرآن مجید مذکور ہیں یا نہیں، جواب نمبر وار دو؟

وہ حدیثیں جو غیر مقلد جواز فاتحہ خلف الامام کے بارے میں پیش کرتے ہیں مفصلہ ذیل ہیں:

حدیث نمبر ۱: " لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب "

حدیث نمبر ۲: " لا صلوۃ لمن لم یقرأ بھا بفاتحۃ الکتاب "

حدیث نمبر ۳: " من صلی صلوۃً لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج "

حدیث نمبر ۴: " لا تفعلوا الا بام القران فانه لا صلوۃ لمن لم بھا الخ "

حدیث نمبر ۵: " نحن نکون وراء الامام "

یعنی لوگوں نے کہا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں۔ ابو ہریرہ نے کہا:

" اقرأ بھا فی نفسک "

جواب: حدیث نمبر اول و دوم و سوم سے فاتحہ خلف الامام ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان کے معنی یہ ہیں کہ جب فاتحہ نہ پڑھی جائے نماز نہیں ہوتی۔ سو یہ حکم صرف تنہا کے لئے ہے نہ خلف الامام کے وقت اور اس کے ہم سب لوگ حنفی المذہب قائل اور عامل ہیں چنانچہ ابوداؤد " وقال سفیان لمن یصلی وحدہ " یعنی نہیں نماز ہوتی جو نہ پڑھے الحمد، پس زیادہ کیا سفیان نے جو اس حدیث کا راوی ہے کہ یہ حکم واسطے اس کے ہے جو اکیلا نماز پڑھے۔

اور کتاب جامع ترمذی مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۲ میں صاف لکھا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جب انسان اکیلا نماز پڑھے، وھو ہذا:

" اما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی ﷺ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ' واحتج بحدیث جابر بن عبد اللہ حیث قال من صلی رکعۃً لم یقرأ فیھا بام القران فلم یصل الا ان یکون وراء الامام قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی ﷺ فاوّل قول النبی ﷺ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ' "

لیکن امام احمد حنبل نے فرمایا کہ معنی اس قول رسول اللہ ﷺ کا کے کہ:

" لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب "

یہ ہیں کہ جب انسان اکیلا نماز پڑھے اور استدلال ان کا حدیث جابر سے ہے، کہا انہوں نے کہ جو شخص کوئی رکعت سوائے الحمد کے پڑھے۔ تو نماز اس کی نہ ہوگی مگر جب امام کے پیچھے ہو، کہا امام احمد بن حنبل کے کہ جابر بن عبداللہ ایک صحابی ہیں آپ کی ذات ﷺ کے پس انہوں نے مطلب اس حدیث رسول اللہ ﷺ کا:

" لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب "

یعنی پڑھنے والا جب اکیلا ہو۔ ہاں اگر دوسرے کے واسطے ان کی بات کو تسلیم بھی کر لیں تو پھر بھی ان دلائل سے نفی ذات نہیں نکلتی، بلکہ نفی کمال کی ہے چنانچہ علامہ عینی وصاحب مسعودی وغیرہ نے لکھا ہے:

لا صلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد ولا ایمان لمن لا امانۃ لہ "

یعنی نہیں نماز کامل ہوتی مسجد کے ہمسایہ کی مگر مسجد میں اور نہیں ایمان کامل اس شخص کا جس نے امانت میں خیانت کی، اگر اس کے ظاہر معنی لئے جائیں کہ ہمسایہ مسجد کی نماز بالکل نہیں ہوتی اور جو امانتدار نہیں وہ بے ایمان کافر ہے تو پھر یہ قاعدہ جمہور علماء کے برخلاف ہوگا حالانکہ اس امر کا کوئی عالم بھی قائل نہیں اور حدیث نمبر ۴ جس کے یہ معنی ہیں کہ نہ پڑھو کچھ مگر سورہ فاتحہ کیونکہ اس کے سوا نماز نہیں ہوتی۔ سو اس حدیث کے صحیح ہونے میں بہت اختلاف ہے کیونکہ بعض نے اسے صحیح لکھا ہے اور بعض نے ضعیف بھی کہا ہے چنانچہ علامہ زیلعی نے لکھا ہے:

" فاضعفہ احمد وجماعۃ "

یعنی اس حدیث کو امام احمد اور ایک جماعت نے ضعیف لکھا ہے اور امام یحیی بن معین فرماتے ہیں کہ جملہ استثنائیہ اس کا صحیح نہیں اور طریق اسناد اس کے میں محمد بن اسحاق بن یسار راوی ہے جو قابل سند بیان کرنے کے نہیں کیونکہ اس کے حق میں یحیی قطان جن کو تمام محدثین نے مانا ہے وہ محمد بن اسحاق کی نسبت لکھتے ہیں:

" اشھد ان محمد بن اسحاق کذاب "

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن اسحاق بڑا جھوٹا آدمی ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو دجال لکھا ہے اور سلیمان بن تیمی نے نیز اس کو کذاب کہا ہے اور صاحب نسائی نے لکھا ہے قوی نہیں ہے اور دار قطنی نے اس سے دلیل پکڑنے کو منع کیا ہے اور صاحب تقریب نے اس کو مدلس لکھا ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے بھی اپنی کتاب الضعفاء الصغیر کے صفحہ ۲۶ پر لکھا ہے:

" محمد بن اسحاق لیس بالقوی "

غرضیکہ یہ حدیث نزدیک محدثین اہل انصاف کے مضطرب ہے قابل عمل نہیں اور حدیث نمبر ۵ جو ابو ہریرہ کا قول ہے کہ:

" اقرا بھا فی نفسک "

یعنی دل میں پڑھ سو اس کے معنی محدثین نے تدبر اور تفکر کے لئے ہیں چنانچہ مشکوۃ شریف مطبوعہ گلزار محمدی صفحہ ۷ کے حاشیہ پر لکھا ہے:

" المراد بہ ھو التذکر فی القلب لا التلفظ باللسان "

اور علاوہ اس کے خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کے برخلاف روایت بیان کی ہے۔

سوال: مذہب چکڑالوی کی نماز کس طرح پر ہے اور اس کا ثبوت کیا ہے؟ اور کیا یہ نماز موافق حکم خداوند کریم کے ہے یا حبیب خدا ﷺ نے پڑھی ہے یا صرف عبداللہ چکڑالوی کے گھر کی بنی ہوئی ہے۔ جواب دوا جر پاؤ گے۔

جواب: نماز چکڑالویوں کی صلوٰۃ القرآن جو انہی کی بنی ہوئی ہے اس میں بایں طور مسطور ہے (تکبیر اولیٰ) ﴿ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴾ (پ ۲۱) "سبحانک اللھم" کی بجائے: ﴿ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ ﴾ ﴿ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ ﴾ وغیرہ اور رکوع کی تسبیح یہ ہے: ﴿ سُبْحَانَ رَبِّنَا اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴾ وغیرہ۔

التحیات ان کا یہ ہے: ﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا الخ ﴾ وغیرہ دعائیں مذکور ہیں۔

نماز کی نیت یوں ہے:

﴿ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴾

اور درود یہ ہے:

﴿ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾

اور سلام یہ مقرر کر رکھا ہے:

﴿ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ تا ... غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

یہ نماز جو عبداللہ چکڑالوی نے اپنے زعم سے تیار کی ہے اس کا ثبوت قرآن مجید کی آیات بینات کے سیاق و سباق سے ظاہر نہیں ہوتا اور نہ ہی کہیں خداوند کریم نے اپنے حبیب کو بایں طور فرمایا کہ اے رسول اللہ ﷺ تو رکوع اور سجود اور التحیات اور بوقت تکبیر اولیٰ وغیرہ مقامات میں یہ آیات پڑھا کر اور اپنی امت کو بھی اسی طرح تعلیم نماز کی دیا کر اگر کوئی چکڑالوی صاحب بایں الفاظ قرآن مجید سے دکھائے تو مبلغ ایک صد روپیہ انعام لے اور مولوی ثناء اللہ صاحب غیر مقلد امرتسری نے اپنے رسالہ دلیل الفرقان صفحہ ۶ میں نماز ایجاد شدہ کا مفصل جواب تحریر کر دیا ہے لہذا فقیر کو دوبارہ جواب تحریر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں اور علاوہ اس کے مولوی صاحب مذکور نے یہ سوال بھی چکڑالویوں پر کیا ہے جس کا جواب اب تک ان کی طرف سے نہیں ملا اور وہ سوال یہ ہے:

اس ساری صلوٰۃ قرآنی پر ہمارا ایک ہی سوال ہے اور وہ اس کا جواب دیں اور ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ تمام ملا قرآنی

مل کر بھی چاہیں تو نہ دے سکیں گے اور ہم بھی انہی کی تائید میں ہمیشہ مضمون لکھا کریں گے وہ سوال یہ ہے کہ یہ آیات جو آپ نے موقعہ بموقعہ کے لئے انتخاب کی ہیں سو یہ انتخاب آپ نے محض اپنی رائے سے اور اجتہاد سے کیا ہے یا قرآن مجید کی کسی آیت سے۔ اگر اپنی رائے سے کیا ہے تو کیا دوسرے شخص کا بھی حق ہے کہ ان کے علاوہ اور آیات ان کی بجائے تجویز کرے اسی طرح تیسرے کا چوتھے کا پھر پانچویں کا علی ہذا۔ دیتا بھر کے جہلا کو جانے دو، علماء کا حق ہے کہ اپنی اپنی سمجھ کے موافق آیات انتخاب کر کے علیحدہ علیحدہ نماز تجویز کر سکتے ہیں پھر کیا سب نمازوں کا نام "صلوۃ القران" ہی رکھیں گے اور یہ بھی دعویٰ کریں گے کہ قرآن نے سب احکام مفصل بیان کر دیے ہیں ایسے ہو تو کسی کو ان کے سمجھنے میں شک نہیں ہو سکتا اور حدیث کی کوئی حاجت نہیں اور اگر یہ انتخاب کسی آیت قرانی سے ہے تو وہ کونسی آیت ہے؟

نوٹ: ان شاء اللہ تعالیٰ اقسام وحی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ذکر جلد چہارم میں مفصل تحریر کیا جائے گا۔

سوال: اہل سنت والجماعت کی نماز قرآن میں کس طرح پر ہے۔ اس کا ثبوت دو؟

جواب: اس کا ذکر اسی جلد میں ہو چکا ہے اور مولوی ثناء اللہ غیر مقلد امرتسری نے بھی اپنے رسالہ میں اسی طرح تحریر کر دیا ہے:

﴿ کبّر ﴾ (پ ۱۵) ﴿ قُوْمُوْا لِلّٰہِ ﴾ (پ ۳) ﴿ اِرْکَعُوْا ﴾ (پ ۱) ﴿ اُسْجُدُوْا ﴾ (پ ۶) ﴿ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا ﴾ (پ ۳) ﴿ سَبِّحِ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ ﴾ (۲۷) ﴿ سَبِّحِ بِاسْمِ رَبِّکَ الْاَعْلٰی ﴾ (پ ۳۰) ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾ (پ ۲۹)

پس یہ وہ نماز ہے جو خداوند کریم نے اپنے حبیب ﷺ کو بذریعہ وحی سکھلائی اور ائمہ دین اس نماز کو پڑھتے چلے آئے ہیں پس ہم کو بھی اس لئے اسی طرح حکم ہوا:

﴿ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ﴾

(پ ۲۱)

کہ تم ایماندار بھی رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرو کیونکہ وہ تمہارے لئے نیک نمونہ ہے:

﴿ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾

☆☆☆☆☆

استفتاء

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ ایک شخص مسمی کرم الٰہی ناگی غیر مقلد علاقہ سیالکوٹ ساکن موضع کوٹلی لوہاراں غربی نے ایک کتاب بظر ز کا من بنائی ہے اور کا من کرم الٰہی ناگی سے مشہور ہے اور اس میں لکھا ہوا ہے کہ میلاد کرنا رسول اللہ ﷺ کا بدعت ہے اور بوقت میلاد آپ کی روح مبارک نہیں آتی اور استمداد کرنا اور وظیفہ یا شیخ عبدالقادر، یا علی مشکل کشا کرنا اور عورتوں کو بیعت کرنا اور تقلید شخصی کرنا اور حنفیوں کو مشرک و کافر کہنا اور نقشبندی وغیرہ خاندانوں کو بدعتی و مشرک کہنا اور تصور پیر کا کرنا غرضیکہ ان تمام افعال کو بدعت و حرام و شرک لکھا دیا ہے اور پیر جماعت علی شاہ صاحب فاضل اجل اور بزرگ اکمل کی سخت توہین کی ہے، شاید علمائے دین کی نظر سے یہ کتاب گزری ہوگی۔ کیا ایسی کتاب عورتوں کو پڑھنا اور پڑھانا جائز ہے یا حرام اور اگر حرام ہے تو پھر ایسی کتاب کو کس لئے گورنمنٹ میں درخواست دے کر بند نہیں کرایا جاتا اور اگر اس طرح بند نہیں کرایا جاتا تو پھر اس کا جواب دیں تاکہ عوام الناس اس سے فائدہ حاصل کریں اور کتاب مذکور سے کنارہ کریں۔

السائل خاکسار سلطان احمد از کمالپور علاقہ لائلپور متصل سبنسن سیالاں والا

جواب: بے شک یہ کتاب بندہ کی نظر سے گزری ہے۔ اس کتاب کا پڑھنا پڑھانا عورتوں کو ناجائز اور حرام ہے کیونکہ اس میں توہین رسول خدا ﷺ اور علمائے دین وصوفیائے کرام کی موجود ہے اور جو آیات اس میں درج ہیں وہ تمام کفار مکہ و بت پرستوں اور بتوں کی مذمت کے بارہ میں نازل ہوئی تھیں، سو مؤلف کتاب نے ان کا مصداق رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام اور اولیائے عظام کو قرار دیا ہے، وہو ہذا:

" والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر ان تدعوھم لا یسمعوا دعآء کم ولو سمعوا استجابوا لکم "

اور جن کو پکارتے ہو اس کے سوا وہ مالک نہیں ایک چھلکے، کے اگر تم ان کو پکارو وہ تمہاری پکار کو نہیں سنتے اور اگر سنیں نہیں پہنچیں تمہارے کام پر۔

غرضیکہ مؤلف نے جو آیات اپنی کتاب میں درج کی ہیں وہ سب کی سب بے موقعہ اور بے محل درج کی ہیں اور خواہ مخواہ ورد سے کر بزرگان اسلام کو ان کا مصداق بنایا ہے اور مسلمانان حامی دین کو مشرک و بدعتی لکھ مارا ہے۔

خدایا مفتری را روسیاہ کن　　ز قہر قہر دان خود تباہ کن

ان اعتراضوں کا جواب جلد اول سلطان الفقہ "عقول زندگی" در جواب اصول زندگی میں مفصل دیا گیا ہے جن کو شک ہو دیکھ لیں اور بیعت کرنا عورتوں کو بایں طور جائز ہے کہ شیخ کپڑے کا دامن عورتوں کو حجاب میں رکھا کر ان کے ہاتھ میں

پکڑائے اور شرک و بدعت و منہیات وغیرہ کے ترک کرنے پر تلقین کرے اور گناہ صغیرہ و کبیرہ سے توبہ کرائے اور ان سے بات کا اقرار لے کہ آئندہ ان منہیات پر عمل کرنا ہوگا اور احکام خدا اور رسول علیہ السلام پر عمل کرنا ہوگا اور بیعت کرنا ہو تو اس کا قرآن کریم پارہ ۲۸ میں بایں طور مذکور ہے:

﴿ یاایھا النبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک علیٰ ان لا یشرکن باللہ الخ ﴾

اور حدیث شریف بھی اس پر شاہد ہے چنانچہ طبرانی و بیہقی و ابوداؤد سے صاحب نور مکمل سورۂ مزمل صفحہ ۲۳۷ میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو کہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کہ جمع کر عورتیں اہل انصار کو ایک گھر میں پس جب جمع ہوئیں سب عورتیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دروازے کے باہر بیٹھ کر ان کی طرف کپڑے کا دامن کیا اور کہا پکڑو اس کو اور بیعت کرو اس بات پر کہ ہم شرک اور بدعت اور برے کام نہ کریں گی۔

اور ایک روایت حضرت مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بخاری میں بایں طور مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قولی بیعت عورتوں سے لی۔

اور ایک روایت بخاری میں بایں طور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے کہ ایک باندی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہاتھ پکڑ کر جس جگہ چاہا لے گئی:

"عن (۱) انس قال کانت امة من اماء اھل المدینة تاخذ بید رسول اللہ ﷺ فتنطلق به حیث شاءت رواہ البخاری"

پس ان دلائل قاطع سے ثابت ہوا کہ عورتوں کو بیعت کرنا جائز ہے اور اس کا انکار کرنا گمراہوں کا کام ہے۔

اور علاوہ اس کے امید ہے کہ حضرت زبدۃ العلماء پیر جماعت علی شاہ صاحب کتاب کا من کرم الٰہی ناگی اور زلیخا عبدالستار اور اصول زندگی و بوئے غسلین کو زیر نظر فرما کر بہت جلدی کوئی تجویز فرما دیں گے کیونکہ یہ انہی کا فرض ہے۔

سوال: غیر مقلد کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص نماز فجر اور عصر و مغرب پڑھ چکا ہو پھر جماعت مل جائے تو اس میں شریک ہو جانا اس کو جائز ہے یہ کیونکر ہے اس کا جواب حدیث شریف سے دو؟

جواب: مذہب حنفی میں ان تینوں نمازوں میں بعد ادا کرنے نمازوں کے جماعت میں شریک ہونا جائز نہیں چنانچہ صحیح مسلم میں ابوامامہ سے حدیث مذکور ہے:

"صل الصبح ثم اقصر عن الصلوٰة حتی تطلع الشمس"

(۱) یہ حدیث بخاری سے اہل حدیث کے لئے لی گئی ہے ورنہ اہل سنت والجماعت کے ہاں قابل عمل نہیں۔

یعنی فرمایا حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کہ صبح کی نماز پڑھو بعد اس کے نہ نماز پڑھو یہاں تک کہ آفتاب طلوع کرے اور نیز تبیتی صاحب نصر نے صفحہ ۶۷ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بایں طور حدیث نقل کی ہے:

" کان رسول اللہ ﷺ یصلی دبر کل صلوۃ الا الفجر والعصر "

یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ ہر نماز فرض کے بعد نفل پڑھتے تھے۔ مگر فجر اور عصر کے نہیں پڑھا کرتے تھے۔

اور ابی سعید خدری سے مسلم نے بایں الفاظ حدیث بیان کی ہے:

" لاصلوۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس ولا صلوۃ بعد العصر حتی تغرب الشمس "

یعنی نماز نفلوں کی جائز نہیں بعد نماز صبح کے جب تک سورج طلوع نہ کرے اور نہ بعد عصر کے جب تک سورج غروب نہ ہو اور بخاری میں ہے کہ کہا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ منع کیا نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ان ہر دو وقتوں کے بعد نماز پڑھنے کو فقط۔

واللہ اعلم بالصواب

سوال: غیر مقلد کہتے ہیں کہ امام صاحب کے مذہب میں اندھے کی امامت مکروہ ہے یہ کیونکر ہے؟

جواب: صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ اندھے کی امامت اس وقت مکروہ تنزیہی ہے کہ اگر اس قوم میں اور کوئی ایسا عالم اور پرہیزگار مثل اس کے ہو، ورنہ اندھے کی امامت جائز بلا کراہت ہوگی۔

اور صاحب نصرۃ المجتہدین نے صفحہ ۱۲۹ میں بحر الرائق سے نقل کیا ہے:

" قید کراھۃ امامۃ الاعمی فی المحیط وغیرہ بان لا یکون افضل القوم فان کان افضلھم فھو اولی "

یعنی مقید کیا ہے اندھے کی امامت کے مکروہ ہونے کو محیط وغیرہ میں ساتھ اس کے کہ نہ ہووے اندھا بہتر لوگوں سے اور اگر اندھا اور لوگوں سے علم میں زائد ہو پس اس کا امام ہونا بہتر ہے۔

اور حدیثوں میں جو آیا ہے کہ آپ نے ام مکتوم اور عتبان کو امامت مدینہ کی سپرد کی، تو اس کی بھی یہی وجہ تھی کہ تمام اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین جو صحیح وسلامت تھے جنگوں میں آپ کے ساتھ اپنی جانوں کو نثار کرنے کے لئے چلے گئے تھے اور باقی مدینہ کے رہنے والوں سے وہی بہتر اور علم میں زائد تھے۔ اس لئے آپ نے ان کو ہی خلیفہ مقرر فرمایا۔

(ھکذا فی بحر الرائق و نصرۃ المجتہدین)

اور فتاوی جامع الفوائد صفحہ ۳۵ میں لکھا ہے:

" امامۃ الاعمی جائز والبصیر افضل من ذلک "

یعنی اندھے کی امامت جائز ہے اور افضل اس سے بینا ہے۔

اور جن لوگوں نے اندھے کی امامت کو مکروہ لکھا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ اکثر اندھے نجاست میں رہتے ہیں۔ اگر ایسے نہ ہوں تو ان کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے جیسا کہ کتب مبسوط میں مسطور ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

سوال : جو شخص کہ عاق والدین اور استاد اور مرشد کا ہو اس کی امامت جائز ہے یا نہیں اور عاق کن امور سے ہوتا ہے؟

جواب : ایسے شخص کے پیچھے نماز ناجائز ہے تاوقتیکہ وہ ان سے راضی نہ ہو جائیں اور توبہ خالص نہ کرے چنانچہ جامع المنظر فات وجامع المحجاب سے صاحب التتاء نے بایں طور عبارت نقل کی ہے:

" وروی ان السلف رضوان اللہ علیہم کانوا لا یصحبون مع من یجلس فی مجلس العاق ولا یصلون خلفہم محافۃ باقتدائہ قالوا ومن فعل ذلک فھو مع عاق "

یعنی متقدمین رحمہم اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے مل کر نہیں بیٹھتے تھے جو عاق کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے اور نہ ہی ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اس خوف کے مارے کہ اس کا اقتدا نہ ہو جائے یعنی ہم ان کے پیروخیال نہ کیے جائیں پس فرمایا کرتے تھے جس نے ایسا کیا پس وہ عاق ہے اور فتاوی جامع الفوائد ص ۳۵ میں لکھا ہے:

" ولا یجوز شہادۃ العاق وامامتہ وتسقط عدالتہ ولا یعتبر قولہ ولا یعمل بفتوتہ ولو کان مفتیا یعنی ان العقوق من الکبائر المنصوصۃ المسقط لعقدالتہ "

(نقل از تحفظ الفقہاء حنفیہ)

یعنی عاق کی گواہی اور امامت اور عدالت شرعاً منظور اور جائز نہیں اور نہ ہی اس کا فتویٰ قابل عمل ہے۔

اور مختار الفتاوی میں بایں طور لکھا ہے:

" وینبغی للمتعلم ان یعظم استاذہ لان فی تعظیمہ برکۃ ومن لم یعظم شتم فھو عاق لا تقبل صلوتہ ولا امامتہ ویقور ویشھد وعلیہ الفتوی فی زماننا "

اور فتاوی جامع الفوائد صفحہ ۳۲۵ میں لکھا ہے کہ جو شخص عاق استاذ کا ہے اس کی نذر وحہ اور امامت اور عدالت نزدیک امام صاحب وامام ابو یوسف وامام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے جائز نہیں۔

اور صاحب جالب الاخبار نے بایں الفاظ حدیث بیان کی ہے کہ حق استاذ کا فرض ہے جو اس سے منکر ہو وہ کافر ہے۔

"حق الاستاذ فرض من المکر من الفرض فقد کفر الخ "

(از الدلہ)

اور فتاوی جامع الفوائد صفحہ ۳۲۵ میں بدیں مضمون عبارت درج ہے:

" نقل است از امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وامام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ و

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ و فتاوی کامل میگوند کہ عاق آں راگفتہ اند کہ استاذ شاگرد را امر بمعروف نماند چنانچہ نماز و روزہ و حج و زکوۃ وغیر آں اگر طاقت آں دارد و شاگرد ابا ارد و منحرف گردد یا بخواہر استاذ بنظر شہوت بیند و یا در مذمت و غیبت اشتغال نماید آنگاہ و عاق شود ۔ عقب او نماز درست نمیشود ، وشہادت او درمحکمہ عدالت جائز نہ بود و بغیر انہا بافعال دیگر عقوق نشود الخ"

اور اسی فتاوی میں لکھا ہے:

" ولا تقبل عادته' ان كان الاستاذ ممن تعلم منه حرفا من القران او تعلم مسئلة من مسائل الفقه او الحديث او النصيحة من الحسنات او الذكر او لقن كلمة طيبة كذا في الشرعة"

پس طالبان حق کو لازم ہے کہ بزرگان دین کی تعظیم وتکریم بجالائیں مثنوی

کیف مد ظل نقش اولیاء است گو دلیل نور خورشید خدا است۔

بے ادب خود را نہ تنہا داشت بد بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

اور مشکوۃ شریف باب مساجد میں بایں مضمون حدیث مذکور ہے کہ ایک شخص ایک قوم کا امام تھا اس نے قبلہ کی طرف تھوکا تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اس کے پیچھے نماز مت پڑھو کیونکہ اس نے اللہ تعالی اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔

اور فتاوی ذخیرہ میں لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ عاق کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے ، وہو ہذا

" ولا يجوز الاقتداء على عاق الاستاذ بالاجماع -فقط"

واللہ اعلم بالصواب

سوال: بے غیرت اور دیوث کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں جائز چنانچہ کتاب مختصر شافی وفتاوی جامع الفوائد صفحہ ۳۳ میں مذکور ہے:

" فاذا خرجت المراة من بيت الزوج على رضائه ولا يمنعها فهو ديوث لايجوز الصلوة خلفه لانها ما امرت بالقرار في البيت"

یعنی جب کہ عورت گھر سے نکلے اور مرد منع نہ کرے تو وہ مرد دیوث ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

سوال: قرأت کتنے آواز بلند سے پڑھنی چاہیے اور قرأت میں سرّیں ہانا کر قرآن شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں"

جواب: بے شک اس قدر بلند پڑھنا جائز ہے کہ پڑھنے والے کو تکلیف محسوس نہ ہو چنانچہ موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

میں حدیث مذکور ہے:

"ان عمر بن الخطاب كان يجهر بالقراة في الصلوة وانه كان يسمع قراة عمر بن الخطاب عند دار ابي جهيم قال محمد الجهر بالقراة فيما يجهر فيه بالقراة حسن ما لا يجهد الرجل نفسه ... الخ"

یعنی تحقیق حضرت عمر بن خطا صفحہ ۳۵ میں بایں طور تحریر کیا ہے:

"امام بلند نخواند که صف اول بشنود وسحت بلند بخواند الخ"

اور اگر کوئی شخص قرآن مجید میں خوش الحانی برائے حصول ثواب وکمالیت ترتیل بلا تکلف اقتضاء طبیعت کے پڑھے اور رعایت اخفاء واظہار اور غنہ اور قلقلہ وغیرہ حروف بھی کرے تو یہ تغنی جائز بلکہ مسنون ہے چنانچہ بخاری ومسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"ما اذن الله لشيء ما اذن النبي حسن الصوت بالقران يجهر به"

یعنی نہیں سنتا اللہ تعالیٰ کسی چیز کو مثل نبی کی آواز کے کیونکہ وہ خوش آوازی سے پڑھتا ہے قرآن کو۔

اور ابن ماجہ ودارمی وغیرہ میں مروی ہے:

"عن البراء بن عازب رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ زينوا القران باصواتكم"

یعنی زینت دو قرآن کو آوازوں سے۔

اور ایک روایت میں اس طرح بھی آیا ہے:

"سمعت رسول الله ﷺ حسنوا القران باصواتهم فان الصوت الحسن يزيد القران حسناً"

(رواہ الدارمی)

یعنی براء بن عازب سے روایت ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ سے کہ فرماتے تھے اچھی طرح پڑھو قرآن کو ساتھ آوازوں کے اس واسطے کہ خوش آوازی زیادہ کرتی ہے قرآن کی خوبی کو۔

اور ایک روایت بخاری میں اس طرح بھی مذکور ہے:

"قال رسول الله ﷺ ليس منا من لم يتغن بالقران"

یعنی کہا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ نہیں وہ شخص ہمارے کامل طریقہ پر جو نہ خوش آوازی کرے ساتھ قرآن کے۔

اور ایک دن کا ذکر ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے کہ دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی قرأت سن رہے ہیں۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر مجھ کو پتہ ہوتا تو میں ضرور قرأت قرآن

مجید کی خوش الحانی سے کرتا پس ان دلائل قاطعہ سے معلوم ہوا کہ خوش الحانی و ترتیل و تحسین صوت سے قرآن شریف کا پڑھنا جائز ہے اور اس سے کسی سلف صالحین نے انکار نہیں کیا اور جو خوش الحانی اتفاقی طبیعت سے صادر ہو بلکہ اظہار اس کا بالتزام اور مطابق قواعد الحان موسیقی اور حرفوں اور شدوں اور مدوں میں کمی اور زیادتی پیدا ہو جائے تو ایسی خوش الحانی حرام اور مکروہ نزدیک سلف صالحین کے ہے چنانچہ شرح منیۃ المصلی میں امام سرخسی رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا ہے:

" انه كان يكره رفع الصوت عند القراءة والوعظ الخ "

اور مشکوٰۃ شریف میں ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ پڑھو قرآن مجید کو مطابق الحان عرب کے اور ان کی آواز کے اور بچو تم طور اہل عشق اور اہل کتاب کے کہ بیشک وہ بطور موسیقی کے پڑھتے ہیں اور آئے گا بعد زمانہ کہ وہ قرآن پڑھیں گے اوپر طریقہ نوحہ اور راگ کے پس حالیکہ ان کے حلقوں میں نہ تجاوز کرے۔

سوال: امام اور مؤذن کو اجتماع اہل محلہ کے نماز کے لئے کسی امیر کے واسطے انتظاری کرنا جائز ہے یا حرام ہے

جواب: انتظاری کرنا بعد اجتماع محلہ کے نماز میں امراء اور غیرہ کے لئے ناجائز ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص شریر اور فسادی ہو تو دفع شرارت کے لئے فقہاء نے انتظاری کرنا جائز لکھا ہے، وہو ہذا:

" لاينظر الامام والمؤذن اواحد بعينه بعد اجتماع اهل المحلة الا ان يكون شريراً وفي الوقت سعة فينظر الخ لا ينتظر لرئيس المحلة لان فيه رياءً وابتداءً " فقط

(نقل از جامع الرموز و غنیہ و فتاوی حامدیہ و شریف منیہ و فتاوی جامع الفوائد صفحہ ۳۰)

سوال: نماز تراویح میں اگر امام نابالغ ہو تو بالغ اس کی اقتداء کریں یا نہ؟

جواب: اس مسئلہ میں علمائے دین کا بہت اختلاف ہے۔ لیکن صحیح تر یہ ہے کہ نابالغ کی اقتداء نہ کریں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ فقط۔

(نقل از تحفہ الصلوٰۃ و حواشی فتاوی جامع الفوائد صفحہ ۳۳)

سوال: اگر کوئی شخص فرض عشاء کے پڑھ چکا ہو۔ پھر نماز تراویح امام کے ساتھ پڑھے یا نہ؟

بقلم خود عمر الدين ولد حاجي نظام الدين فمحرر يحان

جواب: بے شک اس مسئلہ میں اختلاف ہے، لیکن صحیح تر یہ ہے کہ جماعت تراویح، وتروں میں اس کو شریک ہو جانا صورت بالا میں جائز ہے چنانچہ علامہ ابراہیم حلبی نے شرح منیہ میں لکھا ہے:

" اذ لم يصل الفرض مع الامام قبل لا يتبعه في التراويح ولا في الوتر وكذا اذا لم يصل مع التراويح لا يتبعه في الوتر والصحيح انه يجوز ان يتبعه في ذلك كله "

بکذا فی فتاوی سعدیہ صفحہ ۷۶ اور فتاوی جامع الفوائد صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے

ہوں تو وتر امام کے ساتھ نہ پڑھے، بکذا فی الحواشی لیکن قول اول، بہت صحیح ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

سوال: کسی شخص نے نماز تراویح پڑھ لی ہو یا کچھ امام کے ساتھ پڑھی ہو تو پھر وہ وتر امام کے ساتھ پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بے شک اس کو ہر صورت میں امام کے ساتھ وتر پڑھنے جائز ہیں چنانچہ فتاوی قاضیہ و ابوالرکارم و فتاوی عالمگیری میں لکھا ہے:

" واذا صلی معه شیئا من التراویح او لم یدرک شیئا منها او صلیا مع غیره له ان یصلی الوتر معهم هو الصحیح "

(نقل فتاوی سعدیہ صفحہ ۲۰۰ و جامع الرموز صفحہ ۱۰۲)

سوال: دیوار یا ستون یا سقف مسجد پر تیمم جائز ہے یا نہیں۔

جواب: اس میں اختلاف ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ نہ کیا جائے کیونکہ مسجد جائے ادب و موقف برائے نماز۔ بکذا فی فتاوی سعدیہ ص ۱۸۔

سوال: تیمم کتنی ضرب ہیں۔ حدیث سے جواب دو؟

جواب: دو ضربیں ہیں۔ ایک ہاتھوں کے لئے اور ایک منہ کے لئے جیسا کہ دار قطنی و طبرانی میں حدیث مذکور ہے۔

" انه علیه الصلوة والسلام قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للیدین الی المرفقین "

یعنی فرمایا حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کہ تیمم دو ضربیں ہیں ایک ضرب واسطے منہ کے اور ایک واسطے ہاتھوں کے کہنیوں تک فقط۔

سوال: علمائے دیوبند کے عقائد کیا ہیں ان کی کتابوں کی ایجنٹ عبارت تحریر کریں تاکہ ناظرین کو یقین آجائے؟

جواب: ان کے اکثر عقائد تاریخ مہابیہ دیوبندیہ و کوکبہ شہابیہ و حسام الحرمین وغیرہ رسالوں میں درج ہیں اور ان کے ایمان وغیرہ پر علمائے دین مکہ معظمہ کی مواہیر بھی لگی ہوئی ہیں لیکن مختصر طور پر فقیر بھی ان کے عقائد باطلہ کو نمبر وار الٰہی تصنیفات سے ایجنٹ عبارت درج کرتا ہے، وہو ہذا:

عقیدہ نمبر ۱: شیطان کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فکر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے۔

(ایجنٹ براہین قاطعہ صفحہ ۱۵۱ از مولوی خلیل احمد گنگوہی)

عقیدہ نمبر ۲: شیطان کو یہ وسعت علم نص سے ثابت مان کر رسول اللہ ﷺ کے لئے وسعت علم ماننے والے کو یوں کہنا کہ تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔

(ایجنٹ براہین قاطعہ صفحہ ۱۵۱)

نقطہ نمبر ۳: بعض علوم غیب مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو زید عمرو بکر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔

(عجالہ نافعہ کتاب حفظ الایمان صفحہ ۵ مطبوعہ مکتبہ سراج الاخبار علی ہامشہ)

نقطہ نمبر ۴: بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

(صفحہ ۳ تحذیر الناس قاسم نانوتوی)

نقطہ نمبر ۵: عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا یوں معنی ہے کہ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔

(کتاب ایضاً صفحہ ۳)

نقطہ نمبر ۶: عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے عقائد عموماً حنفی مذہب تھا ان کے مقتدی اچھے ہیں اور علاوہ ان کے اور بہت سے عقائد ہیں مثلاً مجلس میلاد و مبارک حضور سید عالم ﷺ جشن گھنیا کا سوانگ ہے۔

(براہین قاطعہ صفحہ ۳۶)

ہتری ایک رکعت کو فوت ہے۔

(براہین صفحہ ۴)

جس کو ایک وقت کی نماز کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو اس سے حج ساقط ہے۔

(براہین صفحہ ۳ سطر ۱۹)

دیکی کا اعلال ہے خدا پاک کا جھوٹ بولنا ممکن ہے۔

(براہین صفحہ ۲۰ سطر ۱۰ تا ۱۲ مقال کہ جھوٹ ہے)

نوٹ: باقی عقائد فرقہ غیر مقلدین کے معہ جوابات ان شاء اللہ جلد چہارم میں بیان ہوں گے۔

سوال: مولوی ثناء اللہ غیر مقلد امرتسری اپنے رسالہ اہلحدیث میں لکھتا ہے کہ ہم عبدالوہاب نجدی کے پیرو نہیں ہمارے بعض افراد بھائی ہمارے اس کی بود و باش سے بھی ناواقف ہیں اور یہ محض ان کا جھوٹ اور دل آزاری کا سبب ہے۔

جواب: بے شک یہ فرقہ وہابیہ غیر مقلدین محمد بن عبدالوہاب نجدی کا پیرو ہے کیونکہ ان کے عقائد اور ان کے عقائد ہمارای ہیں۔ بلکہ بہت سے عقائد ان سے بڑھ کر خبوثت کفر پہنچ چکے ہیں جن کا ذکر مفصل فقیر نے سیف الیمان علی اہل الخذلان میں لبسوط تحریر کر دیا ہے اور یہاں صرف بطور نمونہ ابن عبدالوہاب کے رسالہ کی عبارت نقل کی جاتی ہے تا کہ ناظرین خود اس پر قیاس کر لیں اور سمجھ لیں کہ کون لوگ ان کے پیرو ہیں، وہو ہذا:

"فمن اعتقد انہ اذا ذکر نبی فیطلع ھو علیہ صار مشرکا وھذا الاعتقاد شرک سواء کان مع

سی ولی او ملک او حی او صنم اووهن وسواء کان یعتقد حصوله بذاته او باعلام الله تعالی بای طریق کان یصیر مشرکاً و من اعتقد النبی وغیره ولیه و شفیعه فهو ابوجهل فی الشرک سواء اما السابقون فاللات والسواع والعزی واما اللاحقون محمد و علی وعبدالقادر ولم یقل فی حاجته یالله وقال یا محمد وان اعتقد عبداً غیر متصرف فی الکل صار مشرکا کفاک قدوة فی ذلک شیخنا تقی الدین ابن تیمیه وقد ثبت ان السفر الی قبر محمد و مشاهده و مساجد واثاره وقبره ولی وسائر الاوثان شرک اکبر الخ"

(نقل از محلہ صفحہ ۹)

یعنی جو کوئی یہ اعتقاد رکھے کہ نبی کا نام لینے سے نبی اس پر مطلع ہو جاتا ہے تو وہ مشرک ہو جاتا ہے پھر خواہ یہ اعتقاد کسی نبی کے ساتھ ہو یا ولی یا فرشتہ یا جن یا بھوت یا صنم یا بت کے ساتھ ہو۔ پھر خواہ یہ اعتقاد کرے کہ اس کا علم اس نبی وغیرہ کو بذاتہ حاصل ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے اعلام سے الغرض جس طریقہ سے یہ اعتقاد ہو اس سے مشرک ہو جاتا ہے اور جو کوئی نبی وغیرہ کو اپنا ولی اور شفیع ہونا اعتقاد کرتا ہے تو وہ اور ابوجہل دونوں شرک میں برابر ہیں۔ پہلے بت لات اور سواع اور عزیٰ تھے۔ لیکن پچھلے بت محمد اور علی اور عبدالقادر ہیں جو شخص اپنی حاجت کے وقت یا اللہ نہیں کہتا یا محمد کہتا ہے اگرچہ اس کو ایک بندہ عاجز سب باتوں میں اعتقاد رکھتا ہے تو بھی مشرک ہو جاتا ہے اور تجھ سے اس بات میں ہمارے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ بس ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ محمد ﷺ کی قبر مشاہد اور مساجد اور آثار کی طرف یا کسی دوسرے نبی یا ولی کی طرف سفر کرنا شرک اکبر ہے، فقط۔

پس ناظرین انصاف کی نظر سے دیکھیں کہ کیا اس فرقہ غیر مقلدین وہابیہ مسمی اہلحدیث کے عقائد نہیں۔ کیا یہ باتیں تقویۃ الایمان و صراط مستقیم و اصول زندگی و مترجم قرآن مجید و حیدالزمان و خود رسالہ اہلحدیث شائع اللہ امرتسری میں تحریر نہیں۔ پھر کیا ہم لوگ ان کو عبدالوہاب نجدی کے متبع اور پیرو نہیں کہہ سکتے اور فقیر نے جو کچھ ان کی کتابوں میں بنظر غور و انصاف دیکھا ہے حلفاً کہتا ہے کہ یہ لوگ دائرہ اہلسنت والجماعت سے بلکہ دائرہ اسلام سے بھی خارج سمجھے جا سکتے ہیں اور اس جگہ ان کی کتابوں سے بطور نمونہ چند عبارتیں بعینہٖ نقل کی جاتی ہیں تا کہ ناظرین کو یقین آ جائے، وہو ہذا:

عقیدہ کفریہ نمبر ۱: ان کو اپنا وکیل و سفارشی سمجھنا یہی ان کا کفر و شرک تھا سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی اس کو سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہیں خواہ یہ معاملہ انبیاء و اولیاء سے ہو۔

(تقویۃ الایمان صفحہ ۸ سطر ۱۰ بک مصنفہ مولوی اسماعیل دہلوی)

عقیدہ کفریہ نمبر ۲: جس کا نام محمد اور علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔

(تقویۃ الایمان صفحہ ۲۲ سطر)

عقیدہ کفریہ نمبر ۳: خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ہے۔

(کتاب ایضاً صفحہ)

عقیدہ کفریہ نمبر ۴: اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا، عرش اس کا مکان ہے دونوں قدم کرسی پر رکھے ہیں کرسی اس کے قدم رکھنے کی جگہ ہے اور وحید الزمان نے اس پر یہ لفظ زیادہ کئے ہیں کہ جب وہ کرسی پر قدم رکھتا ہے تو کرسی چرچر کرتی ہے۔

(ظل الاحوی علی العرش اسنوی صفحہ ۳ و ۲۰۰ مصنف صدیق حسن بھوپالی و ترجمہ قرآن وحید الزمان اہلحدیث کے حاشیہ پر)

عقیدہ کفریہ نمبر ۵: پس ہر روز اعادہ ولادت تو مثل ہنود کے ہے کہ سانگ گنیش کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں بلکہ یہ لوگ اس قوم سے بڑھ کر ہوئے یہ مجلس پر اثر اجل معاصی اجتماع ہووے کید شیطان ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ احمد گنگوہی)

عقیدہ کفریہ نمبر ۶: انبیاء واولیا جھوت پری ہر مخلوق چھوتا ہویا بزعم خدا کی شان کے آگے ہمارے بھی ذلیل ہے۔

(القریۃ الانسان)

عقیدہ کفریہ نمبر ۷: ظلمت بغض بہانوق بعض بزنا کے وسواس سے اپنی بی بی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ بُرا ہے۔

(بعض صراط مستقیم مطبوعہ مطبع احمدی لاہور صفحہ ۱۳۳ مصنفہ مولوی محمد اسماعیل شہید)

عقیدہ کفریہ نمبر ۸: اہلحدیث کا مذہب ہے کہ سوائے خدا کے علم غیب کسی مخلوق کو نہیں، نہ ذاتی نہ وہبی نہ کسبی

(رسالہ اہلحدیث صفحہ ۱۱ مصنفہ مولوی عبداللہ امرتسری)

الغرض ان کے فرقہ دیوبندیہ وہابیہ کے اور بھی بہت سے کفریات ان کی کتابوں میں درج ہیں جن کی تردید میں رسالہ الکوکبۃ الشہابیہ و تاریخ وہابیہ دیوبندیہ و فتح المبین وغیرہ بنی ہوئی ہیں اور فقیر بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ہر ایک جلد میں ان کے کفریات سے برادران اہل سنت والجماعت کو آگاہ کرتا رہے گا اور اس جگہ صرف علمائے دین کا فتویٰ جو ایسے لوگوں پر لگا ہو، تمام شریعت تحریر کر دیتا ہے:

"لا شک فی کفر من یعتقد ان علم النبی ﷺ وعلم الشیطان سواء وکذا بقیۃ المسائل الاربع المحررۃ فی ھذا الاعلان سواء کانوا من اھل الدیوبند او غیرھم وانی انصح اخوانی المسلمین جمیع انحاء العالم ان یعتزلوا اصحاب ھذہ عقیدۃ الکفریۃ حفظا اللہ من العقائد الزائفۃ آمین ثم آمین حررہ الفقیر احمد موسیٰ المصری المتوفی امام جامع مسجد کلکتہ"

اس شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں جو یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ نبی ﷺ اور شیطان کا علم دونوں برابر ہیں اور ایسا ہی حال ہے چاروں مسائل مذکورہ کے اعتقاد کرنے کا، ایسے اعتقاد کرنے والے خواہ دیوبندی ہوں یا کسی دوسرے مقام کے ہوں۔ تمام مسلمان بھائیوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان اعتقاد کفریہ سے احتیاط کریں اور بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان گمراہ عقیدوں سے بچائے، آمین ثم آمین۔

کتبہ

الفقیر احمد موسیٰ المصری المنوفی امام مسجد جامع کلکتہ لفظ

سوال: غیر مقلد مؤلف الاحتساب وغیرہ لکھتے ہیں کہ امام اعظم کوئی بجہت حفاظ علم حدیث میں ضعیف تھے اور غیر مقلد عبدالکریم اپنی کتاب الانصاف صفحہ ۲۳ و ۳۵ میں لکھتا ہے کہ امام اعظم و اسماعیل و حماد یہ سب کے سب مرجیہ اور لاعلم تھے صرف سترہ حدیثیں جانتے تھے اور صاحب صحاح ستہ ان سے کئی کروڑ ہا درجہ ہر فن میں زیادہ تھے اگر یہ محدث ہوتے تو ان کا صحاح ستہ میں کہیں ذکر ہوتا بلکہ ان کو امام بخاری و نسائی و خطیب بغدادی ضعیف اور مرجیہ اور فسادی لکھتے ہیں۔ یہ بات کس طرح پر ہے جواب دو؟

جواب: ان لوگوں کے دلوں میں ابتداء سے یہ مرض تعصب چلا آیا ہے اور اس مرض ملعونہ کے علاج کرنے سے بقراط و جالینوس جیسے حکما بھی عاجز ہو چکے ہیں۔ اصل بات یہ ہے:

خدایا مفتری رار و سیاہ کن　　زقہر قہروان خود تباہ کن

میرے صاحبان فقیر نے جلد دوم سلطان الفقہ میں ان تمام اعتراضوں کے جواب مفصل تحریر کر دیے ہیں اور یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ واقعی امام صاحب کا صحاح ستہ میں نام درج ہے لیکن متعصبین نے نکال دیا ہے اور یہاں صرف بطور نمونہ نقشہ تحریر کیا جاتا ہے اور جس قدر محدثین دنیا میں امام صاحب کے زمانہ سے لے کر اب تک گزرے ہیں سب کے سب بواسطہ یا بلاواسطہ امام صاحب کے شاگرد ٹھہرتے ہیں اور اگر امام صاحب ضعیف ہیں تو پھر نزدیک قواعد و اصول محدثین کے سب کے سب ضعیف ہوں گے۔ وہ نقشہ یہ ہے، یاد رکھو:

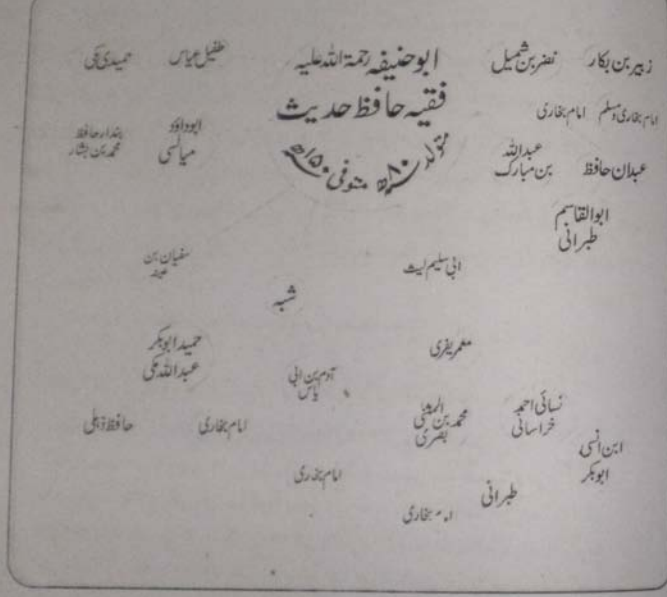
(نقل از کتاب الحقد، صفحہ ۳۳)

نقشہ تلامذہ ابوحنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ

اب حضرات غیر مقلدین کو چاہئے کہ بخاری و مسلم و نسائی و دارقطنی وغیرہ محدثین کی کتابوں کو چھوڑ دیں کیونکہ جب امام صاحب ضعیف فی الحدیث و اصحاب الرائے و بعض الناس محروم و محجوب آپ کے منہ سے کہلائیں تو پھر یہ کتابیں کس

طرح صحیح مانی جائیں کیونکہ ان کتابوں کے مولف جب کہ سب کے سب امام صاحب کے شاگردوں کے شاگرد و قدم بقدم ہو کر چلے آتے ہیں پس جب امام صاحب ضعیف فی الحدیث ہیں تو یہ ضعف تمام محدثین میں سرایت ہو گیا وہ خواہ بخاری و مسلم ہوں نسائی و دار قطنی و بیہقی و ابن ابی شیبہ و طبرانی وغیرہ ہوں۔

ہٹ دھرم تہمت لگانا چھوڑ دے — راستے پر آ خدا کو مان لے



میرے پیارے ناظرین اس فرقہ وہابیہ اہلحدیث سے ہیں۔ یہ فرقہ وہ ہے جس کی خبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

بایں طور فرمائی ہے:

"لعن آخر هذه الامة اولها"

یعنی اسی امت کے پچھلے لوگ پہلے لوگوں کو برا کہیں گے اور فرمایا:

"یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباؤکم فایاکم وایاهم لا یضلونکم ولا یفتنونکم"

یعنی آخر زمانہ میں فریبی اور مکار اور جھوٹے لوگ آئیں گے اور لائیں گے تمہارے پاس حدیثیں کہ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے بھی نہ سنی ہوں گی اور تم اپنے آپ کو ان سے بچاؤ اور ان کو اپنے سے ایسا نہ ہو کہ کہیں تم کو گمراہ کردیں اور فتنہ میں ڈالیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ ائمہ مجتہدین پر ہمیشہ لعن طعن کرتے رہتے ہیں اور تمام فقہاء حنفیہ کو کافر اور مشرک اور بدعتی کہتے رہتے ہیں دیکھو بوے مصلین وظفر المبین وغیرہ اور باقی تفتہ ان شاء اللہ جلد چہارم میں درج کیا جائے گا، فقط۔

سوال: حقہ نوشی مباح ہے یا حرام اور نزدیک حکماء کے اس میں کیا نقصان ہے یا نہیں؟۔

جواب: اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہے بعض نے قطعی حرام لکھا ہے اور بعض نے مکروہ تحریمی اور خادم شریعت کی تحقیق اس میں یہ ہے کہ اس کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہے کیونکہ اس میں نہایت درجہ کا اختلاف ہے چنانچہ اس کی حرمت پر صاحب الغنن نے بہت دلائل لکھے ہیں، وہو ہذا:

"الدخان حرام مطلقاً وعلیه الفتوی ولا یجوز استعماله مطلقاً ..... الخ"

دھواں حرام مطلق ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور اس کا استعمال کرنا بھی مطلقاً ناجائز ہے۔

اور صاحب درمختار کتاب الشربۃ وصاحب غایۃ الاوطار صفحہ ۲۶۸ میں بایں طور لکھا ہے:

"قال شیخنا النجم والذی حدث وکان حدوثه بدمشق سنة خمسة عشر بعد الف یدعی شاربه انه لا یسکر وان سلم له وانه مفتر وهو حرام بحدیث احمد عن ام سلمة قالت نهی رسول الله ﷺ عن کل مسکر و مفتر قال ولیس من الکبائر تناوله المرة والمرتین ومع نهی ولی الامر عنه حرام قطعا علی استعماله ربما اضروا بالبدن نعم الاضرار علیه کبیرة کبائر الصغائر"

کہا ہمارے استاذ نجم شافعی نے کہ تمباکو جو نئی پیدائش ہے اس کی پیدائش دمشق شام میں ایک ہزار پندرہ سال ہجری میں ہوئی ہے اس کے پینے والا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نشہ نہیں لاتا اگر اس کے عدم مسکر کو مان لیا جائے تو البتہ وہ مضر ہے اگرچہ عقل کو

رائی نہیں کرتا مگر حواس کو منکسر وضعیف کرتا ہے اور جو چیز مضر ہے وہ حرام ہے بدلیل اس حدیث کے جو مسند احمد میں "قربت" سے مروی ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ہر مسکر و مضر یعنی نشہ لانے والی اور سست کرنے والی چیز سے لہٰذا مذکور نے مرتبہ کو کا ایک یا دو بار استعمال کرنا گناہ کبیرہ نہیں ہے اور باوجود منع کر دینے سلطان وقت کے وہ یقیناً حرام ہے علاوہ اس کے پے کہ اس کا استعمال اکثر بدن کو ضرر کرتا ہے ہاں اس کو ہمیشہ استعمال کرنا کبیرہ گناہ ہے جیسے باقی صغائر کا دوام کبیرہ ہو جاتا ہے۔

اور شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بایں طور لکھا ہے کہ حقہ کشی کو تین امر لازم ہیں ایک بدبو کا آنا حقہ کش کے منہ سے دوسرے ملابست آتش کی تیسرے دھواں نکلنا منہ سے کہ مشابہ اہل دوزخ ہے۔ ہر چند یہ کراہت تنزیہی کا موجب ہے لیکن باجتماع امور ثلاثہ کراہت تحریمی ثابت ہوتی ہے اور فتاویٰ عبدالحی جلد اول صفحہ ۱۸۰ اور جلد سوم صفحہ ۲۳۲ میں بھی اس کو مکروہ تحریمی لکھا ہے اور حکماء نے بھی اس کو مضر لکھا ہے چنانچہ فتاویٰ جامع الفوائد صفحہ ۴۱۸ میں بایں طور مسطور ہے:

" قال افلاطون لو لا الغبار والطين والدخان لعاش الناس دهراً طويلاً وقال جالينوس اجتوا عن ثلاث الدخان والطين والغبار الخ وقال حكيم ابو علی سينا لو لا الدخان والطين والغبار لعاش ابن ادم الف عام فثبت باجماع الحكماء انه مغبر والمضر حرام - الخ "

بہر صورت فقیر کے نزدیک بھی اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے لقولہ علیہ السلام:

" الحلال بين والحرام بين و بين ذلک مشتبهات لا يعلمهن كثير من الناس فمن اتقى الشبهات "

یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حلال ظاہر ہیں اور حرام بھی ظاہر ہیں اور ان کے درمیان شبہ والی چیزیں ہیں اکثر لوگ ان کو نہیں جانتے پس جو بچ گیا مشتبہات سے پاک ہوا اس کا دین۔

اور حدیث میں ہے کہ:

" دع ما يريبک الى ما لا يريبک "

یعنی فرمایا آپ نے چھوڑ اس چیز کو جو تم کو شک میں ڈالے اور عمل کر اس چیز پر جس میں یقین ہو، شک و شبہ نہ ہو۔

﴿ انّ اكرمكم عند الله اتقكم ﴾

یعنی اللہ کے نزدیک زیادہ پرہیزگار آدمی بہتر ہے۔

﴿ وانّ الله يحبّ المتّقين ﴾

" بر رسولاں بلاغ باشد و بس " باقی ذکر اس کا جلد دوم میں گزر چکا ہے اگر کسی صاحب کو زیادہ دیکھنے کی ضرورت ہو تو فتاویٰ جامع الفوائد و رسالہ النقص کو مطالعہ کرے فقط۔

سوال: مرزا غلام احمد قادیانی کو اگر مجدد زماں نہیں مانا جائے تو بجا ہے یا نہیں؟

جواب: مرزا صاحب مذکور کو ہرگز مجدد زماں نہیں مانا جا سکتا کیونکہ مجدد کے لئے چند شرائط مقرر اور متعین ہیں جن پر کتاب مجالس الابرار مجلس ۸۳ میں بایں طور مسطور ہے کہ مجدد وہ ہو سکتا ہے جس کی لیاقت علمیت و بزرگی کو علماء وقت تسلیم کریں نہ یہ کہ وہ اپنی زبان سے میاں مٹھو طوطا کی طرح مجدد ہونے کا اپنے منہ سے دعویٰ کرے اور کہلائے اور مرزا صاحب میں یہ صفت کہاں دیکھو اس کی عبارت عربی جو یہاں بطور نمونہ مشتے از خروارے تحریر کر دی جاتی ہے جس پر اردو کی لیاقت والے طالب علم بھی اعتراض کرتے ہیں اور ہنسی اڑاتے ہیں اور مرزا صاحب کی چند تصانیف سے کتاب اعجاز المسیح کی چند غلطیاں پیر مہر علی شاہ صاحب نے سیف چشتیائی اور صاحب فیصلہ آسمانی میں بایں طور نقل کر دی ہیں:

"وانی سمیته اعجاز المسیح وقد طبع(۱) فی مطبع ضیاء الاسلام فی سبعین یوماً شهر الصیام و کان من الهجرة ۱۳۱۸ ومن شهر النصاری ۲۰ فروری ۱۹۰۱ء مقام الطبع قادیان ضلع گورد اسپور"

اب ناظرین انصاف فرماویں کیا یہ عبارت صحیح ہے کیا مہینہ رمضان شریف ستر ۷۰ دن کا بھی ہوتا ہے اور امید ہے کہ مرزائی صاحبان اس جگہ بھی کچھ تاویل کر لیں گے حالانکہ یہ تمام عبارت بے ربط اور خلاف محاورہ عرب کے ہے اور غلطی دہ ضلع گورداسپور کی بجائے غور داسفور ہونا چاہیے غلطی سوم باہتمام الحکیم فضل الدین بعد التعریب فضل الدین، غلطی چہارم صفحہ ۲ من کل نوع الجناح، نوع للجناح کیونکہ کل معرفہ پر احاطہ اجزاء کا افادہ دیتا ہے اور وہ یہاں پر مقصود نہیں۔ غلطی صفحہ ۳، کل امرهم علی الفتوی، اس مقام پر کل امرلهم ہونا چاہئے تھا چونکہ کل مجموعی خلاف ہے۔ غلطی صفحہ ۴، فلا یصان له ایضیع ایمانه، دو دفعہ ایمان کے لفظ کا تکرار بے فائدہ اور خلاف محاورۂ عرب ہے۔ غرضیکہ مرزا صاحب نے کہیں تو مقامات تحریری وغیرہ کتب سے عبارتیں چرائی ہیں لفظی اور کہیں معنوی تحریف قرآن مجید واحادیث شریف کی گئی ہے جس کو پیر صاحب موصوف نے اپنی تصنیف سیف چشتیائی میں صفحہ ۷ تا ۸۱ قلمبند کر دیا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ فقیر بھی ہر ایک جلد میں چند اغلاط مرزا غلام احمد قادیانی کے لکھتا رہے گا۔

اور دوسری شرط مجدد کی یہ ہے کہ وہ اپنے ظاہر اور باطن کو مطابق شریعت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے رکھتا ہے اور اقوال و افعال اس کے ہرگز برخلاف شریعت کے نہیں ہوتے اور مرزا صاحب میں یہ ہر دو صفتیں موجود نہ تھیں نہ تو مرزا صاحب نے باوجود استطاعت وفارغ البالی و مرفہ الحالی حج کیا اور نہ ہی پتلی روٹی گیہوں کی کھانے سے تین روز متواتر باز رہے اور نہ ہی فرش چمڑے اور کھجوروں کے پتوں سے بنایا اور نہ ہی مرزا صاحب نے کباب اور زردے اور پلاؤ کھانے سے منہ

(۱) طبع کی ضمیر راجع طرف قصیدہ کے ہے اور قصیدہ مونث ہے لہذا طبعت ہونا چاہئے تھا اور قد طبع فی سبعین یوماً کے بجائے صفت کا لفظ زائد ہونا چاہئے تھا تاکہ معنی صحیح ہو جائے۔ خادم شریعت۔

پھر اور نہ ہی جھوٹے الہام بیان کرنے سے زبان کو روکا اور نہ نبیوں کی توہین کرنے سے قلم بند کیا، اور نہ ہی ۲۲ کروڑ مسلمانوں کی پارٹی پر کفر کا فتویٰ لگانے سے شرم کی اور نہ ہی قرآن مجید اور احادیث شریف اور اجماع امت کے اقوال کی تحریف معنوی کرنے سے قلم کو تھاما۔

تیسری شرط مجدد کی یہ ہے کہ جو بدعت اور بت پرستی اور برے کام لوگوں کے درمیان مروج اور قائم ہو چکے ہوں اور ان کو وہ اپنی ایمانی طاقت اور استقامت اور حوصلہ اور حلیمی سے دور کر دیتا ہے۔ مرزا صاحب نے تو بجائے ان باتوں کے بدعت اور بت پرستی کی بیخ قائم کی چنانچہ اپنی تصویریں بنوا کر ملکوں میں تقسیم کیں، حالانکہ یہ بالکل برخلاف قرآن مجید و احادیث صحیحہ و اجماع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہے اور علاوہ اس کے اپنے آپ کو خدا کہلانا اور آسمان و زمین کے پیدا کرنے پر اپنے آپ کو قادر سمجھنا جیسا کہ کتاب البریہ و حقیقت الوحی و دافع البلاء وغیرہ میں مذکور ہے علاوہ اس کے خود مرزا صاحب کا دعویٰ کرشن جی کا بھی ہے۔ جس کی تعلیم شرک و بدعت سے بھری ہوئی ہے چنانچہ گیتا ترجمہ فیضی سے پوسٹ ماسٹر پیر بخش صاحب نے بایں طور ابیات نقل کئے ہیں:

ابیات

من از ہر سہ عالم جدا گشتہ ام	تہی گشتہ از خود خدا گشتہ ام
منم ہر چہ ہستم خدا از من است	فنا از من است و بقا از من است
باشجار پیپل بدانی مرا !	برگہائے نا رو بدانی مرا
اگر گوش داری چناں میشوی	خدائے شوی و خدائے شوی

تناسخ

همه شکل اعمال بگرفته اند	به تقلیب احوال دل گفته اند
گرفتار زندان آمد شد اند	ز بیدانشی خصم جان خود اند

اب ناظرین مرزا صاحب کے کلمات اور بھی بغور و ہوش دیکھئے اور سنیئے اور انصاف فرمایئے، وہو ہذا:

"میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں۔"

(مرجعہ کتاب البریہ مصنفہ مرزا صاحب صفحہ ۔۔۔ سطر ۔۔۔)

اللہ تعالیٰ میرے وجود میں داخل ہو گیا اور میرا غضب اور حلم اور تلخی و شیرینی اور حرکت اور سکون سب اسی کا ہو گیا اور

اسی حالت میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب وتفریق نہ تھی، پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس کی ترتیب وتفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ اس کے خلق پر قادر ہوں پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا اور ﴿ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ﴾ پھر میں نے کہا، اب ہم انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کریں گے پھر میری حالت کشف سے الہام کی طرف منتقل ہوگئی اور میری زبان پر جاری ہوا:

"اذا اردت ان استخلف فخلقت ادم . انا خلقنا الانسان فی احسن تقویم"

(من عینہ کتاب البریہ صفحہ ۷ سطر ۳ سے ۹ تک)

اور آگے چل کر اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۲ میں جہاں یہ مضمون چھڑا ہوا ہے کہ امام مہدی وعیسیٰ مسیح میں ہوں اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں اور جو لوگ ان کو زندہ ہونا آسمان پر مانتے ہیں وہ جاہل اور احمق اور نادان ہیں قرآن مجید اور احادیث کو غور سے نہیں سمجھتے اور جب ان کو پوچھا جائے کہ اس کے آسمان سے اترنے اور جانے کا کیا ثبوت ہے تو پھر نہ کوئی آیت پیش کر سکتے ہیں اور نہ کوئی حدیث۔(۱)

پناہ بخدا۔ میرے صاحبان دیکھو مرزا صاحب کا کس قدر جھوٹ بولنا ثابت ہے، حالانکہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب فاضل اجل عالم بے بدل مدظلہ العالی لاہور میں خود بحث کرنے کے لئے مع بسیار علمائے دین کے تشریف لائے اور مرزا صاحب بھاگ گئے اور ایسا ہی پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری کے مقابلہ کرنے سے بھاگتے رہے۔ آخر الامر اس کے دعویٰ کی تردید میں کتاب سیف چشتیائی وشمس الہدایت تیار ہوئیں اور اسی طرح ہزار ہا علمائے دین جواب بدلائل قاطعہ اب تک دے رہے ہیں اور خاص کر اب بھی رفیق پیر بخش صاحب پنشنر پوسٹ ماسٹر انجمن تائید الاسلام کی طرف سے مستقل طور پر رسالہ ماہواری نکلتا ہے جس کے جواب دینے میں مرزا صاحب اور مرزا کے پیرو لا نسلم کا سبق پڑھ کر لاجواب ہو گئے اور ان شاء اللہ ہوتے رہیں گے:

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمہ، آفتاب راچہ گناہ

اور اب فقیر بھی مرزا صاحب کے گدی نشینوں اور متبعین کو نوٹس دیتا ہے کہ اگر مرزا صاحب اور آپ لوگ سچے ہیں تو

(۱) خادم شریعت نے ۱۰۰ حدیث اور دس آیتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر بوقت مناظرہ جھوک بوسن علاقہ ملتان میں مناظر وقادیانی کے پیش کیں اور اس کو لاجواب کیا اور اس علاقہ سے ان کا قلع قمع ازادیا اور جدید طبع رسالہ قہر یزدانی بر قلعہ قادیانی کو ملاحظہ کریں جو خادم شریعت کا لکھا ہوا ہے۔　　خادم شریعت

بیس ہزار روپیہ جو مرزا صاحب نے کتاب البریہ کے صفحہ ۱۹۲ میں بطور انعام اس دعویٰ پر ارقام فرمایا ہے۔ براہ مہربانی بصیغہ ملکی آرڈر روانہ فرمایا جائے اور اپنی تحریر مطالب کے مطابق جواب ملاحظہ کریں مطالبہ یہ ہے۔

"اگر اسلامی تمام فرقوں کی حدیث کی کتابیں تلاش کرو تو صحیح تو کیا کوئی ضعیف حدیث بھی ایسی نہ پاؤ گے جس میں لکھا ہو کہ حضرت عیسیٰ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے اور پھر کسی زمانہ میں زمین کی طرف واپس آئیں گے۔ اگر کوئی ایسی حدیث پیش کرے تو ہم ایسے شخص کو بیس ہزار روپیہ تک تاوان دے سکتے ہیں اور توبہ کرنا اور تمام اپنی کتابوں کو جلا دینا اس کے علاوہ ہوگا جس طرح چاہیں تسلی کر لیں۔

(من علیہ الکتاب البریہ)

اور صفحہ ۱۹۳ میں یوں لکھا ہے "کہ جہاں کسی کا واپس آنا بیان کیا جاتا ہے عرب کے فصیح لوگ رجوع بولا کرتے ہیں نہ نزول"۔

(من علیہ)

اب ناظرین نے مرزا صاحب کی عبارت کا مطلب تو سمجھ لیا ہوگا کہ جو بعض حدیثوں میں صرف نزول کا لفظ وارد ہے وہ غیر فصیح ہے۔ یہ لفظ ذی عزت آدمی کی خاطر بھی بولا جاتا ہے اور یہ عام محاورہ ہے نزول من السماء اور رجوع کا کلمہ کسی حدیث وضعی کتاب مذہب اسلامیہ میں بھی اس کا ثبوت نہیں اور اگر کوئی شخص دکھا دے تو اس کو بیس ہزار علاوہ سزا اور تاوان کے دوں گا۔

میرے صاحبان ذرا انصاف سے حدیثوں کو ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کیا ان میں رجوع اور نزول من السماء کا کلمہ ہے یا نہیں، اگر ہے تو میرزائی صاحبان سے تحریر شدہ تاوان لے دیں اور اگر وہ نہ دیں تو سمجھ لو یہ کذاب ہیں اور نہ ہی مرزا صاحب صادق اور مجدد ہو سکتے ہیں اور وہ دلائل یہ ہیں:

حدیث نمبر ۱: "قال الحسن قال رسول اللہ ﷺ لليهود ان عيسى لم يمت وانه راجع اليكم قبل يوم القيامة"

(نقل از تفسیر در منثور و سیف صفحہ ۲۵)

یعنی کہا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے واسطے مخاصمین اہل یہود کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب تک نہیں مرا، وہ تمہاری طرف آنے والا ہے قیامت سے پہلے لو اس حدیث میں رجوع کا لفظ موجود ہے اور حدیث بھی صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۲: "روى اسحق بن بشير وابن عساكر عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ فعند ذلك ينزل اخي عيسى ابن مريم من السماء"

(نقل از کنز العمال)

یعنی کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نزدیک ہے کہ بھیجا جائے عیسیٰ بن مریم آسمان سے نزول فرمائے گا (اس حدیث میں کلمہ من السماء کا موجود ہے)۔

حدیث نمبر ۳: "فانه لم يمت الى الان بل رفعه الله الى هذا السماء روى ابن جرير وابن حاتم عن ربيع قال ان النصارى اتوا النبي ﷺ الى ان قال الستم تعلمون ربنا حي لا يموت وان عيسى يأتي عليه الفناء"

(نقل از صفحہ ۳۲)

یعنی کیا تم لوگوں کو علم نہیں کہ رب ہمارا زندہ ہے۔ اس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور عیسیٰ پر موت آئے گی۔

حدیث نمبر ۴: "عن عبدالله بن سلام قال يدفن عيسى بن مريم مع رسول الله ﷺ وصاحبيه فيكون قبره رابعاً"

(نقل از صفحہ)

یعنی فرمایا کہ دفن ہوں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور ابوبکر و عمر کے اور ان کی قبر چوتھی ہوگی۔

حدیث نمبر ۵: "عن ابي هريرة قال قال رسول الله ﷺ كيف انتم اذا نزل ابن مريم من السماء فيكم وامامكم منكم"

(رواہ بیہقی فی کتاب السماء والصفات)

ناظرین کیا حدیث نمبر اول میں رجوع اور حدیث نمبر ۲ و ۵ میں کلمہ من السماء کا واقعہ ہے یا نہیں۔ اب مہربانی فرما کر میرزائی صاحبان کو لازم ہے کہ ایفائے عہد کریں، یا مرزا صاحب کی اتباع سے توبہ کریں اور علاوہ اس کے مرزا صاحب کے اور بھی کلمات ہیں۔ اصل کو غور سے دیکھیں اور انصاف کریں، کہ کیا یہ مطابق قرآن مجید و احادیث شریف و اجماع مسلمین ائمہ دین مجتہدین و مجددین کے ہیں یا نہیں وہو ہذا:

"انت منی بمنزلة اولادی انت منی وانا منک"

(نقل از کتاب دافع البلاء و معیار اهل الاصطفاء)

"انت منی وانا منک"

حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۶ اور معنی ان کے یوں کئے جاتے ہیں کہ تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ اولاد تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔

ناظرین! کیا مرزا صاحب کا یہ کہنا سچ ہے ہرگز نہیں یہ صریح جھوٹ ہے اور خداوند کریم پر افتراء باندھا ہوا ہے چنانچہ قرآن شریف خود اس کی تردید کرتا ہے:

﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾

﴿لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا الخ﴾

﴿اَلَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا الخ﴾

پس ان تمام مذکورہ بالا آیات بینات سے واضح ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر افترا مانند ہے، یعنی خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے یا خود خدا بنے یا اپنے ہاتھ سے کوئی کتاب لکھ کر کہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے جو میرے منہ سے نکلا ہے، سو وہ ظالم اعظم اور دوزخی ہے۔

اور دیکھو مرزا صاحب نے جو اشتہار بہ نسبت موت لیکھرام ۱۵ مارچ ۱۸۹۷ء صفحہ ۳ کالم ۲ سطر ۳۳، ۳۴ میں دیا تھا لکھا ہے قرآن خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں اور ازالہ اوہام صفحہ ۵۳۳ میں بایں طور لکھا ہے کہ براہین احمدیہ خدا کا کلام ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۳۰۳ میں لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام یوسف نجار (یعنی یوسف ترکھان) کا بیٹا ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۶۲۸ و ۶۲۹ میں لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جھوٹے ہوتے ہیں۔ خدا کی پناہ ایسے مجددوں سے۔

میرے صاحبان انصاف فرمایئے جس آدمی کے یہ الفاظ ہوں کیا وہ آدمی بقانون شریعت حضور ﷺ مسلمان بھی رہ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ ہاں بقول شخصے (سوچو جبھی کھاکے بلی حج کو چلی)۔

الغرض مرزا صاحب کسی صورت میں بھی مجدد نہیں ہو سکتے اور باقی ذکر جلد چہارم میں ملاحظہ کریں۔

واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆

بحث شیعہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں جو ذیل میں درج ہیں:

(۱) آل کے معنی کیا ہیں اور آیت تطہیر میں ازواج نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام داخل ہیں یا خارج، کیونکہ شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی بیبیاں اس سے خارج ہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو بُرے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور اس کو امام نہیں مانتے۔ جواب دیں؟

راقم بہادر شاہ ولد مہر شاہ نھنہ کلیاں ڈاکخانہ حافظ آباد

جواب: اہل بیت کے معنی ہیں گھر کے رہنے والے اور اس کا اطلاق چند معنوں کی طرف مضاف ہوا کرتا ہے۔ کبھی تو اہل قرابت کو اہل بولتے ہیں، یعنی وہ اقربا، آپ کی ذات ﷺ کے جن کو مال زکوٰۃ لینا حرام ہے جیسے آل نبی ہاشم، آل حضرت عباس، آل علی رضی اللہ عنہ، آل جعفر رضی اللہ عنہ اور کبھی اس کا اطلاق آل وعیال پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی آپ کی ازواج مطہرات واولاد اور بیت بھی تین قسم ہوتے ہیں۔ بیت نسب و بیت سکنی مثل ازواج مطہرات اور بیت ولادت مثل حضرت خاتون جنت وحسنین علیہم السلام۔

جواب سوال نمبر دوم: اہل بیت کو تطہیر سے یعنی ازواج مطہرات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خارج کرنا اور سمجھنا نہایت برا ہے کیونکہ سیاق وسباق آیت شریف اسی بات پر شاہد ہے چنانچہ تفسیر معالم التنزیل جلد سوم میں آیت تطہیر کے ذیل میں لکھا ہے:

" واراد باهل البيت نسآء النبی ﷺ لانهن فی بيته وهو رواية سعيد بن جبير عن بن عباس رضی الله عنهم "

یعنی خداوند کریم نے اپنے حبیب کی بیبیوں کا ارادہ کیا ہے کیونکہ اس کے گھر میں ہیں اور یہ راوی بہت معتمد ہے۔

" وعن ام سلمة رضی الله عنها قالت فی بيتی نزلت انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت الآية ، قالت فارسل رسول الله ﷺ الی فاطمة وعلی والحسن والحسين فقال هؤلاء اهل بيتی قالت فقلت يارسول الله ﷺ اما انا من اهل البيت قال نعم "

یعنی کہا مائی ام سلمہ زوجہ مخبر صادق ﷺ نے کہ آیت تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی پھر آپ نے حضرت علی اور فاطمہ اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضوان اللہ علیہم کو طلب فرما کر فرمایا یہ میرے اہل بیت ہیں اور بطور استفہام کے میں نے عرض کیا کہ میں اہل بیت سے نہیں ہوں فرمایا آپ نے ہاں۔

ایسا ہی تفسیر کشاف و مدارک و تفسیر کبیر میں ہے اور صاحب تفسیر بیضاوی نے جلد دوم میں بایں طور لکھا ہے:

" وتخصيص اهل الشيعة ان اهل البيت على وفاطمة وابناهما وهذا التخصيص لا يناسب ما قبل الآيات وما بعدها "

یعنی تخصیص جو شیعہ لوگ کرتے ہیں کہ اہل بیت صرف چار حضرات ہیں سو یہ ان کا کہنا غیر مناسب اور قواعد کے برخلاف ہے کیونکہ ماقبل اور مابعد آیت شریف کے ازواج مطہرات کا ذکر ہے اور درمیان جملہ سے بیبیوں کا نکال دینا کون سا قاعدہ ہے۔

اور ترمذی شریف جلد دوم ابواب التفسیر میں حدیث عمر بن ابی سلمہ سے باسناد صحیح بایں معنی مذکور ہے کہ عمر بن ابی سلمہ کہتا ہے کہ آپ کی ذات پر یہ آیت تطہیر ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی پھر آپ نے چار شرفاء کو بلا کر چادر کے نیچے کیا اور ان کے لئے دعا مانگی اور علاوہ اس کے خود قرآن مجید اس بات پر شاہد ہے، دیکھو سورۂ ہود میں:

﴿ رَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهُ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴾

سبحان اللہ جب یہاں اہل بیت سے مراد حضرت خلیل کی بیوی سارہ ہے تو آپ کی بیبیوں کو کس قانون سے اہل بیت سے خارج سمجھا جا سکتا ہے، ہرگز نہیں۔ یہ محض اہل شیعہ کا تعصب اور عناد ہے ورنہ کیوں آیت تطہیر سے نکالتے کیا بوقت نزول آیت ازواج موجود نہ تھیں یا آپ کے گھر میں نہ رہتی تھی جواب دیں۔

اور جو حدیث زید بن ارقم سے صحیح مسلم وغیرہ کتب میں موجود ہے اس کے جواب علمائے دین و محققین نے کئی طرح سے دیے ہیں اول تو زید بن ارقم مجتہد نہیں اور دوسرا نہ ہی کوئی فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا ہے اور تیسرا یہ صرف اپنی رائے بیان کی ہے جو اکثر مفسرین مجتہدین و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بالکل برخلاف ہے اور صاحب تفسیر حسینی کی تحریر اخیر کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہئے، پس ان تمام دلائل قاطعہ سے یہ ثابت ہوا کہ آیت تطہیر کا نزول دربارہ حق ازواج مطہرات خصوصاً ہے اور دربارۂ اولاد ہر چہار معصوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عموماً اور نص جلی بھی اسی پر شاہد ہے اور باقی اس میں اگر کسی صاحب کو شک ہو تو مرد میدان ہو کر آئے اور بیان کرے یا دلائل تحریر کرے فقیر بھی ان شاء اللہ تعالیٰ بہر حال جواب دینے پر تیار ہے۔

جواب سوال سوم: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نہایت درجہ کے متقی اور صاحب ورع تھے جن کے حق میں بڑے بڑے علمائے دین نے قصائد و مناقب لکھے ہیں اور ان کے ذریعہ تمام بلاد روشن ہوئے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ و عبداللہ بن مبارک سے چند ابیات بطور نمونہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

ابیات

لقد زان البلاد ومن علیها	امام المسلمین ابوحنیفه
با حکام واثارِ وفقهٖ	کایات الزبور علی الصحیفة
امام صار فی الاسلام نوراً	امینا للرسول وللخلیفه
فما فی المشرقین له نظیر	ولا فی المغربین ولا بکوفه
بان الناس فی فقهٖ عیالٌ	علی فقه الامام ابی حنیفه
فلعنة ربنا اعداد رملٍ	علی من رد قول ابی حنیفه

یعنی ایک روز کا ذکر ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں میں بیٹھے تھے کہ امام صاحب کا ذکر مبارک آ گیا سو اصحاب نے امام صاحب کے مناقب پوچھے، سو ان کے شان میں مذکورہ بالا ابیات بیان کئے اور ان کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

یعنی بے شک زینت دے دی شہروں کو اور جو اس پر ہیں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اور آیات اور احادیث و فقہ اسلام میں نائب اور امین رسول اللہ ﷺ کے ہیں اور ان کی برابری کا کوئی آدمی مشرقین اور مغربین میں نہیں ہے اور علم فقہ میں لوگ ان کے اہل و عیال ہیں۔ پس ہمارے رب کی لعنت بعدد ذرات ریت اس شخص پر ہو جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو رد کرے۔

بر بلنداں سخن بسونے خود است　　تف بسونے فلک بروئے خود است

ناظرین! یہ لوگ کچھ ایسے عقل کے اندھے ہیں کہ جان بوجھ کر خواہ مخواہ ہم لوگوں کو ستاتے ہیں اور اپنی کتابوں کو نہیں دیکھتے ہیں تا کہ ان کو خود پتہ لگ جائے اور معلوم ہو جائے کہ ان بزرگوں کی کیا شان تھی اور ہم کیا بک رہے ہیں۔ لو صاحب فقیر یہاں پر مختصر طور پر کچھ فضائل ان کی کتابوں سے ہی تحریر کر دیتا ہے وہو ہذا:

شیعہ محاسن برقی صاحب نے امام جعفر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ فرمایا امام موصوف نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں کہ:

"من بیینم ترا کہ تو زندہ خواہی کرد سنت جد را بعد متروک شدن آں وہدایت خواہی کرد مردم را خدا مددگار تو باد"

روی ابوالمحاسن بن علی باسناد " عن ابی البختری قال دخل ابوحنیفة علی ابی عبدالله

علیہ السلام فلما نظر الیہ الصادق قال کان النظر الیک وانت تحیی سنت جدی "۔

(نقل از شرح تجرید ابن مطہر و عمدۃ القاری)

یعنی جب کہ داخل ہوئے ابوحنیفہ حضرت جعفر صادق علیہ السلام پر جب نگاہ کی امام نے طرف اس کی فرمایا میں تجھ کو ایسا دیکھتا ہوں کہ گویا میرے جد کی سنت کو زندہ کرے گا بعد مٹ جانے اس کے اور ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ بن موسیٰ رضی اللہ عنہ بادشاہ منصور کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو وہاں سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا بھی گزر ہوا موسیٰ نے امام صاحب کو دیکھ کر باشاہ سے کہا" ھذا العالم الدنیا الیوم" اور کتاب حقائق الحق بحث خامس مطلب ثانی میں لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ امام جعفر رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور کتاب شیعہ منہج المکرمۃ نہج الحق سے بدالدینی نے نقل کیا ہے کہ سند فتویٰ کی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد باقر وزید شہید وامام جعفر علیہ السلام سے حاصل کی۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خانہ کعبہ میں بیٹھے تھے اور لوگ ان کے چاروں طرف جمع تھے اور مسائل پوچھ رہے تھے اور آپ ہر ایک کو جواب بالصواب دے رہے تھے کہ اچانک آپ کے سر پر امام جعفر صادق علیہ السلام آ کھڑے ہوئے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جب دیکھا تو کھڑے ہو کر کہا یا ابن رسول اللہ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں آپ سے پہلے آپ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا تا کہ نہ دیکھتا اللہ تعالیٰ مجھ کو بیٹھا ہوا اور آپ کھڑے رہیں اور کہا امام جعفر رضی اللہ عنہ نے کہ بیٹھ اے ابوحنیفہ، لوگوں کو جواب دو، کیونکہ میں نے دیکھا ہے اس شغل میں اپنے باپوں کو۔

(نقل از تکملہ اظہار الہدیٰ صفحہ ۲۳۵)

پس اب اہل شیعہ کو آب شرم میں ڈوب مرنا چاہئے اور آئندہ کسی بزرگ پر لعن طعن کرنے کے لئے زبان دراز نہیں ہونا چاہئے اور باقی ذکر فضائل امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ان شاء اللہ جلد چہارم میں ہوگا۔

سوال : متعہ کرنا جائز ہے یا حرام شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ کتب فریقین میں اس کا ثبوت ہے۔ اس کا جواب کتب شیعہ سے دو؟

جواب : متعہ کرنا ہر دو کتب فریقین میں لکھا ہے کہ حرام ہے۔ یہ صرف ان کے مطالعہ کا قصور ہے اور دل میں فرقہ وہابیہ کی طرح رائی بھر انصاف نہیں، دیکھو کتاب " معتبر شیعہ من لایحضر الفقیہ (کتاب النکاح باب المتعۃ)" سے صاحب اظہار الہدیٰ نے صفحہ ۲۳۴ میں بایں طور حدیث نقل کی ہے:

" عن ابی عبداللہ سئل فی الرجل یتزوج باکرۃ متعۃ قال الباکرۃ العب الی اھلہا "

نوٹ: شیعوں کے امام زماں علامہ حائری لاہوری نے اپنے فتاویٰ جلد ہفتم صفحہ ۲۸ میں صاف تحریر کر دیا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے پس پھر ہم لوگوں ان کی اتباع کرتے کیا عیب ہے۔ خادم شریعت

یعنی باکرہ سے متعہ کرنا خاندان اس کے کو بٹہ لگانا ہے اور ایسا ہی کتاب شیعہ استبصار باب تحلیل المتعہ میں لکھا ہے کہ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہ حرام کیا رسول خدا ﷺ نے گوشت گھر کے گدھے و نکاح متعہ کو اور کتاب شیعہ محاسن برقی میں بایں طور لکھا ہے:

"قال لابن عباس انک رجل تائه ان رسول الله ﷺ نهى عن المتعة"

یعنی فرمایا امیر المومنین نے واسطے ابن عباس کے کہ تحقیق تو مرد عیاش ہے بے شک حضور علیہ السلام نے منع کر دیا متعہ سے اور قرآن مجید بھی اس پر شاہد ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ الخ ﴾

یعنی جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیبیوں یا وہ جو ملکیت میں ہے ان کی اگر ان کے سوا کسی سے صحبت کریں تو وہ لوگ حد سے گزرنے والے ہیں۔ پس اب شیعان پاک کو چاہئے کہ اس آیت کو ناسخ فما استمتعتم کا تصور کریں اور یہ بھی سوچیں کہ متعہ حکم نکاح کا کس طرح رکھ سکتا ہے اور حفاظت شرمگاہ اس میں کس طرح ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ زنا ہے نکاح نہیں نکاح کی چند شرطیں ذیل میں درج ہیں جو متعہ میں ہرگز نہیں پائی جاتیں۔

اول: منکوحہ عورت سے جو اولاد ہوتی ہے وہ وارث ترکہ ہوتی ہے۔

دوم: منکوحہ مطلقہ کو تین حیض عدت گذارنی پڑتی ہے۔

سوم: منکوحہ پر لعان و ظہار و ایلاء و طلاق واقع ہو سکتی ہے۔

چہارم: منکوحہ ایک مرد سے زیادہ شوہر نہیں رکھ سکتی۔

پنجم: منکوحہ پر زوج کے حقوق و حفاظت مال لازم ہوتی ہے اور اسی طرح مرد پر زوجہ کے حقوق ہوتے ہیں۔

غرضیکہ نکاح میں بہت شرائط قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں اور متعہ اور زنا میں رائی بھر فرق نہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا مفصل ذکر جلد چہارم میں تحریر کیا جائے گا، فقط۔

﴿چند سوالات ایک مرزائی کے مع جوابات﴾

ایک دن کا ذکر ہے کہ فقیر مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۱۹ء کو علاقہ لائلپور موضع میتر انوالی میں اپنے رفیقوں کے ملنے کی خاطر گیا اور رفیقوں میں سے ایک رفیق مسمی عبدالحکیم عطار نے مفصلہ ذیل اعتراضات تحریر شدہ فقیر کے سامنے پیش کر دیے اور کہا یہ تمام اعتراض ایک مرزائی نے بندہ کی طرف تحریر کیے ہیں اور کہتا ہے کہ ان اعتراضوں کے جوابات اب تک کسی حنفی یا شیعہ یا اہل حدیث نے نہیں دیے اور نہ دے سکتے ہیں، لہٰذا عرض ہے کہ آپ مہربانی فرما کر ان اعتراضوں کے جوابات تحریر فرمائیں

اور امید قوی ہے کہ آپ ان کے اعتراضوں کے جوابات باصواب دندان شکن دے سکتے ہیں کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم ظاہری اور باطنی بذریعہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ بے حساب عطا کیا ہوا ہے اور وہ اعتراضات تحریر شدہ یہ ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چند سوالات بخدمت علمائے حنفیہ واہل حدیث واہل تشیع ومشائخ صوفیہ:

سوال نمبر ۱: اللہ تعالیٰ نے مسیح کی پیدائش کی خبر اس کی والدہ کو دی اور محمد ﷺ کی پیدائش کی بشارت ان کی والدہ کو نہیں دی، پس افضل کون ہوا؟

سوال نمبر ۲: مسیح کی والدہ کی نسبت فرمایا کہ وہ صدیقہ ہے۔ مگر محمد ﷺ کی والدہ کو صدیقہ نہیں فرمایا پس افضل کون ہوا؟

سوال نمبر ۳: مسیح کی ولادت خرق عادت سے ہوئی اور محمد ﷺ کی پیدائش خرق عادت سے نہیں ہوئی پس افضل کون ہوا؟

سوال نمبر ۴: مسیح کا جسم عنصری زمین سے آسمان پر اٹھایا جانا ثابت ہے مگر محمد ﷺ کا اٹھایا جانا ثابت نہیں پس افضل کون ہوا؟

سوال نمبر ۵: مسیح کا بغیر خورد ونوش آسمان پر رہنا اور محمد ﷺ کا ایسا نہ ہونا، پس افضل کون ہوا؟

سوال نمبر ۶، ۷: مسیح نے مردے زندہ کئے اور محمد ﷺ نے کوئی مردہ زندہ نہیں کیا، پس افضل کون ہوا؟

سوال نمبر ۸: مسیح نے اندھوں کو بینا بنایا اور محمد رسول اللہ ﷺ نے کوئی اندھا بینا نہیں بنایا، پس افضل کون ہوا

سوال نمبر ۹: مسیح لوگوں کو بتایا کرتے تھے کہ فلاں چیز کھاتے ہو اور اس قدر گھر میں جمع رکھتے ہو۔ مگر محمد ﷺ نے ایسا نہیں بتایا پس افضل کون ہوا؟

سوال نمبر ۱۰: محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واستغفر لذنبک" اور فرمایا "ووجدک ضالاً فھدی" اور مسیح کو فرمایا "وجیھا فی الدنیا والآخرۃ" پس افضل کون ہوا؟

سوال نمبر ۱۱: مسیح اب تک زندہ ہے اور محمد ﷺ فوت ہو گئے پس افضل کون ہوا؟

سوال نمبر ۱۲: مسیح کے مرنے کا ذکر قرآن شریف میں نہیں اور محمد ﷺ مرے پس افضل کون ہوا؟

سوال نمبر ۱۳: مسیح لوگوں کو ہدایت کے لئے دوبارہ اتریں گے محمد ﷺ نہیں آئیں گے پس افضل کون ہوا؟

سوال نمبر ۱۴: مسیح دجال کے لئے اترے گا اور دجال کو پامال کرے گا اور صلیب توڑے گا اور محمد ﷺ نہ دجال کے لئے آویں گے نہ دجال پامال کریں گے نہ صلیب کو توڑیں گے پس افضل کون ہوا، ثبوت قرآن مجید سے دیا جائے؟

بقلم اللہ داد احمدی

نوٹ: ان تمام اعتراضوں کے جواب تحریر کرنے کے واسطے اس جلد میں گنجائش نہیں رہی، صرف تھوڑا سا بیان نمبر اول و دوم کے بارہ میں تحریر کیا جاتا ہے، جو مفصلہ ذیل ہے اور باقی سوالوں کے جوابات ان شاء اللہ تعالیٰ جلد چہارم و پنجم میں حسب استعداد فقیر تحریر ہوں گے۔

جواب: سوال اول و دوم میں لکھا ہے رسول اللہ ﷺ کی والدہ کو آپ کی پیدائش کی بشارت نہیں دی گئی اور نہ ہی ان کی والدہ کو صدیقہ کہا گیا ہے اور مسیح کی والدہ کو بشارت بھی دی گئی اور صدیقہ بھی کہا گیا لہذا کون شان میں افضل ہے۔

افسوس اب تک معترض کو معلوم نہیں ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان مبارک باتفاق جمیع المسلمین تمام انبیاء علیہم السلام پر کئی وجوہات سے زیادہ ہے اور فقیر ان شاء اللہ جلد چہارم میں نقشہ بنا کر دکھادے گا اور یہ جو معترض کے دل میں خیال گزر رہا ہے کہ جس کی والدہ کو پیشگی بشارت دی گئی اس کی شان زیادہ ہے اس کی نسبت انصاف فرمایئے کہ جس شخص کی نسبت بشارت روز میثاق سے لے کر آدم علیہ السلام تک اور آدم علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے ظاہر ہوئی اس کا شان زیادہ ہوگیا جس کی بشارت صرف ایک عورت کو دی جائے، یعنی ایک شخص کی نسبت ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو بشارت دی گئی ہو اور دوسرے شخص کی نسبت صرف ایک عورت مفیفہ کو بشارت ملی ہو اب بتایئے کہ کس کی عزت و منزلت عنداللہ زیادہ ہوگی ان دلائل قاطعہ کے ثبوت دو تین آیات بھی تحریر کی جاتی ہیں تا کہ ناظرین کو یقین آجائے، وہو ہذا:

﴿ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ ﴾

یعنی جس وقت اللہ نے لیا خداوند کریم نے پیغمبروں سے کہ جو وقت دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر جب آئے تمہارے پاس سچا کرنے والا اس چیز کا جو پاس تمہارے ہے ضرور اس کے ساتھ ایمان لاؤ اور ضرور مدد دینا الخ۔ تب تمام ارواح انبیاء نے اس پر اقرار کیا اور اس کی تائید پر یہ آیت ہے:

﴿ ومن نوح و ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ ابن مریم واذ اخذنا منھم میثاقا غلیظا ﴾

یعنی جب ہم نے نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ بن مریم سے پکا اقرار لیا اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا تو انہوں نے بھی خود اپنی قوم کو بشارت دی اور کہا:

﴿ واذ قال عیسی ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد ﴾

اور ایسا ہی انجیل میں ہے چنانچہ استثناء کی کتاب باب ۵ سے ۱۸ تک مذکور ہے۔ غرضیکہ عرب کے تمام مذاہب کے مردوں اور عورتوں کو پہلے سے آپ کی تشریف آوری کی خبر کتابوں سے ظاہر ہو چکی تھی یہاں تک کہ بوقت مصیبت حضور کی ذات کا وسیلہ پکڑتے تھے اور یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ خاندان اسمٰعیل سے پشت بہ پشت نبی آخر الزمان نسب ہاشمی سے ہوں گے چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وتقلبک فی الساجدین ﴾ یعنی اے میرے حبیب تو نمازیوں میں پھرتا چلا آیا ہے۔ اس آیت شریف سے ثابت ہوا کہ آپ کا خاندان آدم علیہ السلام سے لے کر جہاں تک آپ نے نکاح کیا ہے، وہ سب کے سب صادقین و موحدین ہوئے اور مائی مریم پر جب مخالفین نے الزام زنا وغیرہ لگایا تو خداوند کریم نے ان کی برئت بیان کی اور کہا کہ تم لوگ جھوٹے ہو۔ وہ عفیفہ اور صادقہ ہے اور مائی آمنہ رضی اللہ عنہا پر تو کسی فرد نے کسی قسم کا الزام نہیں لگایا، تو پھر خداوند کریم کو کیا ضرورت تھی کہ خواہ مخواہ ایک بے ضرورت قصہ بیان کرتا اور بشارتیں دیتا باقی بیان ان شاء اللہ تعالیٰ جلد چہارم و پنجم وغیرہا میں کیا جائے گا فقط۔

" والسلام علی من اتبع الھدی "

☆☆☆☆☆

﴿خُطْبَةُ الْجُمُعَةِ﴾

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لمن قدر خيراً وخيالا — والشكر لمن صور حسنا وجمالا
فرد صمدٌ عن الخلق صفة بريئة — رب ازلی خلق الخلق كمالا
لاشبه ولا مثل ولا كفو لمولی — لا ولد ولا والد لا عم وخالا
لاضد ولا ند ولا حد لربي — الان كما كان ولم يلق زوالا
لا مثل لمن صور مثلا ونظيرا — من قال سوی ذلک قد قال محالا
لا قبل ولا بعد ولا وقت زمانا — لا مانع لا حاجب لله تعالا
الاول والاخر والظاهر حقا — والباطن مولا ی ولا قيل وقالا
اشهد بالله هو الواحد حقا — اشهد بالاحمد لله تعالی
فاصل علی الفضل رسلٍ ونبی — فی كل صباحٍ و مساءٍ وزوالا
يا قوم لنا التوبة ليلا ونهارا — والطاعة لله تقدس وتعالی
ان شئت من الخوف امانا وسلاما — لاتهو بما حرمه الله تعالی
ان شئت من النار نجاتاً وفلاحا — فاعبده يقينا بعدوٍ واصالا
طوبی لمصلٍ بصفاءٍ وبصدقٍ — قد يحصله القرب من الله تعالی
طوبی لمصلٍ بخضوعٍ وخشوعٍ — من خشع فقد نال من الله منالا
هيهات لمن ضيع عمرا بهواء — فسقا وفجورا و فسادا وخيالا
هيهات لمن يرغب عن ذكر اله — قد يجمع للنفس عذابا وبلا
يا رب فبارک للمصلين جميعا — علما وبيانا وجمالا وكمالا

کہو صل علی سیدنا احمد مرسل — پہنچے شب معراج کو جو عرش سے بالا
ہوتا نہ اگر وہ نہ ہوتا کوئی موجود — نور اس کے سے پیدا ہوئے سب ادنیٰ و اعلیٰ
بعد اس کے ابوبکر پہ رحمت ہو خدا کی — تھا جان سے اور مال سے جو عاشق والا
بعد اس کے عمر پر کہ وہ تھا شمع فروزاں — گھر دین آنے سے ہوا جس سے اجالا
عثمان پہ بعد اس کے کہ تھا جامع قرآن — جو علم وحیا جود کا تھا لو لوے لالا
بعد اس کے علی پر کہ وہ تھا حیدر کرار — خیبر کو کیا فتح بیک آن لے بھالا
اور خیر نساء فاطمہ زہرا پہ ہو رحمت — جس گوہر عفت کو پیغمبر نے تھا پالا
بعد ان کے حسن اور حسین آل نبی پر — صلوٰۃ خداوند تواتر و توالا
حمین شریفین جو حمزہ و عباس — رحم الله عليهم رضی الله تعالیٰ
يا رب فبارک للمصلين جميعا — علما وبيانا وجمالا وكمالا

بارک الله لنا ولکم فی القرآن العظیم ونفعنا وایاکم بالایات والذکر الحکیم انه تعالی جواد کریم ملک برؤف الرحیم "

" جلسه کند و باز استیتاده خطبه ثانی بخواند "

" الحمد لله نحمده ونستعینه ونستغفره ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یهده الله فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له ونشهد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدا عبده ورسوله وصلی الله تعالیٰ علیه وعلی اله واصحابه واحبابه وبارک وسلم ☆ اللهم اغفر لجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منهم و الاموات برحمتک یا ارحم الراحمین ☆ اللهم انصر من نصر دین محمد صلی الله علیه وسلم واجلعنا منهم واخذل من اعرض عن دین محمد صلی الله علیه وسلم ولا تجعلنا منهم عباد الله رحمکم الله ان الله یامر بالعدل والاحسان وایتآء ذی القربی وینهی عن الفحشآء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون ☆ واذکرو الله یذکرکم وادعوه یستجب لکم ولذکر الله تعالیٰ اعلی واولیٰ واعزو واجل واتم واهم و اعظم واکبر -

تمّت

☆☆☆☆☆☆

حصہ ہفتم

از فتاویٰ:

مناظر اسلام علامہ مولانا حضرت نظام الدین صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سوال: وتر میں کتنی رکعتیں ہیں اور اس میں کتنے سلام ہیں؟

جواب: وتروں کی نماز تین رکعت ہیں اور تیسری رکعت تشہد کے بعد سلام ہے چنانچہ حاکم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث بیان کی ہے اور یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر ہے، وہو ہذا:

"قالت کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلث لا یسلم الا فی اخرھن"

(نقل از فتح القدیر باب الوتر)

فرمایا مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہ آپ ﷺ تین رکعت وتر کی نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ سلام پھیرتے تھے مگر اس کے آخر میں اور ایسا ہی نسائی میں ہے کہ آپ دو رکعت وتر میں سلام نہ پھیرا کرتے تھے۔ ابوداؤد و ترمذی و طحاوی و ابن ماجہ و فتح القدیر باب الوتر میں بایں طور حدیث صحیح مذکور ہے کہ آپ تین رکعت وتر پڑھتے تھے، پہلی رکعت میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور تیسری رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ معوذتین پڑھتے اور تیسری رکعت پر سلام پھیرتے تھے اور موطا میں عطاء بن یسار سے نیز حدیث بایں طور مذکور ہے:

"قال ابن عباس الوتر کصلوۃ المغرب"

یعنی کہا عطاء نے کہ فرمایا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہ نماز وتروں کی مثل نماز مغرب کے ہے اور اجماع مسلمانوں کا بھی اسی پر ہے کہ وتروں کی نماز تین رکعت ہے، وہو ہذا:

"حدثنا حفص حدثنا عمرو عن الحسن قال اجتمع المسلمون علی ان الوتر ثلث لا یسلم الا فی اخرھن"

نوٹ: وتروں کی دوسری رکعت میں آپ کی ذات تشہد بیٹھا کرتے تھے چنانچہ کتاب مجمع الزوائد صفحہ ۱۹۸ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: "ان رسول اللہ علیہ وسلم کان لا یزید فی الرکعتین علی التشھد رواہ ابویعلی و مسلم ص ۱۹۳ فی کل رکعتین التحیۃ الحدیث" فقط

خادم شریعت غفی اللہ عنہ ۱۲

حسن بصری سے روایت ہے کہ اجماع مسلمانوں کا اس بات پر ہے کہ نماز وتروں کی تین رکعتیں ہے اور نہ سلام پھیرا جائے مگر آخر رکعت میں:

(نقل از فتح المبین صفحہ ۱۳۲ و خلاصۃ و تنویر)

اور کہا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے: "الوتر ثلث کالمغرب ـــــ الخ" یعنی وتر تین رکعت ہے مثل نماز مغرب کے:

(نقل از فتح المبین صفحہ ۱۳۲)

باقی ذکر اس کا اول جلد میں سے مطالعہ کریں، فقط۔

سوال: نماز فجر میں دعا قنوت پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: برائے دفع کسی حادثہ و محاربہ کے مستحب ہے ورنہ اس کے پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ کی ذات بابرکات نے بھی صرف ایک ماہ برائے دفع شرارت مخالفین یہ دعا پڑھی اور بددعا کی، وہو ہذا۔

" عن عبدالله بن مسعودٍ رضی الله عنه قال لم يقنت رسول الله ﷺ فی الفجر قط الا شهراً واحداً لانه حارب حياً من المشركين يدعوا عليهم "

(نقل از فتح القدیر باب الوتر)

یعنی آپ کی ذات نے نہیں دعا قنوت کو پڑھا کبھی نماز فجر میں مگر ایک ماہ تک اس واسطے کہ آپ محارب ایک قبیلہ مشرکین کے ساتھ تھے۔ دعا قنوت کو پڑھا اور دعاء کی ان پر فقط۔

سوال: نماز قصر یعنی چار رکعتوں کی بجائے دو رکعتوں کا پڑھنا کتنے میلوں پر حکم ہے جواب احادیث صحیحہ سے دو؟

جواب: سفر کی تعداد میں اختلاف ہے لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح تر مذہب یہ ہے کہ تین یوم کی مسافت گھر سے ہو تو نماز کو قصر کرے چنانچہ حدیث موطا امام محمد و معانی الآثار میں ہے:

" اخبرنا مالک حدثنا نافع انه کان یسافر مع ابن عمر البرید فلا یقصر الصلوة قال محمد اذا خرج المسافر اتم الصلوة الا ان یرید مسیرة ثلثة ایام کوامل یسیر الابل و مشی الاقدام فاذا اراد ذلک قصر الصلوة حین یخرج من مصره و یجعل البیوت خلف ظهره وهو قول ابی حنیفة رحمه الله علیه "

روایت ہے نافع سے کہ وہ سفر کرتے تھے حضرت عبداللہ کے ساتھ ایک برید تک تو نماز کو قصر نہیں کرتے تھے۔ برید ایک پڑاؤ کو بولتے ہیں جو کہ ۱۲ میل سے زائد نہ ہو اور کہا امام محمد نے کہ جب مسافر گھر سے نکلے تو قصر نہ کرے مگر جبکہ تین دن کے سفر کا ارادہ رکھتا ہو اور اتنی مسافت ہو کہ اونٹ لادا ہوا ہو اور اس کے ساتھ آدمی آرام سے چل کر تین یوم میں پہنچ جائے

جس کی مسافت کا اندازہ ۳۶ میل کا ہوتا ہے اور قصر کرے جب کہ نکلے گھر سے پیٹھ دے اس کو اور یہی قول ہے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور نافع سے روایت ہے:

"ان عبداللہ بن عمر کان اذا خرج الی خیبر قصر الصلوۃ"

یعنی جب نکلتے عبداللہ بن عمر طرف خیبر کے جو ۹۶ میل ہے تو نماز کو قصر کرتے اور ایک حدیث میں اس طرح ہے کہ فرمایا آپ نے کہ مقیم مسح کرے موزوں پر ایک دن اور ایک رات اور مسافر تین دن اور تین رات اور یہی حدیث مذہب حنفی کی حجت ہے اور اگر کسی شخص نے سفر میں پندرہ یوم کسی جگہ مقام کرنا ہو تو نماز قصر نہ کرے بلکہ پوری پڑھے اور اگر اس سے کم رہنا ہو تو قصر کر کے پڑھے یعنی دو رکعتیں فرض پڑھے چنانچہ کتاب الآثار امام محمد صفحہ ۱۳۹ اور صاحب طحاوی نے ذکر کیا ہے۔ وہو ہذا:

"حدثنا ابو حنیفۃ حدثنا موسی بن مسلم عن مجاھد عن عبداللہ بن عمر قال اذا کنت مسافرا فوطنت نفسک علی الاقامۃ خمسۃ عشر یوماً فاتم الصلوۃ وان کنت لا تدری فاقصر الخ"

یعنی جب آئے تو کسی شہر میں اطمینان سے اور تو مسافر ہو اور نیت کرے تو پندرہ یوم اور رات رہنے کی تو پورا کر نماز کو اگر نہیں جانتا تو کہ کب جائے گا تو قصر کر اس کو:

اذا قدمت بلدۃ وانت مسافر و نیۃ مقامک ان کنت تقیم خمسۃ عشر یوما و لیلۃ فاکمل الصلوۃ بھا وان کنت لا تدری متی تظعن فاقصر ھا الخ"

اور علاوہ اس کے کہا امام ابی شیبہ نے کہ اگر کوئی نہ جانے کہ کب یہاں سے روانہ ہوں گا وہ نماز میں قصر ہی کرے اگرچہ گزر جائے اس پر ایک سال اور جب مسافر مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے تو چار رکعت ہی پڑھے لیکن نیت چار کی نہ کرے اور موطا امام محمد صفحہ ۷۸ میں ہے:

"اخبرنا مالک اخبرنا نافع عن ابن عمر انہ اذا کان یصلی مع الامام بمنی یصلی اربعاً واذا صلی لنفسہ صلی رکعتین قال محمد و بھذا ناخذ اذا کان الامام مقیما والرجل مسافرا وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی علیہ"

روایت ہے نافع سے کہ ابن عمر چار رکعتیں پڑھتے تھے امام کے ساتھ اور جب تنہا ہوتے تو قصر کرتے نماز کو اور کہا امام محمد نے اسی پر ہے عمل ہمارا جب امام مقیم ہو اور مقتدی مسافر ہو اور ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے اور نماز کے قصر کرنے پر قرآن مجید بھی شاہد ہے چنانچہ پارہ ۵ رکوع ۱۲ میں ہے:

نوٹ: مذہب حنفی میں مسافر کے لئے دو رکعتیں فرض ہیں اس سے زائد پڑھنی گناہ اور باطل ہے۔ چونکہ اس پر اجماع ہے اور تمہارے علماء نے اس کو قیاس کیا ہے اور امام شافعی نے صوم پر اور حالانکہ یہ باطل ہے اور آیت کا جواب ﴿ فلا جناح علیہ ان یطوف بھما ﴾ میں ہے۔ فقط خادم شریعت

الحر من فيح جهنم فاذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوة حتى رأينا في التلول الخ "

(نقل از بخاری کتاب مواقیت الصلوۃ)

ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مذکور ہے کہ کہا اذان دینے لگا موذن آپ کی ذات کا وقت ظہر میں تو فرمایا آپ نے انتظار کرا انتظار کرا اور فرمایا سخت گرمی جوش ہے آگ جہنم سے پس جب سخت ہو گرمی تو ٹھنڈے وقت میں پڑھو نماز کو اور تاخیر کی آپ نے یہاں تک کہ دیکھ لیا ہم نے سایہ ٹیلوں کا الخ اور اسی کتاب میں بروایت ابو ہریرہ یہاں طور مذکور ہے:

" انه قال اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوة ـــ الخ "

یعنی فرمایا آپ نے جس وقت سخت گرمی ہو تو ٹھنڈا کر کے پڑھو نماز کو اور نیز بخاری پارہ ۱۳ ابرد بالظہر میں ابی ذر غفاری سے یہاں طور حدیث مذکور ہے۔

" قال كان مع رسول الله ﷺ في سفرٍ فاراد المؤذن ان يؤذن للظهر فقال النبي ﷺ ابرد ثم اراد ان يؤذن فقال له ابرد حتى رأينا في التلول فقال النبي ﷺ ان شدة الحر من فيح جهنم فاذا اشتد الحر فابردوا بالصلوة ـــ الخ "

یعنی کہا ہے راوی نے کہ تھے ہم رسول خدا ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں پس چاہا موذن نے کہ اذان دے ظہر کی تو فرمایا آپ نے ٹھنڈے وقت میں دے، پھر چاہا کہ اذان دے تو فرمایا اس سے کہ ٹھنڈے وقت میں دے یہاں تک کہ دیکھ لیا ہم نے سایہ ٹیلوں کا۔ پھر فرمایا نبی علیہ السلام نے بے شک سختی گرمی کی جوش جہنم سے ہے پس جب سخت ہو گرمی تو ٹھنڈا کر کے پڑھو نماز کو۔ پس ان دلائل قاطع سے یہ ثابت ہوا کہ نماز ظہر کا آخر وقت دو مثل تک رہتا ہے کیونکہ موذن نے اپنی عادت مالوفہ پر اول وقت میں اذان دینا شروع کیا تو آپ نے اس کو بار بار روکا یہاں تک کہ ٹیلوں کے سایہ نظر آنے لگے تو آپ نے اس کو اجازت دی اور فرمایا کہ آئندہ اس بات کو یاد رکھنا کہ گرمی کے موسم میں نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا کہ نماز میں اچھی طرح دل لگ جائے اور خضوع و خوشوع سے نماز ادا ہو جائے اور حدیث مسلم اس پر شاہد ہے، وہو ہذا:

" عن عبدالله بن عمر ان النبي ﷺ قال وقت الظهر اذا زالت الشمس وكانت ظل الرجل كطوله ما لم يحضر العصر ووقت عصر ما لم تصفر الشمس ووقت صلوة المغرب ما لم تغب الشفق ووقت صلوة العشاء الى نصف الليل الاوسط ووقت الصبح من طلوع الفجر ما لم تطلع الشمس اخرجه مسلم وغيره "

یعنی کہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہ فرمایا رسول خدا ﷺ نے وقت ظہر کا جب ڈھلے آفتاب اور ہو جائے سایہ مرد کا اس کی لمبائی کے برابر یہاں تک کہ نہ آئے وقت عصر کا اور نہیں جاتا وقت عصر کا جب تک کہ نہ زرد ہو آفتاب اور وقت نماز مغرب کا جب تک کہ نہ غائب ہو زردی پچھم کی اور وقت نماز عشاء کا پوری آدھی رات تک اور وقت نماز صبح کا

طلوع فجر سے جب تک نہ طلوع کرے آفتاب اور نماز فجر کو پوری حنفیدی میں پڑھنا افضل ہے چنانچہ موطا امام محمد صفحہ دوم، قدیم صفحہ ۳۹ میں حدیث مذکور ہے:

" عن رافع بن خديج ان رسول الله صلى الله عليه واله واصحابه وسلم قال اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر اخرجه اصحاب السنن "

رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ بے شک فرمایا ہے پیغمبر خدا ﷺ نے خوب حنفیدی میں پڑھو نماز فجر کیوں اس کا پڑھنا سفیدی میں بڑا ثواب رکھتا ہے الخ۔ پس ان تمام احادیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نماز فجر کو اسفار میں پڑھنا اور نماز ظہر اور عصر کو اول وقت میں ادا کرنا افضل ہے ہاں اگر موسم گرما میں گرمی کی شدت ہو تو اس وقت دوسری مثل میں نماز ادا کرنا بہتر ہے چنانچہ حدیثوں سے صاف صاف ثابت ہو چکا ہے اور علاوہ اس کے اختلاف سے بھی بچاؤ ہوگا اور قرآن مجید میں ہے:

" فاستبقوا الخيرات لقوله تعالىٰ ان الصلوة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً "

بے شک نماز مومنوں پر فرض ہے مقررہ اوقات میں فقط۔

سوال: یہ پانچ نمازیں ہیں اور پانچ اوقات کا ثبوت قرآن مجید سے دو کیونکہ فرق پکڑ الوی اس بات کا منکر ہے۔

جواب: بے شک قرآن مجید میں ان ہر دو مسئلوں کا ذکر بہت جگہ پر ہے لیکن اس جگہ صرف دو آیتیں حوالہ کے طور پر تحریر کردی جاتی ہیں وہو ہذا:

﴿ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ﴾

نگہبانی کرو نمازوں کی اور نماز درمیانی کی پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ نمازیں پانچ ہیں کیونکہ چار عدد کا وسط ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگر پانچ عدد ہونگے تو پھر پانچواں عدد چار کا وسط ہو جائے گا چنانچہ آیت اس کی صاف تفسیر کر رہی ہے، وہو ہذا قولہ تعالیٰ:

﴿ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ، وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ... الخ ﴾

پس پاکی و تقدس کرو اپنے رب کی جس وقت تم لوگوں کو شام ہو اور جس وقت تم کو صبح ہو کیونکہ آسمان اور زمین میں وہی اللہ ہے تعریف کے لائق اور اپنے رب کو یاد کرو جب کہ تم کو عشاء اور ظہر و نماز عصر، و نماز عشاء و مغرب اور ہو جب کہ تم کو وقت ظہر۔ پس ان ہر دو آیات سے صاف صاف ثابت ہوا کہ نمازیں بھی پانچ ہیں۔ یعنی وقت نماز صبح و نماز ظہر و نماز عصر و نماز عشاء و مغرب اور ایسا ہی عبداللہ چکڑالوی نے اپنے رسالہ صلوۃ القرآن صفحہ ۱۹ میں لکھا ہے اور وہ عبارت اس کی یہ ہے "فجر

دو فرض، ظہر چار فرض عصر چار فرض، مغرب تین فرض، عشاء چار فرض، جمعہ دو فرض عیدین دو فرض تہجد دو نفل فقط" باقی ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ کسی اور جلد میں ہوگا۔

سوال: آذان نماز کب سے شروع ہوئی اور کس طرح ہوئی اور اس کا ثبوت کیا ہے جواب دو؟

جواب: اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ مکہ معظمہ (۱) میں شروع ہوئی اور بعض نے کہا کہ مدینہ طیبہ میں اور صحیح تر یہ ہے کہ جب آپ کی ذات بابرکات مکہ سے مع صحابہ کرام ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے اور دن بدن اسلام میں ترقی ہونے لگی تو صحابہ نے بطور مشورہ آپ کی ذات سے کہا اب اس امر میں نہایت تکلیف ہے کہ لوگوں کو ہر نماز کے لئے خانہ بخانہ کوچہ بکوچہ آوازیں دیں اور بلائیں اور ایک وقت معین پر ہر ایک کے لئے اس طرح دشوار ہے سو کوئی ایسی چیز ہو جس کو سن کر سب لوگ جمع ہو جائیں اور نمازیں اکٹھے ہو کر ادا کر لیں تو ہر ایک نے اپنی اپنی رائے بیان کی، کسی نے کہا بلند مکان پر آگ جلائی جائے اور اس کو لوگ دیکھتے ہی دوڑ کر آ جائیں اور بعض نے کہا ناقوس بجایا جائے اور بعض نے کہا سینگ، غرضیکہ یہ رائیں بھی صحابہ میں پاس نہ ہوئیں کیونکہ ان چیزوں میں مشابہت غیر مذاہب مثل یہود و نصاریٰ کے پائی جاتی ہے لیکن آپ نے حکم ناقوس بنانے کا کر دیا اور ایک روایت میں یوں بھی وارد ہے کہ آپ نے ناقوس کو بھی منع کیا ہے لیکن روایت ابوداؤد کی اس پر شاہد ہے کہ آپ نے حکم دیا ہے کہ تم ناقوس بنا لو تو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما نہایت غمناک ہو کر چلے آئے اور خواب میں اس کو کلمات سکھائے گئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کی تصدیق اور تائید کی اور فرمایا آپ نے کہ شکر ہے اللہ تعالیٰ کا کہ میرے صحابہ کو سر حق الہام ہوتے ہیں اور وہ حدیث یہ ہے:

"عن عبد الله بن زيد بن عبد رب قال لما امر رسول الله ﷺ بالناقوس يعمل ليضرب به للناس يجمع الصلوة طاف بي وانا نائمٌ رجل يحمل ناقوساً في يده فقلت يا عبدالله اتبع الناقوس قال وما تصنع به فقلت ندعوا به الى الصلوة قال افلا ادلك على ما هو خير من ذلك فقلت له بلى فقال تقول الله اكبر ☆ الله اكبر ☆ الله اكبر ☆ اشهد ان لا اله الا الله ☆ اشهد ان لا اله الا الله ☆ اشهد ان محمداً رسول الله ☆ اشهد ان محمداً رسولُ الله ☆ حي على الصلوة ☆ حي على الصلوة ☆ حي على الفلاح ☆ حي على الفلاح ☆ الله اكبر ☆ الله اكبر ☆ لا اله الا الله ☆ ثم استاخر عني غير بعيد ثم قال تقول اذا اقمت الصلوة الله ☆ اكبر الله اكبر ☆ اشهد ان لآ اله الا الله ☆ اشهد ان لآ اله الا الله ☆ اشهد ان محمدا رسول الله ☆ اشهد ان محمداً رسول الله ☆ حي على الصلوة ☆ حي على الصلوة ☆ حي على الفلاح ☆ حي على الفلاح☆ الله اكبر ☆ الله اكبر ☆ لا اله الا الله ☆ فلما اصبحت اتيت رسول الله

(۱) جب کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مکہ میں ایمان لائے تو آواز بلند آذان دلائی گئی، نقل از جملہ حیدری کتاب شیعہ فقط

فاخبرته بما رأيت فقال انها لرؤيا حق انشاء الله فقم مع بلال فالق عليه ما رأيت فليؤذن به فانه اندى صوتاً منك فقمت مع بلال فجعلت القيه عليه و يؤذن به قال فسمع ذلك عمر بن الخطاب وهو في بيته فخرج يجر رداءه ويقول والذي بعثك بالحق يارسول الله لقد رأيت مثل الذي ارى فقال رسول الله ﷺ فللّٰه الحمد (رواه ابوداؤد)

(کتاب تشریح الاحکام صفحہ ۲۰۱ وتعلیم صفحہ ۲۰۱)

عبداللہ بن زید بن عبدرب سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ناقوس بنائے جانے کا حکم فرمایا کہ نماز میں جمع ہونے کے لئے لوگوں کے اس کو بجائیں تو مجھے ایک شخص خواب میں دکھائی دیا کہ وہ اپنے ہاتھ میں ناقوس اٹھائے ہوئے ہے میں نے اس سے کہا اے خدا کے بندے کیا یہ ناقوس بیچتا ہے اس نے کہا اس سے تو کیا کرے گا۔ میں نے کہا اس سے لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں گے۔ اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر چیز بتاؤں تجھ کو میں نے کہا ہاں اس نے کہا پہلے چار مرتبہ اللہ اکبر کہہ پھر دو مرتبہ اشهد ان لا اله الا الله اور دو دفعہ اشهد ان محمدا رسول الله اور دو دفعہ حی علی الصلوۃ اسی طرح دو دفعہ حی علی الفلاح، پھر دو دفعہ اللہ اکبر اور ایک دفعہ لا الہ الا اللہ کہو، یہ کہہ کر وہ شخص تھوڑی دیر مجھ سے پیچھے ہٹ کر کہنے لگا، جب جماعت کھڑی ہونے تو پہلے دو مرتبہ اللہ اکبر کہو اور پھر دو ہی دفعہ اشهد ان لا اله الا الله کہو، پھر دو دفعہ اشهد ان محمدا رسول الله اور دو دفعہ حی علی الصلوۃ اور اسی طرح حی علی الفلاح کہہ کر دو دفعہ قد قامت الصلوۃ کہے اور پھر اللہ اکبر دو دفعہ کہے اور لا الہ الا اللہ پس جب میں نے صبح کی تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اس خواب کو جو میں نے دیکھا تھا، بیان کیا آپ نے فرمایا بے شک یہ خواب حق ہے اگر اللہ نے چاہا، تو بلال کے ساتھ کھڑا ہو کر کہ جو کچھ دیکھا ہے اس سے سکھلا اور بتا تا کہ بلال ان کلموں کے ساتھ اذان دے کیونکہ بلال تجھ سے آواز میں زیادہ ہے پس میں نے بلال کے ساتھ کھڑے ہو کر انہی لفظوں کو بتانا شروع کیا بلال ان لفظوں سے اذان دیتے تھے، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب گھر میں سے یہ آواز سن کر اپنی چادر سنبھالتے ہوئے باہر آئے اور کہنے لگے اے رسول خدا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا کہ عبداللہ نے خواب میں دیکھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شکر ہے کہ میرے اصحاب پر حق الہام ہوتے ہیں اور بخاری میں اس طرح پر ہے:

" كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيحزرون الصلوة ليس ينادى لها فتكلموا يوماً فى ذلك "

یعنی جب آئے مسلمان مدینہ منورہ میں پس وقت ٹھیراتے نماز کا پس نہ اذان دی جاتی تھی واسطے اس کے پس انہوں نے کلام کیا ایک دن اس میں پس کہا بعض نے بنا لیا جائے ناقوس نصاریٰ کے اور کہا بعض نے بوق، پس کہا حضرت عمر نے نہیں مقرر کرتے تم آدمی جو پکارے ساتھ نماز کے پس فرمایا آپ کی ذات بابرکات نے اے بلال کھڑا ہو اذان دے ساتھ

نماز کے اور اذان کا ثبوت قرآن مجید میں ہے، چنانچہ سورہ جمعہ میں:

"اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ"

آیت لقولہ تعالیٰ

﴿وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ ..... الآیۃ﴾

یعنی جب پکارتے ہو تم طرف نماز کے پکڑتے ہیں اس کو ٹھٹھا اور کھیل اس سبب سے کہ وہ ایک قوم ہے نہیں سمجھتی۔

پس ان تمام دلائل قاطعہ سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اقامت میں بھی ہر ایک کلمہ کو اذان کی طرح تکرار کرے نہ کہ جیسا بعض فرقہ وہابیہ کا دستور العمل ہے۔

(ھکذا فی البحاری باب الاذان)

سوال: غیر مقلد کہتے ہیں کہ یہ تقلید حرام و بدعت ہے جو حنفی شافعی حنبلی مالکی وغیرہ میں ہے کیونکہ یہ چوتھی صدی کی بنی ہوئی ہے کیا یہ ان کی بات سچ ہے۔ انصاف سے جواب دو؟

السائل فضل الٰہی مستری وزیر آباد، محلہ لکڑ منڈی ۲۰ / نومبر ۱۹۱۹ء

جواب: تقلید دو قسم پر ہے (۱) تقلید مثل کفار و رسوم آباؤ اجداد کے اور یہ تقلید بالکل حرام اور مردود اور شرک اور کفر ہے اور اس تقلید کی حرمت پر خود قرآن مجید شاہد ہے، لقولہ تعالیٰ: "ھذا ما وجدنا علیہ اباء نا" کیونکہ وہ بجز اس بات کے اور کوئی دلیل نہیں رکھتے اور اسی تقلید کو خود مولانا رومی صاحب نے بھی بدیں الفاظ رد کیا ہے:

﴿ابیات﴾

بشنو ایں قصہ بہ تہدید را — تا بدانی آفتِ تقلید را

آن مقلد صد دلیل و صد بیاں — بر زباں آرد ندارد نیچ جان

بس کہ تقلید است ایمان او — روئے ایماں راندیدہ جان او

بس خطر باشد مقلد را عظیم — از رہے ہزن ز شیطان رجیم

خلق را تقلید او بر باد داد — ہفت صد لعنت بریں تقلید داد

اور دوم تقلید انبیاء واصحاب کبار رضوان اللہ علیہم وائمہ دین شرع متین کی ہے اور یہ تقلید (۱) جس میں ہم بحث کرتے ہیں جائز بلکہ فرض ہے اور اس پر یہ دلائل شاہد ہیں۔ لقولہ تعالیٰ:

﴿ اتبع ملة ابراهيم حنيفا ﴾

ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کر۔ آیت دوم لقولہ تعالیٰ:

﴿ اتبع سبيل من اناب الي ﴾

یعنی اس شخص کی پیروی اور اتباع کر جو میری طرف جھکا ہوا ہو۔ آیت سوم لقولہ تعالیٰ

﴿ اهدنا الصراط المستقيم ☆ صراط الذين انعمت عليهم ﴾

اے رب ہمارے ہم کو راستہ گروہ مضبوط پر چلا جو انبیاء اور صالحین اور شہداء وائمہ دین کا ہے یعنی جس راستہ پر وہ چلے ہیں۔ آیت چہارم لقولہ تعالیٰ:

﴿ فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون ﴾

پس پوچھ لو تم صاحب ذکر سے اگر تم لوگ ناواقف ہو۔ آیت پنجم:

﴿ اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر منكم ﴾

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس کی پیروی کرو جو تم میں سے صاحب امر ہو۔ پس ان تمام آیات بینات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ تقلید یعنی اتباع ہر ایک فرد کو لازم ہے کہ انبیاء وشہداء وائمہ دین شرع متین کی کرے اور اس میں کوئی قباحت نہیں اور اگر فرقہ وہابیہ یہ کہے کہ ہم لوگ تو اس تقلید کو جائز کہتے ہیں صرف تقلید ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنے کو حرام یا بدعت سمجھتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ بتایئے کہ ائمہ اربعہ دین حق پر تھے یا نہیں۔ اگر تھے تو پھر ہم لوگ ان میں سے ایک امام کی تقلید کر لیں تو کیا ہم دین سے خارج ہو جائیں گے جواب دو۔ کیا یہ حکم خداوند کریم کا نہیں۔

﴿ اتبع سبيل من اناب الي ﴾

یعنی اتباع کر اس شخص کی جو میری طرف جھکا ہوا ہو۔ کیا آیت کریمہ سے تقلید شخصی ثابت نہیں ہوتی لو ہم صرف دو تین حدیثیں بھی بیان کر دیتے ہیں وہو ہذا۔

"عن بن مسعود قال رسول الله ☆ اقتدوا باللذين من بعدى ابوبكر و عمر"

فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ پیروی کرو بعد میرے ابوبکر اور عمر کی اور حدیث دوم:

(۱) تقلید کے معنی اتباع اور پیروی کے ہیں چنانچہ کتب لغت اور کتاب حسامی مع نامی ص ۸۶ حاشیہ صفحہ ۵ میں بایں طور لکھا ہے التقلید اتباع الرجل غیرہ فیما تسمعہ بقول او فی فعلہ علی زعم انہ محسن بلا نظر والدلیل الخ "خادم شریعت عفی عنہ

"فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين"

حدیث سوم قولہ علیہ السلام:

"اصحابي كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم"

یعنی فرمایا آپ کی ذات بابرکات نے میرے اصحاب مانند ستاروں کے ہیں جو ان میں سے کسی ایک کا اتباع کرے گا وہی ہدایت پر ہوگا اور وہی اس کو جنت میں لے جائے گا۔ بس اب غیر مقلد صاحب فرمائیے کیا اب تقلید شخصی ثابت ہوئی یا نہیں۔ کیا امام صاحب تابعی تھے یا نہیں کیا دوسرے امام "خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم" کے مصداق ہیں یا نہیں جواب دو پس ہم مقلد لوگ ائمہ اربعہ میں سے ایک کی تقلید کو فرض سمجھتے ہیں کیونکہ ائمہ اربعہ دین حق پر تھے صرف فرق ان کا فروعی مسائل میں تھا نہ اصول دین میں اور ان ائمہ دین کی تقلید تو بڑے بڑے علمائے دین شرع متین نے کی ہے چنانچہ امام بخاری و مسلم و صاحب ترمذی و نسائی و عبداللہ بن مبارک و صاحب فتح القدیر و شامی صاحب ہدایہ و صاحب قدوری و قاضی خاں و عالمگیر و حضرت سید نا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ غرضیکہ تمام ائمہ دین و مفتیان شرع متین سب کے سب اپنے آپ کو مقلد ہی کہلاتے چلے آئے ہیں اور صاحب نبراس صفحہ ۸ بحوالہ بسط فی ذکر اصحاح الستہ باب ۳ فصل ۵ مطبوعہ مطبع نظامی سے بایں طور لکھا ہے:

"وطريقة هذا كله مذهب حنفي و شرعة حقه"

اور صاحب نبراس نے صفحہ ۸ و فتح المبین صفحہ ۳۸۱ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کتاب انصاف سے اس طرح امام بخاری کے بارہ میں لکھا ہے

"و من هذا القبيل محمد بن اسمعيل البخاري فانه معدود في طبقات الشافعية الى ان قال واستدل شيخنا العلامة على ادخال البخاري في الشافعية بذكره في طبقاتهم و كلام النووي الذي ذكرناه شاهد له"

اسی قبیلہ سے ہیں محمد بن اسمٰعیل بخاری پس تحقیق وہ شمار کئے گئے ہیں طبقات شافعیہ سے اور جن علماء نے ان کو ذکر کیا ہے طبقات شافعیہ میں ان میں سے ایک تاج الدین سبکی ہیں اور کہا اس عمل نے تحقیق اس نے فقہ سبکیہ اور حمیدیہ امام شافعی سے اور دلیل پکڑی ہمارے شیخ علامہ نے اوپر داخل کرنے بخاری کے علمائے شافعیہ میں ساتھ ذکر اس بخاری کے طبقات شافعیہ میں اور کلام نووی کا جس کو ذکر کیا ہم نے اس کا شاہد ہے اور قسطلانی شرح بخاری صفحہ ۲۸ و ۳۱ مطبوعہ مطبع نولکشور میں اس طرح لکھا ہے:

"قال الشيخ تاج الدين سبكي ذكره"

یعنی " البخاری ابو عاصم فی طبقات اصحابنا الشافعیہ " کہا شیخ تاج الدین سبکی نے ذکر کیا اس کو یعنی بخاری کو ابو عاصم نے پنج طبقات ہمارے اصحاب شافعیہ کے اور باقی ائمہ محدثین کے مقلد ہونے کے دلائل مفصل طور پر ان شاء اللہ تعالیٰ جلد پنجم میں مذکور ہوں گے اور علاوہ اس کے جن لوگوں نے اس تقلید مجید کو برا کہا ہے ان کو علمائے دین شرع متین نے فرق اہل ہوا یہ اور مبتدع گنا ہے چنانچہ صاحب طحطاوی نے لکھا ہے:

" وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم فى المذاهب الاربعة وهو الحنفيون ومن كان خارجاً من هذه المذاهب الاربعة فى ذلك الزمان فهو من اهل البدعة والنار "

یہ گروہ نجات حاصل کرنے والا ہے۔ آج کے دن جمعہ ہے چار مذاہب میں وہ لوگ حنفی، شافعی و مالکی و حنبلی ہیں اور جو ان چار مذاہب سے آج کے دن خارج ہو اوہ بدعتی اور دوزخی ہے اور عقد الجید صفحہ ۳۰، ۳۱ میں لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ کی تقلید سے انکار کرنا گویا بڑی جماعت سے خارج ہونا ہے اور فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:

" اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فى النار "

(رواہ ابن ماجہ)

پس اس حدیث شریف سے ثابت ہوا جس نے بڑی جماعت سے منہ پھیرا وہ جہنم کا ایندھن ہوا کیونکہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی اور جو اس جماعت کثیر سے ایک بالشت بھر خارج ہوا تو وہ شیطان کے پھندے میں پھنس کر جہنم میں جا پڑا اب صاحبان انصاف فرمائیے۔ کہ جماعت ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کثیر ہے یا فرقہ غیر مقلدین وہابیہ نجدیہ کثیر ہے اور تقلید شخصی اور غیر شخصی ہر دو انبیاء کے زمانہ سے لے کر اب تک چلی آتی ہے اور آخر تک چلی جائے گی۔ اگرچہ دشمنان دین اس بات کو برا مانتے ہیں اور تقلید ائمہ اربعہ کی دوسری صدی سے شروع ہوئی ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کتاب انصاف میں صفحہ ۵۹ پر لکھتے ہیں:

" وبعد المائتين وظهر فيهم المذهب المجتهدين باعيانهم وقل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهدٍ بعينه وكان هذا هو الواجب فى ذلك الزمان "

اور بعد دو صدیوں کے لوگوں میں معین مجتہدوں کا مذہب اختیار کرنا ظاہر ہوا اور اس وقت اس سے کم آدمی تھے کہ مجتہدین پر اعتماد نہ رکھتے ہوں اور اس وقت میں پابندی اختیار کرنا ظاہر ہوا اور اس وقت اس سے کم آدمی تھے کہ مجتہدین پر اعتماد نہ رکھتے ہوں اور اس وقت میں پابندی مذہب معین کی واجب تھی اور عقد الجید مترجم صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے:

" ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها للسواد الاعظم والخروج عنها خروجاً عن السواد الاعظم "

جب وہ سچے مذہب والے ان چار مذاہب والے ان چار مذاہب کے غیست و نابود ہونے تو ان کی پیروی کرنی

بڑے انبوہ کی پیروی کرنی ہے اور ان سے باہر نکلنا بڑے فتنے سے باہر ہونا ہے اس لئے امام بخاری وابن تیمیہ وابن القیم وشوکانی وامام نووی وخطابی وسیوطی وذہبی وقسطلانی وعلامہ عینی وملا علی قاری وشاہ رفیع الدین وشاہ عبدالحق محدث دہلوی وشاہ عبدالعزیز وغیرہ علمائے دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے بعد دیگرے۔ جس قدر دنیا میں گزرے ہیں کسی نے تقلید سے قدم باہر نہیں رکھا جو دیکھ لے یہ لوگ اپنی بزرگی وعلم میں کمالیت رکھتے تھے پس جبکہ ایسے ایسے علمائے دین مقلد ہو کر دین محمد رسول اللہ ﷺ پر جان نثار ہوئے تو ان بیچاروں کے کہنے سے کون صاحب تسلیم کر سکتا ہے اور اگر کوئی غیر مقلد کہے تو دکھائیں کہ کس کتاب معتبر میں لکھا ہے ہم اس کے جواب پر تیار ہیں اور باقی جلد اول و دوم و سوم میں ملاحظہ کریں فقط۔

سوال: بیع سلم کی کتنی شرائط ہیں اور یہ جائز ہے یا نہیں اور رہن میں مرتہن کو نفع اٹھانا کیسا ہے۔

السائل چودھری پیران دتہ از رنیسوال، ضلع لائلپور

جواب: بے شک بیع سلم جائز ہے اور اس پر قرآن مجید واحادیث وکتب فقہ شاہد ہیں، قولہ تعالیٰ: ﴿اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی﴾ الآیۃ۔ حضرت ابن عباس نے کہا ہے میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حلال کیا بیع سلم ایک معین مدت تک ذکر کیا اس کو صاحب نورالہدایہ اور شیخین نے اور اس کی شرطیں یہ ہیں:

(۱) بیان کرنا مسلم فیہ کا مثلاً گیہوں ہے یا جو (۲) بیان اس کی نوعیت کا (۳) بیان اس کی صفات کا یعنی عمدہ ہے یا ناقص (۴) بیان مقدار بیانہ معتبرہ سے (۵) ذکر مدت ادائیگی (۶) بیان مقام جہاں ادا کی جائے (۷) بیان مقدار راس المال۔

اگر یہ شرائط نہ پائی جائیں تو بیع سلم ناجائز ہے۔

(نقل از قدوری و ھدایہ و شرح وقایہ)

اور مسئلہ رہن کے نفع اٹھانے میں علماء کا اختلاف ہے۔ خواہ راہن اجازت دے یا نہ دے، ہر دو صورت میں محققین کے نزدیک ناجائز ہے اور یہی اصح ہے اور اسی پر حدیث بیہقی شاہد ہے اور کتاب غایۃ الاوطار شرح درالمختار جلد ۲ صفحہ ۳۰۸ پر بھی اسی طرح مذکور ہے:

" لا یحل المرتھن ذلک ولو بالاذن لانہ ربو الخ "

اور مضمرات میں ہے اگر بکری گروی رکھے اور مرتہن کو راہن نے کہا کہ بکری کا بچہ کھاؤ اور دودھ پیو، پس اس طرح مرتہن پر کوئی تاوان نہیں اور اسی طرح صاحب باغ نے مرتہن کو اجازت اس کے پھلوں کے کھانے کی دی اور صاحب مضمرات نے تہذیب سے نقل کر کے کہا کہ مرتہن کو اجازت اس کے پھلوں کے کھانے کی دی اور صاحب مضمرات نے تہذیب سے نقل کر کے کہا کہ مرتہن کو نفع ناجائز اگرچہ اسے اجازت دے اور محمد بن اسلم سے منقول ہے کہ مرتہن کو باوجود اجازت نفع ناجائز ہے اور اس کو ربا سمجھا اور مصنف نے اسے مکروہ تحریمی کہا اس سے اجتناب ضروری ہے، باقی مفصل ذکر جلد پنجم میں ہے۔ منتقی۔

اعتراض: از جانب میاں عمر الدین وزیر آبادی وعبد الجلیل سامری مصنف بوئے غسلین امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں محرمات یعنی ماں، بہن بیٹی سے نکاح کرنے سے حد لازم نہ ہوتا اگر چہ اس کو علم ہو۔

جواب: دروغ آدمی را کند بے وقار، افسوس ہے کہ معترض صاحب نے بہتان صریح وطوفان قبیح ائمہ دین مجتہدین خصوصاً فقہائے کرام احناف پر بلا سوچے سمجھے باندھا اور دروازہ فتنہ فساد پر دازی ودغا بازی وجعلسازی وافترا پردازی کا کھول دیا اور شب وروز اپنی عادت سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے کی کرلی اور بمقتضائے ہمچوں دیگرے نیست، اپنے آپ کو فاضل اجل سمجھ کر اہل حدیث ہونے کا نقارہ بجایا۔ اہل حدیثم وگر آنر نمی دانم۔ خدا کی پناہ ایسے اہل حدیثوں سے۔

شعر

خدایا مفتری را روسیاہ کن　　زقہر قہروان خود تباہ کن

معترض صاحب کو لازم تھا کہ بزرگان دین پر کتہ چینی بے سوچے سمجھے نہ کرتے۔

نباشد نکتہ گیری آدمیت　　کہ کار سگ بود آہو گرفتن

دوسری بات معترض کو یہ لازم تھی کہ اگر مطیع عبد الوہاب نجدی وابن تیمیہ وبرادر مولوی محی الدین صاحب نومسلم ہماری مصنف بوئے غسلین ہو کر حسد، عداوت وتعصب کا گلے میں ہار اور دل میں نقش جمانا تھا اور شہر وزیر آباد اور اس کے گرد ونواح میں لوگوں کے دلوں میں فساد کا بیج بونا تھا تو زر اعبارت اصلی کتب فقہ حنفیہ مع صحت ترجمہ کرنی چاہئے تھی تا کہ ناظرین کو اطمینان ہو جاتا اور لیاقت واستعداد علوم عربیہ یعنی قرآن مجید واحادیث شریف اور فقہ دانی کا راز اچھی طرح واضح ہو جاتا اور انصاف اس بات کا مقتضی تھا کہ تحقیق حق کا مدار اصول موضوعہ طبقات سبعہ مراتب مجتہد فیہ فقہائے کرام احناف پر ٹھیراتے اور جو علامات بزرگان دین نے فتویٰ دینے کی مقرر کی ہیں تحریر کرتے اور روایات مرجوحہ وغیرہ مشہورہ کا حال بیان کرتے اور روایات مرجوع مطروح وغیرہ مشہورہ کا حال بیان کرتے تا کہ کسی فرد وبشر کو چوں وچرا کا موقعہ نہ ملتا اور جو امر مختلف فیہ تھا ہر ایک پر واضح ہو جاتا لیکن معترض صاحب نے ان امور کو تو ترک کر دیا اور جلدی سے بے دھڑک امام صاحب کے مذہب پر اعتراض کر دیا۔ مصرع:

گفتہ گفتہ من شدم بسیار گو

اور معترض صاحب کو اتنا بھی خیال نہیں آیا کہ اگر عوام الناس میری من گھڑت بات سن کر لاعلمی کے باعث تسلیم کر لیں گے اور بزرگان دین پر لعن طعن شروع کر دیں گے تو میرا نکانا کہاں ہوگا اور علاوہ ازیں یہ بات بھی صادق ہو جائے گی:

"الصدق ینجی و الکذب یهلک" اور بقول:

سنبھل کر رکھنا قدم دشت خار میں مجنوں　　کہ اس نواح میں سودا برہنا بھی ہے

معترض صاحب نے شاید تصنیف یعنی الجرح علی ابی حنیفہ کی تردید کا مطالعہ نہیں کیا، جس میں ہمارے مکرم مکی مولانا محمد حامد نور بخش صاحب ایم اے حنفی نقشبندی تو علی سبیل التنزل ہو رہے مولانا مولوی حافظ احمد علی صاحب عالم اہل وفاضل نے بدل بنا لوی نے ان بیہودہ سوالات کے دندان شکن جواب باصواب لفظ بلفظ دے دیے ہیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمہ آفتاب راچہ گناہ

معترض صاحب ذرا نگاہ غور دیکھئے اور پردۂ تعصب کو گوش ہوش سے دور کر کے سنئے کہ کس قدر علمائے احناف سے آپ سے درفشانی وعلم معانی کی فراست ظاہر ہو رہی ہے۔

عالموں کے دماغ کو پہنچو　　بے علم اتنا تیرا دماغ نہیں

دعویٰ تو فاضلیت کا ہے لیکن معلوم اتنا بھی نہیں کہ حد شرع کس کو کہتے ہیں اور تعزیر کس لئے ہوتی ہے اور مخالف ہونا اور خلاف کرنا کس کو بولتے ہیں۔

جھوٹ کہنے سے تو باز آؤ خدا کے واسطے　　چپ رہو اب منہ نہ کھولو تم خدا کے واسطے

معترض اکتب فقہ میں تو صاف صاف لکھا ہے کہ محرمات یعنی ماں، بہن، لڑکی، دادی، نانی، پھوپھی، خالہ، رضاعی بہن، بھتیجی، پوتی، دوہتی، بھانجی اور ساس سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اگر کوئی محرمات ابدیہ کو حلال جان کر نکاح کرے تو اس کو قتل کر دینا چاہئے کیونکہ وہ شخص شریعت محمد رسول اللہ ﷺ کا منکر ہے۔

(ھکذا فی فتح القدیر و عالمگیر و قاضی خان و شرح وقایہ و ھدایہ و کنز وغیرہا باب المحرمات)

اور آپ کی عبارت تحریر شدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص جس کو علم ہو کہ یہ میری ماں یا بہن ہے اور مسائل محرمات سے ناواقف ہے کہ یہ حلال ہیں یا حرام اور شبہ فی العقد میں آ کر اس نے نکاح کر لیا تو کیا معترض صاحب اگر امام اعظم رضی اللہ عنہ علیہ نے اس پر تعزیر کا حکم لگا دیا تو اس میں کس حدیث کی مخالفت امام صاحب نے کی جب کہ تعزیر بالقتل بھی وارد ہے اور اس عبارت سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ محرمات کے ساتھ نکاح کرنا نزدیک امام صاحب کے جائز ہے۔ بلکہ یہ تو ایک مسئلہ کی صورت پر مبنی ہے نہ یہ کہ محرمات سے نکاح کرنا درست ہے بلکہ اگر کسی شخص جاہل بے وقوف نے اپنی محرمات سے غلط بے عملی نکاح شبہ بالعقد کر لیا تو اس پر تعزیر ہونی چاہئے جو کہ قاضی وحاکم وقت کی رائے پر موقوف ہوگی۔ خواہ حاکم وقاضی ان کو سیاستاً قتل کرا دیں یا کوئی اور سزا مقرر کریں چنانچہ حدیث شریف میں مذکور ہے:

"ادرء الحدود بالشبہات"

کیونکہ شبہ بالعقد ہے اور شبہات سے شرعاً حد ساقط ہو جاتی ہے اور شبہ تین قسم پر ہوا کرتا ہے: شبہ فی المحل شبہ فی الفعل وشبہ بالعقد، پس یہ مسئلہ امام صاحب مین مطابق حدیث شریف کے ہے جیسا کہ ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

روایت کی ہے:

" ادفعوا الحدود عن عباد الله ما وجدتم له مدفعاً "

اور ترمذی، بیہقی و حاکم نے یوں بیان کیا ہے:

" ادرء الحدود من المسلمين ما استطعتم "

معترض صاحب حدیث شریف سے تو صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ شبہات میں حد کو ساقط کر دینا چاہئے۔ اگر کوئی شخص محارم سے بدون نکاح کے صحبت کرے تو بالاتفاق اس پر حد لازم ہوگی۔

(حکذا فی کتب الفقہ)

اور امام صاحب اور صاحبین میں نزاع صرف محارم فی العقد میں ہے نہ حلت و حرمت میں اور جو معترض صاحب نے حدیث بنا بر تردید مذہب امام صاحب کے تحریر کی ہے کہ ایک شخص نے اپنے باپ کی بی بی سے نکاح کیا اور اس کے لئے آپ نے حکم دیا کہ گردن اس کی ماری جائے اور مال اس کا لے لیا جائے، جناب من اس حدیث سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص احکام شریعت سے انکار کرتا تھا اس لئے اس پر حکم مرتد ہونے کا لگا دیا گیا تھا۔ کیونکہ مال چھین لینا اور گردن مارنا تو لوازمات کفریہ سے ہے نہ حد میں جیسا کہ اس حدیث کی شرح لمعات باب المحرمات میں مذکور ہے:

" كان الرجل اعتقد حله' وانكر حكم الشريعة فكان مرتداً فلذالك امر بقتله واخذ ماله "

اور جو آپ نے قتل کا حکم دیا تھا وہ صرف تعزیراً اور سیاستاً تھا جیسا کہ لواطت حیوانات و شراب خوری تا بار چہارم اور دزدی یعنی چوری تا بار پنجم میں ہے۔ حالانکہ بالاتفاق قتل ان امور میں حد شمار نہیں کیا جاتا اور ان میں صرف تعزیراً سیاستاً قتل کا حکم تصور کیا جائے گا اور زنا کی صرف دو حدیں ہیں۔ محصن کو سنگسار کرنا یہاں تک کہ مر جائے اور اگر غیر محصن ہو تو حد اس کی صرف سو درہ ہے اور علاوہ ازیں تعزیر قتل سے بھی ہو جاتی ہے۔

(حکذا فی در المختار)

اور فرق صرف حد و تعزیر میں یہ ہے:

" ان الحد مقدر والتعزير مفوض الى رأى الامام وان الحد يدرأ بالشبهات والتعزير يجب مع الشبهات "

پس معلوم ہوا کہ حد شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور تعزیر شبہ سے واجب ہوتی ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ اور ابن عدی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے " ادرء الحدود بالشبهات " معترض صاحب ذرا غور سے دیکھئے کس قدر امام صاحب کے مذہب کی تائید میں احادیث مبارکہ پکار پکار کر بیان کر رہی ہیں اور آپ نے تو موافقت کا نام مخالفت رکھ دیا ہے حالانکہ اس میں کوئی مخالفت نہیں پائی جاتی کیونکہ شبہ عقد میں حد ساقط ہو جاتی ہے جیسا کہ

مشکوٰۃ باب الولی میں حدیث بطلان نکاح پر خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حد کو ساقط کر دیا اور تعزیراً حکم مہر کا مرد کے ذمہ لگا دیا، وہ یہ ہے:

"ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل باطل باطل فالھاالمھر بما استحل من فرجھا"

پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی عورت بدوں اذن ولی کے نکاح کر کے ولی کر لے تو اس پر حد نہ کی جائے گی اگرچہ یہ نکاح باطل اور ناروا ہو اور قرآن مجید و فرقان حمید میں نکاح محرمات کے لئے کسی جگہ حد کا ذکر نہیں آیا اور نہ دیکھا گیا ہے ہاں اگر حدیث شریف میں اس مسئلہ کے بارے میں ذکر رجم یا سو درہ مارنے کا ہو چکا ہو تو بیان فرمائیں کہ ہم اہل صاحب کے قول کو چھوڑنے پر تیار ہو جائیں اور بلا وعدہ خلافی ہرگز نہ کریں گے لیکن جب ان کا قول ہر طرح موافق ہو پھر ہم کس طرح بلا وجہ مخالفت حق کی کر سکتے ہیں۔

نوٹ: اگر کسی صاحب کو اس کے علاوہ کوئی اور اس معاملہ پر اعتراض ہو تو ہم اس کا جواب باصواب ان شاء اللہ کسی دوسری جلدوں میں لکھیں گے فقط والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

اعتراض نمبر ۲: از جانب میاں عمر الدین غیر مقلد وزیر آبادی بعد تشہد اگر قصداً اور ادنیٰ گوز مارے تو نماز کا صحیح اور تمام ہونا اور اگر بے قصد گوز مارے تو نماز کا ہونا بروایت ابی سعید کے برخلاف ہے۔

جواب: معترض صاحب! حق تو یہ تھا کہ پہلے قاعدہ اصول حنفیہ کا کسی حنفی سے معلوم کرتے اور سیکھتے تو یہ اعتراض نہ کرتے اور چاہئے تھا کہ صفحہ اصلی عبارت کتب فقہ حنفیہ تحریر کرتے تا کہ ناظرین کو اس کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ ہوتا۔

جھوٹے موتی کی طرف کب دیکھتے ہیں جوہری ۔۔۔ بے صداقت آبروئے بدگماں ملتی نہیں

الغرض معترض صاحب آپ اور اصلی عبارت کو دیکھئے جو کہ شرح وقایہ وغیرہ باب الحدث میں مذکور ہے:

"ولو حدث عمداً بعد التشھد او عمل ما ینافی الصلوۃ تمت"

یعنی اگر کسی نے بعد تشہد پڑھنے کے عمداً حدث کیا یا کوئی اور عمل منافی نماز کیا تو نماز اس کی تمام ہو جائے گی۔ یعنی اس نماز کا اعادہ کرنا امام صاحب کے نزدیک ضروری نہیں۔ کیونکہ حدث منافی نماز نہیں اور خروج نماز بصیغہ اختیار خود فرض ہے اور لفظ سلام سے باہر آنا واجب ہے اور واجب کی ترک سے نماز ناقص ہوتی ہے نہ فاسد اور اس کا اعادہ کرنا واجب (۱)۔ نہ فرض جیسا کہ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے:

"الحدث توضأ واتم خلافا للشافعی ولو بعد التشھد خلافا لھما فانہ اذا قعد قدر التشھد تمت صلوتہ وعند ابی حنیفۃ لابتم لان الخروج بصنعہ فرض عند الاستیناف افضل"

(۱) امام صاحب کے نزدیک افضل ہے۔ بشرطیکہ بعد از تشہد کے عمداً حدث کیا ۱۲

یعنی صاحبین کے نزدیک بعد تشہد کے نماز ہو جاتی ہے اور امام صاحب کے نزدیک خروج بصنعہ بھی فرض ہے۔ اس لئے نماز کو بعد وضو تمام کرنا چاہئے معترض صاحب نے تو امام صاحب کے مذہب کو باطل کرنے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن آخر الامر کچھ نہ بنا۔

یہ مذہب وہ نہیں کہ جسے تو بکار سکے
کس وہم میں ہے اتنی تیری مجال نہیں

الغرض امام صاحب کا مذہب تو عین موافق قرآن کریم و حدیث شریف کے ہے چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب سکھایا آپ نے ان کو تشہد، پس جب پہنچا عبدہٗ و رسولہ تک تو فرمایا آپ نے کہ تو نے ادا کر لیا اپنی نماز کو اگر تو چاہے کہ کھڑا ہو تو کھڑا ہو اگر تو چاہے کہ بیٹھے تو بیٹھ پس اس حدیث سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبدہٗ و رسولہ تک نماز ہے اور بفعل مصلی نماز سے باہر آنا فرض ہے اور اس کی تائید میں یہ حدیث بھی وارد ہے:

" عن علقمة عن ابن مسعود رضی الله عنه قال له النبی ﷺ حین علمه التشهد اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلوتک اخرجه ابوداؤد "

یعنی روایت ہے علقمہ سے انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ فرمایا ان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب کہ سکھایا ان کو تشہد کہ جب کہا تو نے عبدہٗ و رسولہ یا کیا تو نے بے شک تمام ہوئی نماز تیری روایت کیا اس کو ابوداؤد نے:

" وعن ابن عمر رفعه اذا قضی الامام الصلوٰة فقد احدث قبل ان یتکلم فقد تمت صلوته ومن کان خلفه ممن اتم الصلوٰة اخرجه ابوداؤد و الترمذی "

یعنی ابن عمر سے روایت ہے اور پہنچایا یہ پیغمبر تک یعنی پڑھ چکا امام نماز اور بیٹھا اور پھر حدث کیا پہلے اس کے کہ بولا ہو پس بے شک تمام ہوئی نماز اس کی اور جو پیچھے ہو اس کے ان لوگوں سے تمام نے پایا نماز کو اور بایں الفاظ سنن ابوداؤد نے جامع الترمذی، وسنن وبیہقی ودار قطنی میں حدیث مذکور ہے:

" اذا قعد الامام فی آخر صلوته ثم حدث قبل ان یتشهد فقد تمت صلوته "

یعنی جب بیٹھے امام آخر نماز میں اور حدث کرے قبل التحیات پڑھنے کے تو نماز اس کی تمام ہو جائے گی، کیونکہ گو زمانا زنا منافی نماز نہیں، بخلاف مذہب شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بدلیل تحلیلہا وتسلیمہا اور یہ عبارت کتب فقہ حنفیہ سے معلوم نہیں ہوتی کہ نمازی نماز میں گوز مارا کرے اور نماز کو مخول اور لغو اور ذلیل سمجھا کرے ہم لوگ تو ایسے ناشائستہ فعل کے مرتکب کو زندیق وملحد بدکردار وکافر جانتے بلکہ مسجد میں گوز مارنے کو بھی ناجائز سمجھتے ہیں اور یہ مسئلہ تو بنی ایک بات پر تھا کہ اگر کسی شخص سے یہ فعل ناشائستہ بعد ازادائے فرض وارکان کے ہو جائے تو نماز اس کی تمام ہو جائے گی، کما مر فافہم۔

شیوۂ جور و ستم سیکھو نہ ہرگز اے بتو
دیکھو دیکھو ہر کسی کا دل دکھانا منع ہے

اعتراض نمبر ۳: از جانب مولوی عمر الدین غیر مقلد وزیر آبادی شاگرد محمد اسمٰعیل دلاوری: جو شخص طلوع الشمس سے پہلے ایک رکعت صبح کی پڑھ چکے پھر سورج نکل آئے تو نماز کا نہ ہوتا۔

جواب: مثل رقیب جھوٹے کے ہم آشنا نہیں جو راست راست بات ہو کہہ دیں ہزار میں

معترض صاحب جو آپ نے حدیث بیان کی ہے اس کے معنی امام نووی نے شرح مسلم میں اس طرح ذکر کئے ہیں:

" اذا ادرک من لا یجب علیه الصلوة رکعة من وقتها لزمته تلک الصلوة و ذلک فی الصبی یبلغ والمجنون والعمی علیه یفیقان والحائض والنفساء تطهران والکافر یسلم ومن ادرک من هؤلاء رکعة قبل خروج الوقت لزمته تلک الصلوة "

یعنی اگر نابالغ بالغ ہو جائے اور مدہوش ہوش میں آجائے اور عورت حیض ونفاس سے پاک ہو جائے اور کافر مسلمان ہو جائے دراں حالیکہ وقت نماز سے اس قدر پائیں کہ ایک رکعت پڑھ سکیں تو ان پر نماز کا اعادہ کرنا لازم ہو جائے گا اور علاوہ اس کے یہ معنی ہیں:

" اذا ادرک المسبوق مع الامام رکعة کان مدرکا للفضیلة الجماعة بلا خوف "

(مسلم جلد اول صفحہ ۲۳)

اور علاوہ اس کے اس حدیث کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے منسوخ بھی کیا ہے۔ جیسا کہ درالمختار میں مذکور ہے:

" ان الامام الطحاوی قال ان الحدیث منسوخ بالنصوص الناهیة وادعی ان العصر یبطل ایضا کالفجر "

اور اگر معترض اعتراض کرے کہ بوقت طلوع آفتاب نماز کو پڑھ لیا جائے تو میں کہوں گا کہ یہ حدیث مخالف حدیث مسلم کے ہو جائے گی:

" ووقت صلوة الصبح من طلوع الفجر ما لم تطلع الشمس فاذا طلعت الشمس فامسک عن الصلوة فانها تطلع بین قرنی الشیطن "

پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقت نماز صبح کا طلوع آفتاب تک رہتا ہے اور طلوع آفتاب کے مابین نماز کو نہ پڑھنا چاہئے کیونکہ آفتاب طلوع کرتا ہے مابین دو قرن شیطان کے اور حدیث مسلم عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ آپ نے تین وقت میں نماز پڑھنے سے سخت منع کیا ہے یعنی بوقت طلوع آفتاب و بوقت زوال و بوقت غروب آفتاب یہاں تک کہ غروب ہو جائے پس ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ تین وقتوں میں نماز کا پڑھنا جائز نہیں ہو سکتا اور اگر کہو کہ یہ حدیث منسوخ نہیں تو میں کہتا ہوں اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے تو تعارض سے خالی نہیں ہوگی کیونکہ بعض حدیثوں میں پڑھ لینے کا حکم آیا ہے اور بعض میں ممانعت کا حکم ملتا ہے پس بوقت تعارض دونوں حدیثوں پر عمل کرنا محال ہوگا تو اس وقت جس حدیث کو

قیاس ترجیح دے گا اس پر عمل کیا جائے گا چنانچہ لمعات میں تصریح مذکور ہے:

"وحکم تعارض الحدیث الرجوع الی القیاس والقیاس رجع حکم هذا الحدیث فی صلوة العصر وحکم نهی فی صلوة الفجر کما ذکرنا"

اگر معترض یہ اعتراض کرے کہ حدیث شریف سے تین وقت میں نماز پڑھنے کی جب ممانعت پائی جاتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ صبح کی ایک رکعت ادا کرنے کے بعد سورج نکلنے پر پڑھے تو اس کی نماز نزدیک امام صاحب کے نہیں ہو سکتی اور عصر کی نماز اسی صورت پر ہو جاتی ہے جواب اس کا یہ ہے کہ بناء کامل کی ناقص پر نہیں ہو سکتی اور بناء ناقص کی ناقص پر ہو جاتی ہے۔

کیونکہ وقت نماز عصر کا مائل بغروب ہونے سورج کے مکروہ تحریمہ ہوتا ہے اور وقت صبح کا طلوع ہونے تک کامل رہ جاتا ہے پس اس لئے وہ نماز صبح کا سورج نکلنے پر عدم جواز کا حکم دیا گیا اور عصر کی نماز کا آغاز بوقت تحریمہ نماز بعد ادائے غروب آفتاب کے مع کراہت تحریمی کے حکم جواز کا دیا گیا ہے فافہم۔

اعتراض نمبر ۴: از جانب میاں عمر الدین غیر مقلد وزیر آبادی شاگرد محمد اسماعیل دلاوری: امام صاحب کا مذہب ہے اگر عورت دعویٰ کرے کہ فلاں مرد نے میرے ساتھ نکاح کیا ہوا ہے اور گواہ قائم کر دے اور قاضی فیصلہ کر دے کہ یہ اس کی عورت ہے تو اس کو جائز ہے کہ اس عورت کے ساتھ صحبت کرے اگرچہ حقیقت میں نکاح نہیں کیا ہوا۔

بقلم میاں عمر الدین وزیر آبادی مسجد برلبو الی مورخہ ۶ دسمبر ۱۹۱۶ء

جواب: معترض صاحب! معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کسی استاد فقیہ سے علم فقہ کا کوئی سبق نہیں پڑھا اور نہ کسی اہل اللہ کی مجلس اختیار کی ہے اور محض سنی سنائی باتوں کو دل میں جما لیا ہے اور اعتراض مذہب حنفیہ پر بے دھڑک کر دیا ہے۔

اگر ہوتا زمانے میں حصول علم بے محنت ۔۔۔ تو بس ساری کتابوں کو اک جاہل دھو کے پی جاتا

سبحان اللہ معترض کی عبارت آرائی اور معنی فہمی و استعداد علمی کا اچھی طرح حال کھل گیا۔

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد ۔۔۔ میلش اندر طعنہ پاکاں برد

اور اس جگہ بھی معترض صاحب نے اصلی عبارت کو ترک کر دیا اور عبارت اول و آخر سے دور کر دی اور اپنے خیال کے موافق معنی کر لئے اور ناظرین خود اصلی عبارت کو دیکھ کر انصاف فرما سکتے ہیں، وہو ہذا:

"وان شهد شاهدان علی امراة بالنکاح بمقدار مهر مثلها ثم رجع فلا ضمان علیهما و کذلک اذا شهدا باقل من مهر مثلها"

نوٹ: اعتراض یوں ہونا چاہئے تھا کہ مرد نے ایک عورت پر یوں دعویٰ کیا کہ فلاں عورت نے میرے ساتھ نکاح کیا ہوا ہے اور اس پر دو شاہد جھوٹے قاضی کے پیش کر دے الخ۔

یعنی جب کوئی شخص کسی عورت پر دعویٰ کرے کہ میں نے اس سے مہر مثل یا مہر مثل سے کم پر نکاح کیا اور گواہ اس امر کی شہادت دے دیں اور ان کی شہادت کے موافق فیصلہ کیا جائے پھر وہ دونوں شہادت سے رجوع کریں تو ان کے رجوع کرنے سے نکاح فسخ نہ کیا جائے گا اور ان دونوں پر کوئی ضمان نہ ہوگی ..... الخ۔ معترض صاحب سے پہلے بھی یہی اعتراض امام طحاوی صاحب نے بلفظ بعض الناس کہہ کر امام صاحب پر کیا تھا اور اس کا جواب فی دفع الوسواس سے لے کر زیر زمین سکوت کا سبق ملائکہ سے پڑھ کر خواب استراحت میں سو گئے۔ اگر شک ہو تو صحیح بخاری کتاب الحیل باب فی النکاح میں مطالعہ کریں اور بعض الناس فی دفع الوسواس صفحہ ۱۲ کو غور سے دیکھ کر راہ راست پر آجائیں اور بخاری (۱) کے بخار سے نجات پائیں۔ معترض صاحب آپ کو معلوم ہوگا کہ نزدیک علمائے احناف عقود وفسوخ میں حکم قاضی کا ظاہراً و باطناً نافذ ہوا کرتا ہے جس کی دلیل امام طحاوی معانی الآثار جلد دوم کتاب القضاء حق نہی مجلان اور بیوی اس کی کے فیصلہ کر دیا تھا اور چنداں اس عبارت کے تحریر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس مسئلہ کو مولوی نور بخش صاحب نے اپنی تصنیف اقوال الصحیحہ میں بصیغہ ربط ذکر کر دیا ہے لیکن بطور مشتے نمونہ از خروارے اس جگہ بھی چند الفاظ درج کئے دیتا ہوں:

" لهذا المسئلة المبنية على شئ اخر وهو ان قضاء القاضي بالعقود والفسوخ كالنكاح والطلاق والعتاق بشهادة الزور ينفذ ظاهرا او باطنا عند الامام واحتج في ذلك كما قال شمس الائمة في المبسوط بما روى ان رجلا ادعى على امرأة نكاحا بين يدى على رضى الله تعالىٰ عنه واقام شاهدين فقضى على بالنكاح بينهما فقالت المرأة لم يكن بدينا امير المؤمنين فزوجني منه فانه لانكاح بيننا فقال على رضى الله تعالىٰ عنه شاهد اک زوجا فقد طلبت منه الخ "

یعنی یہ مسئلہ ایک قاعدہ پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ قاضی کا حکم عقود وفسوخ میں مثل نکاح وطلاق وعتاق کے جھوٹی شہادت سے امام صاحب کے نزدیک ظاہر و باطن میں نافذ ہو جاتا ہے جیسا کہ شمس الائمہ نے مبسوط میں فرمایا ہے اور اسی روایت سے حجت پکڑی ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک عورت سے نکاح کا دعویٰ کیا اور دو شاہد قائم کئے پس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کے درمیان نکاح کے ثبوت کا حکم دیا اس پر اس عورت نے عرض کیا یا امیر المومنین اگر کوئی اور چارہ نہ ہو تو اس سے میرا نکاح کر دیں کیونکہ ہمارے درمیان نکاح نہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تیرے دو گواہوں نے تیرا نکاح کر دیا، پس عورت نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ اس کو زنا سے بچائیں بدیں طور کہ ان دونوں میں عقد نکاح کر دیں مگر آپ نے وہ درخواست منظور نہ فرمائی پس اس صورت

(۱) بخاری علیہ الرحمۃ کے اس بخار مضمحی سے نجات پائیں ۱۲

میں اگر کوئی شخص کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کرے یا عورت نکاح باکن طلاق کا جھوٹا دعویٰ کردے اور وہ گواہ پیش قاضی قائم کر دے اور قاضی نکاح وطلاق کا حکم کردے تو یہ حکم اس کا ظاہر و باطن ان دونوں کے حق میں بصحت ثبوت گواہان نافذ ہوگا اور اسی طرح ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا اور اگر معترض نے زیادہ تفصیل اس مسئلہ کی دیکھنی ہو تو اقوال الصحیحہ فی جواب جرح علی ابی خلیفہ صفی ۳۹ اور رسالہ بعض الناس فی دفع الوسواس کو مطالعہ کرے۔

نوٹ: اگر میاں عمر الدین اس کے بعد اور کوئی اعتراض کرے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس کا جواب باصواب دوسری جلدوں میں دیں گے اور اسے اور اس کے ہم مذہبوں کو ذرا اپنی کتابوں کو بھی ٹٹولنا چاہیئے کہ ان میں کیا کچھ تحریر ہے آیئے معترضین ذرا بگوش ہوش اپنے مذہب کی کتابوں سے بھی کچھ سن لیجئے اور پھر انصاف سے جواب دیجئے وہ ہو ہذا: صحیح ہو چکا ہے علی مرتضیٰ سے اور عمر فاروق سے کہ انہوں نے فتویٰ دیا کہ اگر لڑکی گود میں نہ ہو تو اس سے نکاح کرنا درست ہے۔

(بعینہ عبارت نقل از فیض الباری شرح صحیح بخاری پارہ ۲۱ صفحہ ۱۱۵ سطر ۱۲)

فرمایئے کہ کیا اس بات کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے کہ اگر عورت منکوحہ موطوءہ مرجائے تو اس کے بعد اس کی لڑکی پچھلے خاوند کی جنی ہوئی اس سے نکاح کرنا درست اور صحیح ہو سکتا ہے ہرگز نہیں اور رسالہ تحفۃ المومنین مطبوعہ نولکشور لکھنؤ صفحہ ۱۷ سے حضرت مولانا العلامہ الحاج احمد رضا خان صاحب مجدد مائۃ حاضرہ و بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بایں طور فتویٰ غیر مقلدین مثل مولوی نذیر حسین صاحب آنجہانی مرحوم و قربان علی بانسوی و حیدر علی و عبدالحی و تونجی وغیرہ کا نقل اپنے رسالہ الہیر الشہابی مع علی تدریس الوہابی صفحہ ۳۵ میں تحریر فرمایا ہے وہو ہذا:

"پھوپھی کے ساتھ نکاح درست ہے"

جامع الشواہد میں ایک دوسرے غیر مقلد کا فتویٰ منقول ہے کہ سوتیلی خالہ سے نکاح حلال ہے۔ خود جناب نذیر حسین صاحب دہلوی نے ایک وقت میں فتویٰ دیا تھا کہ دودھ کے چچا کے بھتیجی روا ہے۔ کلکتہ سندریا پٹی سے ۱۳۱۷ھ میں سوال آیا تھا کہ ایک غیر مقلد نے اپنے ایک عالم کے فتویٰ کی رو سے اپنے سگے بھانجے کی بیٹی سے نکاح کرلیا اور واقعی۔

گر ببیں مفتیاں و ابن فتوی دختر و مادر حلال خواهد شد

اب فرض کیجئے کہ انہی فتووں پر عمل کر کے ایک غیر مقلدہ عورت وہابیہ تحلات نے صبح کے وقت اپنے سگے بھتیجے یا سوتیلے بھانجے یا دودھ کے چچا یا باپ کے ماموں صاحب سے نکاح کیا اور وہ حضرت بھی انہی کی طرح غیر مقلد وہابی تھے جنہوں نے اسے حلال و شیر مادر سمجھ لیا۔ یا جانے دیجئے یہ فتوئے نئے ہیں تو غیر مقلدوں کے پرانے پیشوا داؤد ظاہری کے نزدیک جورو کی بیٹی حلال ہے جب کہ اپنی گود میں نہ پلی ہو یوں غیر مقلدہ نے اپنے سوتیلے باپ غیر مقلد سے نکاح کرلیا پھر دن چڑھے ایک دوسرے غیر مقلد صاحب تشریف لائے اور اس نو جوان آفتاب جان سے فرمایا یہ نکاح باجماع ائمہ اربعہ باطل محض ہوا تو ہنوز

بے شوہر ہے اب مجھ سے نکاح کرلے غیر مقلدہ بولی کہ ہمارے مذہب کے تو مطابق ہوا ہے اس پر وہابی مولوی نے بکمال شفقت فرمایا کہ بیٹی ایک مذہب پر جمنا نہیں چاہئے۔ اس میں شریعت پر عمل ناقص رہتا ہے بلکہ وقتاً فوقتاً ہر مذہب پر عمل ہو کر ساری شریعت پر عمل حاصل ہو غیر مقلدہ بولی کہ اچھا مگر نکاح کو تو گواہ درکار ہیں وہ اس وقت کہاں، کہا اے ناداں لڑکی مذہب امام مالک میں گواہوں کی حاجت نہیں میں اور تو اس پر عمل کر کے نکاح کرلیں پھر بعد کو اعلان کر دیں گے چنانچہ دوسرا نکاح ہو گیا دوپہر کو تیسرے غیر مقلد تشریف لائے کہ لڑکی تو اب بھی بے نکاحی ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اور تجدد حدیث کے حکم سے بے گواہوں کے نہیں ہوتا۔ حدیث میں ایسیوں کو زانیہ فرمایا ہے میں دو گواہوں کو لے کر آیا ہوں مجھ سے نکاح کرلے اس نے کہا اس وقت میرا ولی موجود نہیں وہابی مولوی صاحب نے فرمایا بیٹی تو نہیں جانتی کہ حنفی مذہب میں جوان عورت کو ولی کی حاجت نہیں ہم اس وقت مذہب حنفی کی اتباع کرتے ہیں۔

اس پارسا کو تو ساری شریعت پر عمل کرنا پڑا لہٰذا یہ تیسرا نکاح کرلیا تیسرے پہر کو چوتھے غیر مقلد صاحب آدھمکے کہ بیٹی تو اب بھی بے شوہر ہے حدیث فرماتی ہے کہ بے ولی کے نکاح نہیں ہوتا اور یہی مذہب امام شافعی وغیرہ بہت ائمہ کا ہے میں تیرے ولی کو لیتا آیا ہوں کہ اب شرعی نکاح مجھ سے ہو جائے۔ اس نے کہا کہ تم میری کفو نہیں نسب میں بہت گھٹ کر ہے کہا کیا تیرا ولی راضی ہے تو بھی راضی ہو جا تو پھر غیر کفو سے نکاح اکثر ائمہ کے نزدیک جائز ہے اسے تو پوری شریعت پر چلنا پڑا غرضیکہ چوتھا نکاح ان سے کیا۔ نچوڑ کے وقت دو گھڑی دن رہے پانچویں غیر مقلد صاحب بڑی نزاکت سے چمکے کہ بیٹی تو اب کنواری ہے ہمارے بڑے گرو ابن عبدالوہاب نجدی و ابن القیم و ابن تیمیہ صاحبان حنبلی تھے حنبلی مذہب میں غیر کفو سے نکاح صحیح نہیں اگرچہ عورت و ولی دونوں راضی ہوں یہ چوتھا تیرا کفو نہ تھا اب مجھ سے نکاح کر غیر مقلدہ سجدۂ شکر میں گری کہ خدا نے چار ہی پہر میں پانچوں ہی مذہبوں کی پیروی دے کر ساری شریعت پر عمل کریا یہ کہہ کر پانچویں بار ان سے نکاح کرلیا اب وہابی صاحب فرمائیں کہ وہ وہابیہ ایک کی جورو ہے یا پانچویں کی اگر ایک کی ہے تو باقیوں کو اس ایک ہی مذہب کی پابندی پر کس آیت یا صحیح حدیث نے مجبور کیا وہ کیوں نہیں مذاہب مختلفہ پر عمل کر کے اسے دوسروں کے لئے غیر محصنہ اور ہر ایک اپنی جو رو نہیں سمجھ سکتے اور وہ بیچاری وہابیت کی ماری کیوں پوری شریعت پر عمل سے رد کی جا رہی ہے اور اگر وہاں اجازت ہے کہ لامذہبی کی بدولت پانچوں صاحب اپنی اپنی جورو جانیں اور وہ پارسا نازنین پوری شریعت پر عمل کرنے کو ہر شوہر کی باری میں ظاہری، مالکی، حنفی، شافعی، حنبلی، پانچوں مذاہب پر عمل کرتی کراتی رہے تو ہم کیا عرض کریں مگر اپنے بچے ہم مذہب کی بنائی ہوئی کتھا کا وہ مستر اد یاد کر لیجئے کہ:

دروپدی رانی مہابھوانی ارجن کی ناری
پانچوں پنڈے تن کو بھوگیں اپنی اپنی باری

کہو یہ کون دھرم ہے۔ "لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم" بعینہٖ فقط۔

اب مہربانی فرما کر میاں عمر الدین غیر مقلد وزیر آبادی و مولوی ثناء اللہ امرتسری و مولوی عبد الجلیل و عمر الدین ساکن دنی و فرقہ غیر مقلدین کے علماء ان مسئلوں کا جواب باصواب اسد صحیح دیں ورنہ تقلید شخصی پر عمل کریں اور علاوہ ان کے ایک غیر مقلد کے فتوی کی نقل میرے پاس موجود ہے جس میں لکھا ہوا ہے کہ دو بہنوں سے ایک وقت نکاح درست ہے۔

سوال: از جانب مولوی محمد ابراہیم وغیرہ واز حافظ آباد: مولوی ثناء اللہ امرتسری وغیرہ کہتے ہیں کہ بالکل ہمارے مذہب اہلحدیث کی کسی کتاب میں یہ نہیں لکھا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی بڑے بھائی جیسی تعظیم کرنی چاہئے اور ان کو بڑا بھائی جاننا چاہئے یہ محض حنفیوں کا افتراء ہے اور تعصب ہے جناب اس لئے گذارش ہے کہ آپ مہربانی فرما کر اس کا جواب تحریر کریں تاکہ تسلی ہو۔

جواب: بے شک ان کی کتاب تقویۃ الایمان صفحہ ۶۰ میں مولوی اسمٰعیل نے بایں طور حدیث (۱) "اکبروا اکابرکم" کے ذیل میں لکھ مارا ہے اور یہ ان کے مطالعہ نہ کرنے کا قصور ہے یا خود جان بوجھ کر اپنے خیالات فاسدہ کو چھپاتے ہیں لیکن ہم کب چھپنے دیتے ہیں وہو ہذا:

"یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کے بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے، بندگی اس کو چاہئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیا و انبیا و امام و امام زادہ پیر شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر ان کو تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہئے الخ" من جملہ۔

اب ناظرین ذرا انصاف فرمائیے کیا رسول اللہ ﷺ بڑے بھائی جیسی شان رکھتے ہیں۔ کیا تمہارا ایمان اور عقل یہ اجازت دیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ و دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بڑے بھائی جیسا سمجھنا چاہئے اور ان کی ایک بڑے بھائی جیسی ہی تعظیم کرنی چاہئے خدا کی پناہ ایسے اہل حدیثوں سے اور علاوہ اس کے ابن عبد الوہاب نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مزار اقدس اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار وغیرہ کو ایسا سمجھنا چاہئے جیسے بت لات و عزیٰ کفاروں کے تھے اور عبارت عربی بعینہ جلد سوم میں مع ترجمہ تحریر ہو چکی ہے جس صاحب کا جی چاہے دیکھ لے اور ان کے الحقد اور ایمان کو سمجھ کر ان کی دانست سے اجتناب کرے۔

☆☆☆☆☆

۱: عبارت تقویۃ الایمان مطبوعہ افتخار دہلی صفحہ ۶۰ پر ہے ۱۲۔

بحث شیعہ

سوال: شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ اصحاب ثلاثہ نے حضرت مولیٰ علی مشکل کشاء سے خلافت جبراً چھین لی تھی اور نیز خاتون جنت سے باغ فدک کو بھی غصب کر لیا اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے بعد اہل بیت کے ساتھ منافقانہ برتاؤ کیا (نعوذ باللہ منہم) کیا یہ باتیں سچ ہیں۔ قرآن مجید اور معتبر کتب شیعہ سے جواب دو؟

الراقم فقیر اللہ بخش از مصر ھنسی، علاقہ ملہار

جواب: یہ محض ان لوگوں کی بناوٹی باتیں ہیں اور بالکل بے حقیقت جو کچھ دل میں آیا فوراً بے سوچے سمجھے بزرگوں کے حق میں کہہ دیا:

ان بزرگوں کو برا کہنے سے کیا پھل پائیں گے　　دیکھ لیں گے آج اس کی کیا سزا کل پائیں گے

دراصل بات یہ ہے کہ خلافت حق صحابہ ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کو بحکم خداوند لایزل وکیتی صحابہ مہاجرین وانصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ملی اور باایمان وعدل وانصاف شریعت محمد رسول اللہ ﷺ پر پورا پورا عمل کیا اور صراط مستقیم پر ہر ایک نے یکے بعد دیگرے شربت شہادت پی کر رحمۃ الجنت میں وائیں و بائیں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے مقام فرمایا اور یہ مسئلہ قرآن مجید وکتب فریقین سے بالکل ظاہر اور واضح ہے اور اس کا ذکر جلد اول میں بھی کتب شیعہ سے تحریر کر دیا گیا ہے اور اس مقام پر بھی چند آیات بینات ومعتبر کتب شیعہ سے فقیر عبارتیں بطور سند تحریر کر دیتا ہے تا کہ ناظرین کو یہ یقین آجائے کہ ان کی کیا شان ہے اور اس مسئلہ کا فیصلہ خداوند کریم نے جس طرح کیا ہے اور معترضین بھی ضد وعناد کی پٹی چشم دل سے کھول کر بنظر غور دیکھ کر انصاف فرمائیں کہ یہ آیات بینات کن لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں، قال اللہ تعالیٰ:

﴿ وما عند اللہ خیر وابقی للذین امنوا وعلی ربھم یتوکلون ☆ والذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش واذا ما غضبوا ھم یغفرون ☆ والذین استجابوا لربھم واقاموا الصلوۃ وامرھم شوری بینھم ومما رزقنھم ینفقون ﴾

(سورۃ شوریٰ پ ۲۵)

اور جو کچھ نزدیک اللہ کے ہے بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والا واسطے ان لوگوں کے کہ ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور وہ لوگ جو بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائیوں سے اور جس وقت کہ غصے میں ہوتے ہیں بخش دیتے ہیں اور وہ لوگ کہ قبول کیا انہوں نے واسطے رب اپنے کے اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور کام ان کا مشاورت سے ہے درمیان ان کے اور اس چیز سے کہ دی ہے ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں۔ اور قولہ تعالیٰ:

﴿ والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم

وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴾

(سورۃ توبہ ۱۰۰)

یعنی آگے بڑھ جانے والے ایمان لانے سے، پہلے ہجرت کرنے والوں سے اور مدد دینے والوں سے اور وہ لوگ جو نیکی کرتے ہیں ان کی ساتھ نیکی کے راضی ہوا اللہ ان سے اور راضی ہوئے وہ اس سے اور تیار کیے واسطے ان کے باغات بہشت کہ چلتی ہیں نیچے ان کے نہریں ہمیشہ رہنے والی ہیں حج ان کے یہ مراد پانا ہے بڑا۔ قول تعالیٰ:

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾

(پارہ چہارم)

اور مشورہ کر ان سے حج کام کے پس جب تو قصد کرے پس بھروسہ کر اوپر اللہ کے۔ قول تعالیٰ:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ ﴾

وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم سے اور کام کیے اچھے البتہ خلیفہ کرے گا ان کو حج زمین کے جیسا خلیفہ کیا تھا ان لوگوں کو جو پہلے ان سے تھے اور البتہ ثابت کر دے گا واسطے ان کے دین ان کا۔ قول تعالیٰ:

﴿ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ؕ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ﴾

(سورۃ فتح پ ۲۶)

وہ اللہ جس نے بھیجا پیغمبر اپنا ساتھ ہدایت کے اور دین حق کے تا کہ غالب کرے اس کو اوپر تمام دینوں کے اور کافی ہے اللہ گواہی دینے والا محمد رسول اللہ ﷺ رسول ہے اللہ کا اور جو لوگ کہ ساتھ اس کے ہیں سخت اوپر کفار کے رحمدل ہیں آپس میں اپنے دیکھتا ہے تو ان کو رکوع کرنے والے اور سجدہ کرنے والے چاہتے ہیں فضل خدا کا اور رضا مندی اس کی اور ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان ہیں یہ صفت ان کی حج تورات کے اور صفت ہے ان کی حج انجیل کے۔ قول تعالیٰ:

﴿ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ﴾

(پ ۵)

نوٹ: آیت السابقون سے مہاجرین و انصار اور ان کی اتباع کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ جنتی اور اعلیٰ درجہ کا ایمان فرمایا ہے اور اس کے مصداق بھی صحابہ کرام ہیں۔ فقط خادم شریعت عفا عنہ۔

اور جو کوئی فرمانبرداری کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی پس یہ لوگ ساتھ ان لوگوں کے ہیں کہ نعمت کی اللہ نے اوپر ان کے پیغمبروں سے اور صدیقوں سے اور شہیدوں سے اور صالحین سے اور اچھے ہیں یہ لوگ رفیق۔

ان آیات بینات سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ حکومت وخلافت کی بنا شوریٰ یعنی مشورہ اجماع اصحاب مہاجرین وانصار مسلمین پر منحصر تھی سو یہ بات کسی فرد اہل علم پر مخفی نہیں کہ تمام اصحاب مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے اصحاب ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے اور فضیلت اصحاب مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہ کی بایں طور ظاہر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ان کے افعال حسنہ صادر ہونے پر راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے خوش ہو کر جنت میں جا بسے اور جو شخص اجماع صحابہ سے منکر ہوا اس کا مقام دوزخ ہوا اور ان آیات کی تفسیر حضرت مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں بھی اسی طرح بیان فرمائی ہے اور معتبر کتاب شیعہ اخبار (۱) ماتم جلد اول مطبوعہ حسینی رامپوری صفحہ ۲۶۰ میں ہے:

"فلما خرجوا من عنده عليه السلام في مرضه و بقي عنده العباس والفضل وعلي اهل بيته خاصة فقال العباس يا رسول الله ﷺ ان يكون هذا الامر فينا مستقرا من بعدك فبشرنا وان كنت تعلم انا نغلب عليه فاوص بنا فقال انتم المستضعفون من بعدي"

اور علاوہ اس کے یہ طعن جو شیعہ کا ہے اصحاب ثلاثہ منافق ہو کر مرے نعوذ باللہ یہ خیال بالکل باطل ہے اور فاسد ہے کیونکہ قرآن مجید سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فیصلہ کر دیا ہے اور فرما دیا ہے کہ اے حبیب ﷺ تیرے شہر میں ہم کوئی منافق نہ رہنے دیں گے اور نہ ہی کوئی تیرا ہمسایہ منافق ہوگا اور یہ بھی فرما دیا ہے کہ اگر کوئی شخص برخلاف شریعت یعنی حکم تیرے کے کام کرے گا تو ہم اس کو تیرے شہر سے جلد نکال دیں گے اور ملعون بنا کر قتل کرا دیں گے سبحان اللہ اصحاب ثلاثہ تو ان کی عنوان نبوت وحیات مبارک سے لے کر اب تک آپ کے روضہ طیبہ اور شہر میں دائیں اور بائیں رونق افروز ہیں اور وہ آیت یہ ہے:

"لئن لم ينته المنافقون والذين في قلوبهم مرض والمرجفون في المدينة لنغرينك بهم ثم لا يجاورونك فيها الا قليلاً ملعونين ، اينما لقفوا اخذوا و قتلو تقتيلاً"

البتہ اگر نہ باز رہیں گے منافق اپنی شرارت سے اور وہ لوگ جو بیچ دل ان کے بیماری ہو اور بدخبر اڑانے والے بیچ شہر یعنی مدینہ کے البتہ پیچھے لگا دیں گے تجھ کو ان کے پھر نہ ہمسایہ رہیں گے بیچ اس کے مگر تھوڑے دن لعنت مارے جہاں پائے

(۱) علاوہ اس کے کتاب حیات القلوب جلد سوم صفحہ ۲۳۱ مطبوعہ نولکشور سند معتبر شیعہ میں لکھا ہے کہ فرمایا نبی علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہ ہزار بار دعائیں اللہ تعالیٰ نے میری قبول فرمائی ہیں لیکن تیری خلافت کو اللہ تعالیٰ اس مقام پر قبول نہیں فرماتا چونکہ بعد میرے یہ تیرا حق نہیں فقط۔ اب شیعہ صاحبان جواب دیں۔ خادم شریعت عفی اللہ عنہ

جائیں پکڑے جائیں اور قتل کئے جائیں خوب قتل کرنا اور وہ خط حضرت علی علیہ السلام کا تھا کہ بنام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لکھا گیا تھا وہ یہ ہے:

"ومن كتاب له عليه السلام الى معاويه انه بايعني القوم الذين بايعوا ابابكر و عمر وعثمان وعلى ما بايعوهم عليه فلم يكن للشاهد ان يختار ولا للغائب ان يرد انما الشورى للمهاجرين والانصار فان اجتمعوا على رجل وسموه اماما كان ذلك لله رضى فان خرج من امرهم خارج بطعن او بدعة ردوه الى ما خرج منه فان ابى قاتلوه على اتباعه غير سبيل المؤمنين ولا والله ما تولّى ولعمرى يامعاوية لئن انظرت بعقلك دون هواك لتجدني ابرأ الناس من دم عثمان ولتعلمن انى كنت في عزلة عنه الا ان تتجن فتجن ما بدا لك والسلام"

(کتاب نہج البلاغہ صفحہ ۱۹۶ مطبوعہ ایران و مصر، صفحہ ۲ جلد دوم)

بے شک اس قوم نے مجھ سے بیعت کی ہے جس نے ابا بکر و عمر و عثمان کی بیعت کی تھی، اسی امر خلافت پر کسی اب نہیں کسی شخص حاضر اور غائب کو یہ اختیار کہ اس امر کو رد کرے اور علیحدہ کوئی رستہ اختیار کرے کیونکہ یہ کام اجماع مہاجرین و انصار سے محکم ہو چکا ہے۔ پس جس شخص کو انہوں نے اجتماع یعنی کمیٹی سے نامزد کر دیا وہ واللہ کے ہاں پسند ہے۔ پس اگر نکلا کوئی شخص اس معاملہ سے طعن یا جدائی کر کے پھرلا اس کو طرف اس کے جس سے وہ بھاگا ہے۔ پس اگر انکار کیا اس نے تو مارا اس کو اور نہ پیروی کرنے لائے مومنوں کے پھر پہنچا دے گا اللہ اس کو پسندیدہ بات پر اور قسم مجھے عمر بخشنے والے میرے کی اے معاویہ اگر تو نظر غور سے خیال کرے تو پائے گا تو بڑا بری تمام آدمیوں سے خون عثمان سے اور ضرور جانا کہ تھا میں اس وقت گوشہ میں اس سے اگر تو بدلہ لیتا ہے تو اس سے لے جس پر تو ثبوت پائے اور سلام اور دوسرا خط حضرت امیر المومنین کا یہ ہے جو کہ بنام امیر معاویہ اس کے جواب میں لکھا ہے:

"واما (۱) ذكرت منازل الخلفاء وفضائلهم فتقول نحن وجدنا افضلهم في دين الله ابابكر العتيق والصديق ثم عمر فاروق الذي لا يخاف في الله لومة لائم ثم ذي النورين عثمان الذي يستحي منه الملائكه ولعمرى ان مكانهم في الاسلام لعظيم فرحمهم الله وجزاهم احسن ما عملوا"

یعنی اے معاویہ تو مجھ کو خلفاء کے فضائل یاد دلاتا ہے ہم نے ان کو یعنی مراتب سب خلفاء سے ابو بکر صدیق کو دین میں افضل پایا پھر عمر فاروق جاری کرنے احکام دین میں کہ کسی ملامت کنندہ سے نہیں ڈرتے تھے اور پھر ذی النورین کہ ان سے فرشتے مقرب بھی حیا کرتے تھے مجھے۔ اپنی عمر کی قسم ہے کہ اسلام میں خلفاء مذکورہ کا بڑا مرتبہ ہے اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت ہو اور ان کو اچھا اجر

(۱) یہ خطبہ شرح نہج البلاغہ اصفہانی مولوی سلطان محمود شیعہ نے جز ۱۴ میں لکھا ہے۔ ۱۲ خادم شریعت۔

ان کو پیس اور قاتل عثمان رضی اللہ عنہ کے قبیلہ اور سودان ہیں جو اس وقت حضرت عثمان کے گھر میں ہی قتل کیے گئے یعنی محاصرہ مصر اور وہ مصریوں میں سے تھے اور باقی محاصرین وغیرہ نے توبہ کرلی اور تو حائل کے ہاتھ پر بیعت کرلے۔

(نقل از شرح نہج البلاغۃ اور کتاب اصطلاق الحق)

امام جعفر علیہ السلام سے شیخین کی بابت طور تعریف ہے:

"هما امامان عادلان قاسطان كانا على الحق وماتا على الحق رحمهما الله تعالىٰ الىٰ يوم القيامة"

وہ دونوں امام عادل تھے یعنی ابوبکر صدیق و عمر رضی اللہ عنہما صاحب انصاف تھے اور دونوں حق پر تھے اور دونوں حق پر گزرے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مہربانی سے رحمت کرے قیامت کے دن اور کتاب معتبر شیعہ تحفۃ الاشعریۃ مطبوعہ یوسفی مقصد اول صفحہ ۴۳ بروایت کشف الغمہ میں ہے:

"سئل امام ابو جعفر عليه السلام عن حلية السيف هل يجوز فقال نعم الصديق نعم الصديق تدحلى ابوبكر الصديق سيفه فقال الراوى اتقول هكذا فوشب الامام عن مكانه فقال نعم الصديق نعم الصديق فمن لم يكن له الصديق فلا صدق الله فى الدنيا والأخرة"

کسی نے امام جعفر محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ تلوار کے قبضہ پر چاندی سونے سے نقش و نگار کرنا جائز ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں درست ہے بے شک ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار پر چاندی کا زیور لگایا تھا۔ راوی نے کہا کیا وہ صدیق تھے جو آپ کہتے ہو پس آپ غصہ میں آ کر مکان سے اچھلے اور فرمایا صدیق ہاں صدیق جو ان کو صدیق نہ جانے اللہ تعالیٰ اس کے قول کو دنیا اور آخرت میں سچا نہ جانے اور جواب دربارہ باغ فدک موضع خیبر کے نزدیک تین منزل مدینہ طیبہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملا تھا اور آپ اس کو مال فئی کے طور پر سال بسال بوجہ مال غیر منقولہ ہونے کے اقرباء و مساکین مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور آپ کی ذات بابرکات کو تین وجہ سے مال حاصل ہوا کرتا تھا یا تو مال غنیمت جو کہ جنگ و جدل و بھیل قہر و غلبہ سے یا مال فئی جو صلح و بغیر فوج کشی کے پس اگر یہ باغ فدک مال غنیمت میں تصور کریں یا مال فئی میں تو ہر دو صورت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقربا ہی اس کے حقدار نہ ہوں گے بلکہ جملہ اصحاب مہاجرین و انصار و یتیم و مسکین بھی قیامت تک حقدار رہیں گے چنانچہ قرآن مجید ان ہر دو صورت میں صورت مال کی تقسیم اور مستحقین کے لئے مفصل بیان کرتا ہے، وہو ہذا، قال اللہ تعالیٰ:

﴿ واعلموا انما غنمتم من شيء فان لله خمسه وللرسول ولذى القربىٰ واليتمىٰ والمسكين وابن السبيل ان كنتم امنتم بالله ﴾

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور جانو تم یہ جو کچھ کہ لوٹ لو کسی چیز سے پس واسطے اللہ کے ہے پانچواں حصہ اور واسطے رسول کے اور واسطے قرابتیوں رسول کے اور واسطے یتیموں کے اور فقیروں کے اور مسافروں کے اگر ہو تم ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور مال فئی کی تعریف وتقسیم بایں طور اللہ نے فرمائی ہے :

﴿ وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ الخ ﴾ ، ﴿ مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ... الآية ﴾

اور جو کچھ پھرلایا اللہ اوپر رسول اپنے کے ان میں اور نہیں دوڑائے تم نے اوپر اس کے گھوڑے نہ اونٹ ولیکن اللہ مسلط کرتا ہے رسولوں اپنے کو اوپر اس کے جسے چاہتا ہے اور جو کچھ پھرلایا اللہ اوپر رسول اپنے کے اور بستیوں والوں سے واسطے خدا کے اور واسطے رسول کے اور واسطے قرابت والے اور یتیموں کے اور مسکینوں کے اور مسافروں کے اور اس کے آگے یوں فرمادیا ہے۔

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴾

یہ مال واسطے فقیروں وطن چھوڑنے والوں کے ہے جو نکالے گئے اپنے گھروں سے اور مال اپنے سے چاہتے ہیں فضل خدا کے سے اور رضامندی اور مدد دیتے ہیں خدا کو اور اس کے رسول کو یہ لوگ وہی ہیں سچے اور علاوہ اس کے خود کتب شیعہ معتبرہ سے ثابت ہے کہ مال گروہ انبیاء کا صدقہ کا حکم رکھتا ہے اور خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے باغ فدک دے دیا تھا اور خاتون جنت رضی اللہ عنہا امیر المومنین خلیفہ پر راضی ہوگئی تھیں چنانچہ کافی کلینی کتاب شیعہ العقل والجہل باب صفت العلم بروایت امام جعفر صادق اور اس کی شرح شافی میں ہے :

" ان الانبياء لم يرثوا درهماً ولا ديناراً وانما يرثوا احاديثهم فمن اخذ بشيء منها فقد اخذ حظاً وافرةً "

" ازينها ہر چه باقی مانده اگرچه ترك است دران حكم ترکه نیست "

اور کتاب فریقین میں بات بھی ظاہر ہے کہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے خلیفہ اول کی طرف ایک قاصد بھیجا اور اپنے دروازے پر بلا کر باغ فدک کے بارہ میں گفتگو روبرو اپنے خاوند ابن عباس کے خلیفہ اول سے کہی اور ابوبکر صدیق نے یہ حدیث ان کے جواب میں بیان کی :

" قال رسول الله ﷺ لا نرث ولا نورث ماتركناه صدقة "

اور حاضرین کو کہا کہ تم نے یہ حدیث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کبھی سنی ہے یا نہیں تو مولا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہے